جلد 39 شمارہ 9
ستمبر 2017ء
قیمت -/60 روپے

اسلامیات

انشاء نامہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797 , 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! ستمبر 2017ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں ماہ ستمبر ایک ان مٹ موڑ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جب بزدل دشمن نے رات کی تاریکی میں وطن عزیز پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ پاکستانی فوج کے جیالے سپاہیوں نے اس محلے کا مقابلہ انتہائی جوش اور ولولے سے کیا اور دشمنوں کو دندان شکن جواب دیا۔ پاکستان کی مسلح افواج کے لاتعداد سپاہیوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر وطن عزیز کی سالمیت پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔

وطن عزیز کو آج بھی اندرونی و بیرونی دشمنوں کا سامنا ہے۔ ہم اپنے وطن عزیز کی تعمیر و ترقی کے بجائے گروہی و انفرادی مفادات کے حصول میں الجھ کر اتنے بے پروا ہو گئے ہیں کہ ہمیں اپنے وطن کے استحکام اور سالمیت کی بھی پروا نہیں رہی۔ آیئے یوم دفاع پاکستان کے موقع پر ہم سب ایک ہو کر 1965ء کا جذبہ دلوں میں جگا کر یہ عہد کریں کہ ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر وطن کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور وطن عزیز کی حفاظت دل و جان سے کریں گے۔

دعا مغفرت:۔ سترہ ستمبر کو ہماری والدہ مرحومہ بیگم سردار محمود کی برسی کے موقع پر قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو درگزر کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

اس شمارے میں:۔ فلک ارم ذاکر، اُم ایمان اور ندا علی عباس کے مکمل ناول، مبشرہ انصاری اور بشریٰ سیال کے ناولٹ، تمثیلہ زاہد، صوبیہ رفعت، حنا اصغر، فرح طاہر، فوزیہ سرور اور سعدیہ عابد کے افسانے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

نام بھی تیرا عقیدت سے لیا جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں

کوئی دنیا میں مرا مونس و غمخوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے پہ جیے جاتا ہوں

تیرے اوصاف میں اک وصف خطا پوشی ہے
اس بھروسے پہ خطائیں بھی کیے جاتا ہوں

آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدہ شکر بہر حال کیے جاتا ہوں

زندگی نام ہے اللہ پہ مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیے جاتا ہوں

صبر کرنا ہے تری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کر آنسو بھی پیے جاتا ہوں

ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اقبال
شکر ہے ایک سلیقے سے جیے جاتا ہوں

اقبال عظیم

کس کا جمال ناز ہے جلوہ نما یہ سو بہ سو
گوشہ بگوشہ در بدر قریہ بہ قریہ کو بہ کو

اشک فشاں ہے کس لئے دیدہ منتظر مرا
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو

مری نگاہ شوق میں حسن ازل ہے بے حجاب
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو

جلوہ عارض نبیؐ رشک جمال یوسفی
سینہ بہ سینہ سر بہ سر چہرا بہ چہرا ہو بہ ہو

زلف دراز مصطفیٰ گیسوئے لیل حق نما
طرہ بہ طرہ خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

یہ میرا اضطراب شوق رشک جنون قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ دل بہ دل شیوہ بہ شیوہ خو بہ خو

تیرا تصور جمال میرا شریک حال ہے
نالہ بہ نالہ غم بہ غم نعرہ بہ نعرہ ہو بہ ہو

رئیس امروہوی

ادارہ

دائرہ حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق اللہ اور حقوق العباد کوئی ایک دوسرے سے کٹے ہوئے یا علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوست ہیں، ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی بھی ادائیگی ہو جاتی ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی سے اللہ کے حکم کی ادائیگی ہوگی اور اس طرح حقوق اللہ کے زمرے میں آئے گی اور یہ عبادت شمار ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''راستے سے تکلیف دو چیز ہٹانا بھی نیکی ہے۔''

راستہ میں پڑا پتھر چونکہ مخلوق خدا کو تکلیف دیتا ہے، اس لئے اس کے ہٹانے کو بھی حقوق اللہ کی ادائیگی سے متصور کر کے نیکی مانا جائے گا۔

حقوق اللہ میں مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۱۔ توحید باری تعالیٰ
۲۔ قیام صلوۃ یا عبادت
۳۔ ادائیگی زکوۃ
۴۔ اہتمام صیام
۵۔ ادائیگی مناسک حج
۶۔ امر بالعروف و نہی عن المنکر یا جہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنی ترتیب میں حقوق العباد کو اپنے حقوق کی نسبت زیادہ اہمیت دی ہے، عام لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر برتری حاصل ہے اس لئے وہ نماز، روزہ کا کچھ اہتمام کر لیتے ہیں، لیکن حقوق العباد کی نگہداشت نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں عدل و احسان کا فقدان ہو جاتا ہے اور معاشرہ نفاق، انتشار، عدم اطمینان اور تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے، حقوق اللہ میں کوتاہی تو شاید اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی کے طفیل عفو و درگزر کی وجہ سے معاف ہو جائے لیکن حقوق العباد یعنی حقوق انسانی کے سلسلے میں کیے جانے والے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ بندے کا گناہ تو بندہ ہی معاف کر سکتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حوالے سے فرمایا۔

''کیا جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

''جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نہیں! مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حال میں ہو جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہو گی، روزہ بھی ہوگا، زکوۃ بھی ادا کی ہوگی اور حج بھی کر لیا ہوگا مگر وہ گناہ جو لوگوں کو گالیاں دے کر، غیبت کر کے یا کسی فرد کا حق مار کر مفاد اٹھایا ہوگا، وہ اسے کیسے جنت میں جانے دے گا، جن کا حق مارا ہوگا وہ اس کی نیکیاں لے کر جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں کی ہوں گی تو اس پر لوگوں کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے اور وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔'' اسی وجہ سے محسن انسانیت خیر

الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بڑھ چڑھ کر نیکیاں کیا کرو اور کبھی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھو، چاہے ایک کھجور کا صدقہ ہی کیوں نہ ہو۔

حقوق العباد پر اللہ تعالیٰ کا زور اس لئے بھی ہے کہ حقوق العباد کی روگردانی سے خود بنی نوع انسان کو نقصان ہوتا ہے، عدل و توازن برقرار نہیں رہتا، ظلم پھیلتا ہے اور عفو و احسان سکڑتا ہے، اخوت و مساوات ختم ہوتی ہے اور ظاہر ہے ایسا ماحول جہنم سے کم نہیں ہے، اس لئے انسان کی جبلت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے جن کا کام تذکیہ نفس اور حکمت کی تعلیم تھا تاکہ خلافت ارضی پر مامور حضرت انسان کو فرائض خلافت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے تیار کرسکیں، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باہمی تعلق اور نجات اخروی میں ان کی اہمیت کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔

جنت میں لے جانے والے اعمال

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جنت میں لے جانے والے اعمال یہ ہیں۔''

اللہ کی عبادت ایسے خلوص سے کرو کہ اللہ کے سوا نہ صرف یہ کہ کسی غیر کی عبادت نہ کرو بلکہ اللہ کی جو عبادت کرو، اس میں شرکت غیر کا شائبہ تک نہ ہو، خالصتاً اللہ کی عبادت ہو اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے میل جول اور حسن سلوک کرو۔''

رزق حلال

ایک اور ارشاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص لمبا سفر کر کے غبار میں اٹا ہوا آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ربی کہتا ہے، دعا کرتا ہے مگر اس کا کھانا، پینا، لباس اور نشو و نما سب حرام کی کمائی سے ہے تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔''

نیکی کیا ہے

حضرت وابصہ ابن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا۔

''تم پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے؟ اور گناہ کیا؟''

میں نے عرض کیا۔

''ہاں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں کو اٹھا کر اور میرے سینہ پر مار کر فرمایا۔

''اپنے آپ سے دریافت کر، اپنے دل سے دریافت کرو۔''

پھر فرمایا۔

''نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور اس کے دل کو اطمینان ہو جائے اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا ضمیر خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے سینہ میں شک پیدا ہو جائے۔''

جب ایک شخص کسی دوسرے شخص کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی حفاظت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اگر وہ کسی کی جان لیتا ہے تو اس کی جان لے لی جاتی ہے، اگر وہ کسی کی

تہمت لگا کر بے عزتی کرتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے غیر معتبر ٹھہر جاتا ہے، اسی طرح کوئی محفوظ مال چراتا ہے تو گویا وہ اپنے بھائی کا حق مار کر جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے، غرضیکہ یہ سارے جرائم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے خلاف ہوتے ہیں تو اس سے بندوں کا خالق متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، چنانچہ اسی وجہ سے اس نے معاشرے میں ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے حدود کا تعین کر دیا ہے جو قرآن و حدیث میں بیان کر دی گئی ہیں۔

حقوق نفس

نفس سے مراد انسانی جان ہے جو کہ شخصیت انسانی کی تمام ظاہری و باطنی کیفیات پر محیط ہے، لہٰذا نفس کے حقوق وہی ہوں گے جو انسان کے جسم اور اس کی روح کے حقوق ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے فرمایا۔

''بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے، تیرے بدن کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ اس طاقت کے مطابق اس کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور اس پر وہی ہے جو اس نے کیا۔'' (البقرہ۔۲)

اور قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہے۔

''اپنی جانوں اور اپنے اہل خانہ کی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ شعراء کی آیت ۲۱۴ نازل فرمائی کہ ''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ'' تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا۔

''اے گروہ قریش! اپنی جانوں کو (جہنم سے) بچالو، میں تم کو عذاب الٰہی سے ذرا بھی بچا نہ سکوں گا۔'' پھر آپ نے نام لے لے کر بنی عبد مناف، حضرت عباس بن عبد المطلب اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا۔

''میں آپ کو اللہ کی گرفت سے ذرا بھی نہ بچا سکوں گا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سے کہا۔

''اے فاطمہ میری بیٹی! تم مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو لے لو مگر میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تمہیں ذرا بھی نہ بچا سکوں گا۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نادان ہجرت بہت مشکل کام ہے تم اگر سمندروں کے اس پار رہتے ہوئے بھی نیک عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور اس کا اجر تم کو مل کر رہے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔

''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں اور کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتے ہو؟'' اس نے عرض کیا۔

''ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تو پھر زکوۃ ادا کرتے رہو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب تم میں سے کوئی بستر پر جانے لگے تو تو اسے چاہیے کہ پہلے بستر کو جھاڑ لے، اسے نہیں معلوم کہ اس کے پیچھے اس پر کیا چیز آئی پھر کہے اے میرے مالک! میں تیرے ہی نام سے اپنا

پہلو بستر پر رکھ رہا ہوں اور تیرا ہی نام لے کر اسے بستر سے اٹھاؤں گا، اگر اس دوران تو میری روح قبض کرے تو اس پر رحم فرمائیو اور اگر تو اسے آزاد رکھے تو اس کی اس طرح حفاظت فرما جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔''

مسافر کے لئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سفر ایک طرح کا عذاب ہے، جس کی وجہ سے انسان کھانے، پینے اور سونے سے محروم رہتا ہے اس لئے مسافر کو چاہیے کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچنے میں جلدی کرے۔'' (بخاری ۱۹:۲۶)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ جلتی نہ چھوڑو۔'' (بخاری ۷۹:۴۹)

سوال نہ کرنا

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ انصار میں سے چند لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب کیا آپ نے انہیں دے دیا، انہوں نے پھر مانگا آپ نے پھر عطا فرمایا حتیٰ کہ جو کچھ آپ کے پاس موجود تھا سب ختم ہو گیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

''میرے ہاں جو مال ہوتا ہے، میں اس کے دینے میں دریغ نہیں کرتا اور تم سے بچا کر نہیں رکھتا لیکن جو شخص سوال کرنے سے باز رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے صبر آسان کر دیتا ہے اور کسی کو کوئی عطائے الٰہی صبر سے زیادہ بہتر اور

وسعت والی نہیں ملی۔'' (بخاری ۸:۲۵)

حیاء

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حیاء صرف بھلائی لاتی ہے۔'' (بخاری ۷۷:۷۸)

دیور سے پردہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عورتوں کے پاس جانے سے خود کو بچاؤ۔''

ایک انصاری نے دریافت کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دیور تو موت ہے۔'' (بخاری ۶۷:۱۱)

صدقہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کوئی شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ دیتا ہے تو اللہ اسے بڑھاتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔''

(بخاری ۹۷:۲۳)

گھر والوں پر خرچ

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مسلمان جب اپنے گھر والوں پر خرچ

کرتا ہے اور خرچ کرتے وقت ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ خرچ اس کا صدقہ بن جاتا ہے۔"
(بخاری ۱:۲۹۱)

صدقہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "انسانوں کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں ان میں سے ہر ایک پر صدقہ واجب ہے ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دینا بھی صدقہ ہے اور کسی کی مدد کرنا اس طرح کہ اسے اپنی سواری پر بٹھا کر اس کا سامان لاد کر منزل تک پہنچا دے یہ بھی صدقہ ہے اور کلمہ خیر یا اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کے لئے مسجد کو جاتے ہوئے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور راستے میں ایذارساں چیز ہٹانا صدقہ ہے۔"
(بخاری ۵۶:۱۲۸)

سوال کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"انسان کا جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا کمر پر اٹھا کر لانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرے جو اسے کچھ دے یا انکار کر دے۔" (بخاری ۳۴:۲۳)

دھوکا دینا

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"جب تم کچھ خریدو یا بیچو تو کہہ دیا کرو لاخلابہ" (یعنی بلا کسی دھوکے کے عیب ذکر کر دیا کرو۔) (بخاری ۳۴:۴۸)

سود

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، کسی سے حسد نہ کرو اور نہ آپس میں بول چال بند کرو اور سب اللہ کے بندو ایک دوسرے کے بھائی بن کر زندگی گزارو اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلقات یا بول چال ترک کرے۔" (بخاری ۷۸:۵۷)

مسلمانوں کے حقوق

حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی نہ تو اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ظلم یا تکالیف میں مبتلا دیکھ سکتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کا کفیل ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی ایک مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔" (بخاری ۴۶:۳)

☆☆☆

ابن انشاء

فی زمانہ حکومتوں کے بدلنے کے دو طریقے رائج اور مقبول ہیں، ایک بیلٹ یعنی الیکشن، دوسرا بلٹ یعنی گولی کا، ویسے اب دوؤں میں چنداں فرق نہیں رہا کیونکہ الیکشن میں بھی بیلٹ کے ساتھ ساتھ بلکہ بیلٹ سے زیادہ بلٹ کا استعمال ہونے لگا ہے اور زیادہ موثر اور کامیاب پایا گیا ہے، ہم ذاتی طور پر الیکشن کے حق میں نہیں، یہ خون خرابے کی چیز ہے جسے ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں اختیار کیا ہے، ہمارے بہترین بادشاہوں میں سے جن کا نام زریں حروف سے لکھتے لکھتے ہماری دواتیں خشک ہوگئی ہیں اور ملک کے سونے کے ذخائر میں کافی کمی واقع ہوگئی ہے، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں وغیرہ، ان میں سے کون الیکشنوں کے ذریعہ برسر اقتدار آیا؟ عوام کی اکثریت کی رائے کی کوئی سند بھی نہیں۔

لوگوں کا بس چلتا تو بادشاہ غازی حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے مقابلے میں وہ ووٹ داراشکوہ کو دیتے، حالانکہ ہم آپ جانتے ہیں کہ وہ بڑا بدعقیدہ آدمی تھا، ہمارے ممدوح کے مقابلے میں جو متدین ایثار پیشہ، درویش اور اپنے بھائیوں پر جان چھڑکنے والے تھے، اس میں کوئی خاص خوبی نہ تھی بلکہ ایک بڑا عیب یہ تھا کہ کتابیں لکھتا تھا، اکبر اعظم تو الیکشن کا فارم بھی خود نہ پر کر سکتے تھے، ان کے نامزدگی کے کاغذات ابوالفضل کو پر کرنے پڑتے، بادشاہ بس نشان انگشت ثبت کرتا، محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی سے بھی یہ توقع نہیں کرتے کہ وہ اس کھٹ راگ سے گزرتے۔

امیر تیمور کو ہم قائل کر لیتے، ہمارا خیال ہے کہ وہ ہماری بات نہ ٹالتے، لیکن یہ بھی گمان ہے کہ کچھ اس قسم کا عذر کر کے کہ ''آج میری ٹانگ میں درد ہے، کل الیکشن کی تاریخ کا اعلان کروں گا۔'' راتوں رات گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر لشکر لے کر ''علی علی'' کرتے خوارزم کی طرف نکل جاتے، بلکہ ان کا ایک اور گھوڑا جاتے جاتے ہماری گھاس پھوس کی کٹیا کو لات مار جاتا کہ اور دو مشورے صاحب قراں کو، اصولاً تو انگریزوں کو بھی حکومت سنبھالنے سے پہلے ہندوستان میں الیکشن یا استصواب رائے وغیرہ کرانا چاہیے تھا لیکن خیر! دوسرا طریقہ بھی حکومت بدلنے کا اتنا ہی مقبول اور مشہور ہے بلکہ ہمارے ہاں جمہوریت تو مدت سے کافور ہے، اسی کا زیادہ دستور ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان دو گھسے پٹے طریقوں کے علاوہ بھی کوئی طریقہ ہے جو پرامن بھی ہو، افسوس کہ ٹیلیویژن اور ریڈیو کی بدعت رائج ہونے کے باعث لوگوں میں پرانے کلاسیکی ادب کا ذوق اٹھ گیا ہے، ہائے کیا زمانہ تھا کہ لوگ شب و روز داستانیں کہتے سنتے رہتے تھے، خوش جمال بادشاہوں اور ماہ پارہ شہزادیوں کی اور تین آنکھوں والے نابکار دیوؤں کی اور اڑتے قالینوں کی، داستان میں اس انہماک کا ایک ضمنی فائدہ یہ تھا کہ ملک میں انفلیشن (افراط زر) بھی پیدا نہ ہونے پاتی تھی۔

ان قصوں کہانیوں کے بموجب ایک بادشاہ

کے لاولد مرنے پر لوگ صبح دم شہر کے دروازے میں سب سے پہلے داخل ہونے والے مسافر کے سر پر تاج رکھ کر شادیانے بجا دیتے تھے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے شاہ مرحوم کا کانا وزیر اس پہلے آدمی کو پہلے ہی بغلی دروازے سے یا فصیل کے برج سے رسی لٹکا کر شہر کے دروازے کے پاس اتار دیتا تھا اور وہ تڑکے تک سردی سے ٹھٹھرتا اپنے کو بادشاہی کے خوابوں سے گرماتا وہاں دبکا پڑا رہتا تھا، لیکن ہم اسے محض بدگمانی سمجھتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں ولی عہد پیدا کرنے کے معقول انتظام ہوتے تھے، خاصے گنجان حرم بیگموں کے بھی، کنیزوں کے بھی، امراء، وزرا کی بہو بیٹیاں اس پر مستزاد اور اولاد نرینہ کی بشارتیں اور دعائیں دینے والے اہل اللہ بھی شہر کے باہر ڈیرے جمائے بیٹھے رہتے تھے، شہر سے باہر لیکن اتنی دور بھی نہیں کہ لوگوں کو نذر و نیاز کے ٹوکرے وہاں تک لے جانے میں دقت ہو۔

علاوہ ازیں ان دعاؤں کو مستجاب بنانے اور اس معاملہ میں قدرت کا ملہ کو ظہور میں لانے کے لئے محل کے اندر حبشی غلام بھی رہتے تھے جن کے سرکاری فرائض تو دن میں ختم ہو جاتے تھے لیکن اپنے آقا کی بیگمات کی فرمائش پر اوور ٹائم بھی خوشی خوشی کر لیتے تھے، خواجہ سراؤں کی موجودگی اس میں مانع نہ ہوتی تھی، تاہم داستانوں سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہوں کی لاولدی اور صبح دم مسافروں کو بیٹھے بٹھائے پکی پکائی بادشاہی ملنے کی وارداتیں خاصی ہوتی تھیں۔

☆☆☆

ہم بادشاہت کے تہہ دل سے قائل ہیں، اس وقت بالخصوص مسلمان ملکوں میں جو بادشاہ ہیں، وہ ہماری آنکھ کا تارا ہیں، ہم نے کئی بار لکھا کہ اب جو ہمیں خدا نے یہ ملک دیا ہے تو اس میں ہمیشہ بادشاہت لا کر کسی کو بادشاہ یا خلیفہ بنانا چاہیے تاکہ یہ آئین دستور، پیپلز پارٹی، پی این اے وغیرہ کے جھگڑے نہ اٹھیں، یہ کوئی ضروری نہ تھا کہ ہمیں بادشاہ بنایا جاتا، کسی اور کو بھی بنایا جا سکتا تھا، کیونکہ فی زمانہ اہلیت اور لیاقت کو کون دیکھتا ہے، تاہم ہماری شنوائی نہ ہوئی۔

انگلستان ہم اس لئے بھی آئے تھے کہ یہاں بادشاہت ہے، یہاں کبھی نہ کبھی کوئی تو لاولد مرے گا کیا عجب یہاں صبح دم دروازہ شہر میں داخل ہونے والوں کے حقوق تسلیم کیے جائیں، لیکن یہاں آ کر پہلی مایوسی تو یہ ہوئی کہ اس شہر میں نہ فصیل ہے، نہ کوئی دروازہ ہے، یہاں ہم کمبل لے کر پڑ جاتے اور ہر روز اخبار ٹائمز خرید کر سیاہ حاشیے کی خبروں کا مطالعہ کرتے ایک صورت یہ بھی تو تھی کہ لوگ در بدر تلاش کرتے تھے کہ شہر میں کوئی ایسا بصرے یا کاشغر کا نوجوان تاجر ملے جس کا تعلق کسی پرانے شاہی خاندان سے ہو اور جو حسن صورت، لیاقت اور ذہانت میں یکتائے زمانہ ہو، ہم نے اسی خیال سے اپنی ڈگریاں اس ڈگری کے علاوہ جو کہ آپ پر یٹو قرضہ کی نادہندگی کے سلسلے میں ہم پر ایک دیوانی عدالت نے دی تھی (کوئی باہوش عدالت ایسا نہیں کر سکتی تھی) فریم کرا کے اپنے ڈرائنگ روم میں لٹکا دیں، جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، ایسے بھی جن کی پارلیمنٹ اور بکنگھم پیلس تک پہنچ ہے اور خود عمل تسخیر شروع کر دیا، قباحت یہ ہوئی کہ کسی نے ملکہ عالیہ کو بروقت فیملی پلاننگ کا لٹریچر نہ بھیجا تھا جس سے چند قباحتیں پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں بلکہ قباحت در قباحت بھی، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شہزادی این کے ہاں اس عزیزہ کے پیدا ہونے کی ہمیں خوشی نہیں، جب اور سب

ہی کو ہے تو ہمیں بھی ہے، تاہم یہ ہوا کہ بادشاہت کی کیو میں ان کا نمبر لگ گیا، پانچواں۔

ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں

پھر بھی اگر پہلے چار امیدواروں کو کچھ ہو جائے اور ان میں جو اولاد نرینہ ہے، وہ فاترالعقل نکل جائے یعنی سب کے سب امریکی منکوحہ عورتوں سے شادی کرکے وزیراعظم وقت کو ناراض کرلیں، یا رومن کیتھولک، مسلمان یا کبیر پنتھی ہو جائیں اور یہ نومولود بچی تاج پہننے سے انکار کردے کہ چبھتا ہے یا میرا ہیئر اسٹائل سے خراب ہوتا ہے تو سلطنت دست بدست ہم تک آ سکتی ہے، لیکن آج یہ خبر آئی کہ اس گھرانے میں ایک اور شہزادی نے جنم لیا ہے، یہ ڈچس آف گلوسسٹر کی صاحبزادی ہیں، ان کا بادشاہت کی قطار میں بارہواں نمبر ہے۔

ہم نے ایک ہمدرد سے ذکر کیا اور کہا کہ ”گلوسسٹر پیلس میں رہنے کی وجہ سے ہم بھی ایک طرح کے ڈیوک آف گلوسسٹر ہیں کہ نہیں۔“ تو کہنے لگے۔

”صاحب من، اگر ملکہ الزبتھ ثانی کو ملکہ وکٹوریہ کی عمر ارزانی ہوئی تو کچھ عجب نہیں کہ ایک سو بارہواں امیدوار بھی پیدا ہو جائے، بس سیدھے اپنے وطن واپس جاؤ، اپنا وقت مت ضائع کرو، امیگریشن کے رجسٹر کے مطابق تمہارا نمبر وارثت کے معاملے میں چھ کروڑ اٹھتر لاکھ چوراسی ہزار آٹھ سو پینتیسواں ہے، پھر تم کالے بھی ہو اور پرانی داستانوں میں بھی شاہی خون کی شرط ہوا کرتی تھی۔“

ہم نے بتایا کہ ”کالے تو ہم بیماری کی وجہ سے ہو گئے ہیں، جب وقت آئے تو اپنے ملک سے گورا کرنے والی کریم منگالیں گے، جس کے استعمال سے حبشی تک گورے ہو سکتے ہیں اور

رہوڈیشیا اور جنوبی افریقہ تک کے مسئلے حل ہو سکتے ہیں، اب رہی شاہی خاندان کی بات ہم نے ایک پرانی کتاب میں دیکھا ہے کہ پراچین زمانے میں ہمارے جدامجد کالنجر کے قریب ایک ریاست کے ایک طرح سے راجہ تھے، وہ یوں کہ بظاہر راجہ ان کے چھوٹے بھائی تھے لیکن وہ بڑے بھائی یعنی ہمارے جدامجد کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ان کی کھڑاؤں تخت پر تو نہیں، تخت پر جگہ ہی کہاں ہوتی ہے، تخت کے نیچے رکھتے تھے۔"

ہمارے ان مہربان نے فرمایا۔

"یہ انگلستان ہے، یہاں انگریزی خون یعنی سفید خون کی شرط ہے، کالنجر کا حوالہ نہیں چلے گا۔"

ہم نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔

"اچھا تو اور ملکوں کے نام بتاؤ جہاں بادشاہت ہو اور جہاں جوہر قابل کی قدر ہوتی ہو، اسلامی ملک ہو تو اور اچھا ہے، کیونکہ ہمیں اسلام کا بول بالا کرنے کا بھی شوق ہے۔"

ہمارے ان دوست نے چند ملکوں کے نام بتائے لیکن یہ بھی کہا کہ "آج کل وہاں ویزا کی پابندی ہے اور پاکستانیوں کو تو بالکل نہیں ملتا۔"

اس کے بعد جیب سے پی آئی اے کا ٹائم ٹیبل نکال کر کہنے لگے۔

بتاؤں، لندن سے کون کون سی فلائٹیں سیدھی کراچی جاتی ہیں۔"

ہم نے منغض ہو کر کہا۔

"رہنے دو، ہم خود دیکھ لیں گے، آدمی گڑ نہ دے، گڑ کی بات تو کرے۔"

ہم بادشاہ ہوتے تو کیا کرتے، اس باب میں ہم نے ایک منشور چھاپ رکھا ہے جسے خرچا ڈاک کے لئے دس روپے بھیج کر ہم سے طلب کیا جا سکتا ہے، مختصر یہ کہ ملک سے ساری بری بری باتوں کا قلع قمع کرتے پہلے قلع پھر قمع، جمعے کی چھٹی کرتے تھے، لیکن افسوس وہ پہلے ہی ہونے لگی ہے، خیر جمعے کی دو چھٹیاں کر دیں گے، ہمارے عہد معدلت عہد میں ہفتے میں دو جمعے ہوا کریں گے تاکہ لوگ دل جمعی سے عبادت کرتے رہیں، جمہوریت اور سوشلزم وغیرہ کے شیطانی وسوسے ان کے دل میں پیدا نہ ہوں، شراب کی ممانعت کرنے کا نکتہ بھی ہمارے منشور میں تھا، وہ بھی ہو چکی، لیکن ہرج نہیں، ہم مزید ممانعت کر دیں گے تاکہ جو لوگ نہیں پیتے وہ مزید نہ پئیں، یہاں تفصیل کیا دیں، آزمائش شرط ہے، "مشک آنست کہ خود بوید۔"

☆☆☆

تاریخ انگلستان ہم نے اس خیال سے لکھنی شروع کی تھی کہ آخر میں اپنے عہد کا حال اپنے قلم سے لکھ جائیں تاکہ آنے والے مورخ غلطیاں نہ کریں، لیکن قارئین کرام شاعر کہہ گیا ہے۔

"حب وطن از ملک سلیماں خوشتر۔"

اب ہم فرنگستان کے راج پاٹ پر لات مار کر وطن واپس آنے اور ایک رحم دل اور بیدار مغز تاجدار کے طور پر اپنے ملک اور رعایا کی خدمت کرنے کے لئے بے تاب ہیں، جونہی امراء اور عمائد کا کوئی وفد ہمیں لینے کے لئے آئے گا، ہم لندن کے درو دیوار پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے روانہ ہو جائیں گے، اس کالم کی کٹنگ سنبھال کر رکھیں، اپنے سب قارئین کو ہم خلعت و انعام دیں گے اور لوگوں کا منہ موتیوں سے بھر دیں گے، خصوصاً ان کا جو نکتہ چینی کے لئے منہ کھولنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

اکیسویں قسط کا خلاصہ

شانزے کی بلیک میلنگ غانیہ اور حجاب کے بعد حمدان پہ بھی کھل جاتی ہے، حمدان ماں بہن کی طرح پریشان نہیں ہے، بلکہ وہ شانزے سے شادی سے انکار کر کے شانزے کے حواس سلب کر لیتا ہے، غانیہ اس بات پہ خوش نہیں، وہ حمدان کو اور حجاب کو بھی مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس معاملے میں خاموش رہیں۔

کامیابی کے اہم ترین موڑ پہ ساحرہ کے لئے اچانک مشکل اس وقت کھڑی ہوتی ہے اس کی بیٹی ہی اسے یہ شادی کرنے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ خود بھی اس شخص کی محبت میں گرفتار ہے، ساحرہ کے لئے محبت کو حاصل کرنا اہم ہے، وہ راستے کی ہر دیوار کو ٹھوکروں سے اڑانے کے در پے ہے۔

قدر، علی شیر کے رویئے سے پریشان ہے، جو دن بدن عجیب اور مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بائیسویں قسط

"بالکل ڈرے اور جھجکے بغیر میرے سامنے وہ بات رکھو حرم جو حقیقت پر مبنی ہے، جو تمہارے دل میں ہے، میں بس سچ سننا چاہتا ہوں۔" اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے برابر آ بیٹھتے ہوئے حمدان نے نرمی و محبت اور بے حد ملائمت سے ایسے سوال کیا کہ وہ بالکل ریلیکس ہو سکے، سچ بیان کرنے کی ہمت پیدا کر سکے۔

"جو آپ تک پہنچایا گیا اور جس انداز میں، وہ سب جھوٹ ہے بھائی، سراسر دھوکہ، محض نظر کا فریب، میں ایسی نہیں ہوں آپ جانتے ہیں نا۔" آنکھوں میں آنسو بھرے وہ اس پل اپنی ذات کا اعتبار سونپتی حمدان کو بالکل معصوم سی پیاری سی حرم لگی، جو بچپن میں ڈری سہمی اس کی پناہوں میں چھپتی پھرتی تھی۔

"بالکل جانتا ہوں، اس بات کو چھوڑ کر بات کرو، شانزے کی گھٹیا فطرت سے آگاہ ہوں میں، تم سے یہ سوال اس لئے کر رہا ہوں حرم کہ بچپن کا نکاح ہے تمہارا، اس رشتے میں انسیت کا دل میں جگہ پا جانا غیر معمولی بات نہیں، میں نہیں چاہتا میرا کوئی بھی فیصلہ تمہاری زندگی پہ اثر انداز ہو، اس کے باوجود بھی میں یہی کہوں گا، اگر خوانخواستہ ایسی کوئی بات ہے بھی تو اپنے دل کو سمجھا لو...... اور......"

"بھائی پلیز!" حرم نے بے ساختہ اسے ٹوکا، اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا۔

"ایسی ہر گز بات نہیں، یاداشت کے پردے پہ جب بھی یہ سوچ اتری سوائے خوف کے کوئی احساس اندر جنم نہ لے سکا، مجھے عباس بالکل پسند نہیں، بلکہ اگر فرینڈلی بات کروں تو پپا سے شاکی ہونے لگتی ہوں کبھی کبھار تو...... انہوں نے اس تعلق میں زبردستی جوڑ کر مجھے سوائے اذیت کے کچھ نہیں دیا۔"

وہ آنسو پونچھ رہی تھی، حمدان نے اس کے کاندھوں پہ اپنا مضبوط، بازو پھیلایا اور خود سے لگا کر اسے نرمی سے تھپکا تھا۔

"یہ سب ماضی بعید کا قصہ ہے حرم گڑیا، اب میں پپا کو مزید کوئی بھی غلط قدم نہیں اٹھانے دوں گا، وعدہ ہے تم سے، سو بالکل مطمئن ہو جاؤ۔" اس کے مضبوط لہجے میں رسان تھا، بڑا پن تھا، استحکام تھا، حرم کو بجائے تسلی ہونے کے اضطراب میں اضافہ ہونے لگا۔

"مگر بھائی پپا......! وہ بہت خفا ہوں گے آپ انہیں جانتے تو ہیں۔" اس کی آنکھوں میں حراس تھا، حمدان مضمحل سا مسکرایا۔

"یہ سب میرا ہیڈک ہے، جب کسی کام کا بیڑا اٹھایا جائے تو نفع نقصان پہ اتنا دھیان نہیں رکھا جاتا، مقصد منزل پہ پہنچنا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" حرم کی سانسیں اٹکنے لگیں، معاملے کی گمبھیرتا اس پہ بھی عیاں تھی، یہ سب ہر گز آسان نہ تھا، اسے لگا دل کی بات بھائی سے کر کے وہ اسے آزمائش میں مبتلا کر چکی ہے، اپنی صلہ بازی پہ عجیب سا پچھتاوا محسوس ہوا۔

"اونہہ نو مور کوسچن او کے، اب تم جلد اچھی خبر سنو گی انشاءاللہ۔" خود کو سنبھال کر وہ اس کا گال تھپتھپاتا ہوا مسکرایا، حرم مطمئن نہیں بھی ہوئی تو سر ضرور اثبات میں ہلا دیا تھا، حمدان نے اس

کے جانے کا انتظار کیا تھا، پھر مضطرب انداز میں ٹہلتے ہوئے دوبارہ سگریٹ سلگا لیا، بکھرتے دھویں میں اس حسن مجسم کا نازک پیکر اپنی تمام تر رعنائی اور دلنوازی کے ساتھ لہرانے لگا، یہ اس سے دوسری ملاقات تھی، جو ہمیشہ کی طرح بلا ارادہ اچانک غیر متوقع ہوگئی تھی، وہ سر سلیمان سے ملنے کی غرض سے ہی آیا تھا، لان میں ٹہلتا ان کا منتظر تھا، واچ مین گیٹ پہ نہیں تھا، اسے حیرانی ہوئی تھی، بنا اطلاع کے اندر جانا بھی مناسب نہیں سمجھا جبھی وہیں ٹھہر گیا کہ کوئی ملازم نظر آئے تو اپنی آمد کا بتا سکے، سلیمان خان کا گھر پہاڑ کی اوج پہ تھا، اطراف میں نشیب اور گھاٹیاں تھیں، یہاں لان میں کھڑے ہوں تو لکڑی کی سفید خوب صورت گرل جو بنگلے کے اطراف میں حد بندی کے طور پہ نصب تھی سے نیچے نگاہ دوڑائی جاتی تو کھنڈر کے بائیں جانب نشیب میں کھجوروں کا گھنا باغ نظر آتا تھا، جس کے درخت ایک خاص ترتیب سے لگائے گئے تھے اور ان کے نیچے جو زمین تھی وہ ہری بھری گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی، جس میں سے آبپاشی کی نالیاں ظاہر ہوتی تھیں، کہیں کہیں دھوپ کا لشکارا نالیوں میں بہتے پانی کو آئینے کی طرح جگمگا دیتا، وہ اسی منظر میں مگن تھا جب اسے کچھ غیر معمولی شور سنائی دیا، ایڑیوں کے بل وہ بہت الرٹ انداز میں گھوما تو نگاہ گلاس وال کے پار جم کر رہ گئی، بوڑھی جاتون کی غالباً طبیعت خراب تھی انہیں سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان وہ نازک پری جس کی رنگت سے چاندنی کا عکس پھوٹتا محسوس ہوا کرتا تھا، صورتحال کی گمبھیرتا کا احساس پاتے ہی حمدان ہر احتیاط بھلائے تیز قدموں سے چلتے جائے وقوعہ پہ پہنچا اور لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر اس کا ہر بوجھ خود پہ لے لیا تھا، چونکہ یہ بہت حد تک غیر اخلاقی بھی تھا جبھی اس شعلہ صفت نے برہم ہونے سیخ پا ہونے میں ٹائم نہیں لیا اور جانے کہاں سے چھڑی نکال کر اس پہ تان کر کھڑی ہوگئی۔

''کون ہو تم؟ اور یہاں تک آنے کی جرأت کیسے کر لی؟''

گلابی رنگت ایسے شہابی ہو چکی تھی گویا ابھی خون چھلک پڑے گا، حمدان ایک محاذ پہ نبرد آزما تھا، یعنی آیا بی کو سنبھال رہا تھا، اس افتاد پہ بھی گھبرایا نہیں اس قسم کی صورتحال کا کسی حد تک اندازہ تو تھا ہی اسے مگر اتنی گمبھیرتا کا نہیں۔

''میں ہرگز دشمن نہیں ہو سکتا، سلیمان سر سے ملاقات کو آیا تھا مگر اس قسم کی سچوئیشن میں محض مدد کے خیال سے آیا ہوں، بہت معذرت کہ اجازت حاصل کرنے کا ٹائم نہیں تھا۔'' وہ بولا وضاحت بھی دی تو کس قدر نارانگی سے، عجیب لڑکی تھی، اتنی شقی القلب اتنی بدگمان۔

''ہاں تو کرو، مدد اگر آ ہی گئے ہو تو، آنکھیں کیا دکھا رہے ہو؟'' اس نے ننھی سی ناک سکوڑی، نخوت اور طنطنہ اپنی جگہ پہ قائم دائم تھا، حمدان کی شاکی نظروں کو اس نے ناگواری سے دیکھا تھا، حمدان نے سر جھٹکا، آیا بی کو سہارا دیئے صوفے تک لایا، انہیں لٹاتے ہوئے لمحہ بھر کو گردن اس کی جانب موڑی تھی۔

''براہ کرم ایک گلاس پانی لائیں۔'' قدرا سے گھورتی ہوئی پلٹ گئی۔

اس کو لوٹائیں گے ہم سود سمیت
قرض ہے ہم پہ بے حسی اس کی

اس نے سرد آہ بھری اور خود ہی اپنے خیال کا تمسخر اڑایا، پھر وہ مزید کچھ دیر وہاں ٹھہرا، آیا بی

کی طبیعت سنبھلنے تک، قدر انہیں ہاسپٹل لے جانے پہ مصر تھی اور آیا ماں بدک رہی تھیں، پروں پہ پانی نہ پڑنے دیتی تھیں، انہیں ڈاکٹرز اور ہسپتالوں سے بہت خوف آتا تھا، سب سے بڑھ کر وہ نامحرم کے لمس سے بچنا چاہتی تھیں، چاہے یہ مسیحائی کی صورت ہی وجود پہ اترے، انہیں گوارا نہ تھا، یہ سب معلومات اسے قدر کی جھنجلاہٹ بھری باتوں سے معلوم ہو سکی تھیں، جو وہ ان سے خاصی خفگی سے کر رہی تھی۔

''اگر ایسی بات ہے تو ہم انہیں فی میل ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔'' آیا ماں سے سوال کرنے کی بجائے حمدان نے براہ راست اس سے پوچھا، مقصد واضح تھا، تبھی مسکرایا بھی۔

تجھ کو الجھا کے کچھ سوالوں میں
میں نے جی بھر کے تجھ کو دیکھا ہے

گو کہ بعد میں وہ اس بدیانتی بدنگاہی پہ قدرے شرمسار بھی ہوا مگر اس کے سامنے جیسے خود پہ اختیار ختم ہو جاتا تھا۔

''اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے بیٹے، آپ کا بہت شکریہ بروقت مدد کرنے پہ، گھبراہٹ تھی گلوکوز پینے سے ختم ہو گئی، میں سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر رہی ہوں، ابھی بالکل بھلی چنگی ہو جاؤں گی، آپ کے لئے چائے بنواتی ہوں، پی کے جانا، صاحب تو جانے کب آئیں۔'' وہ اٹھنے کو کوشش کر رہی تھیں، حمدان نے بوکھلا کر انہیں کاندھوں سے تھام کر پھر سے بیٹھنے پہ مجبور کیا، قدرے نے طنزیہ نظروں سے حمدان کو دیکھا، گویا شکایت کر رہی ہو۔

''دیکھ لیا؟''

''ضرورت نہیں، بلکہ حاجت نہیں، آپ آرام کریں، مجھے اجازت...... سر سے پھر کبھی ملاقات ہو جائے گی۔'' ملائمت سے کہتا وہ ان کے آگے جھکا، انہوں نے شفقت سے کاندھا تھپتھپایا سر پہ ہاتھ رکھا، وہ پلٹا تو قدر کو دیکھ کر رسمی انداز میں مسکرایا تھا۔

''پریشان نہ ہوں، ایسے لوگوں کو ڈاکٹرز اور ٹریٹمنٹ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے یقین کریں، جو اللہ کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں، ان کا بھروسہ اور ان کا رب انہیں کبھی تنہا بھی نہیں چھوڑتا۔'' اس بات کے جواب میں قدر نے اسے چونک کر دیکھا تھا اور محض سر ہلا دیا۔

''چلتا ہوں، اجازت؟'' وہ تھم کر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا، قدر پھر چونکی اور محض کاندھے اچکا دیئے، حمدان نے گہرا سانس بھرا اور اگلا قدم اٹھانے سے قبل اسے دیکھا پھر جانے کیوں مسکرایا۔

''کیا میں اگلی ملاقات پہ امید رکھوں کہ آپ مجھے پہچاننے سے قاصر نہیں رہیں گی، مطلب کہ ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔'' اب کی بار قدر بہت زور سے چونکی بلکہ ٹھٹکی تھی، بغور اسے سرتاپا دیکھا، بلکہ باقاعدہ گھورا اور تیکھے چتونوں سے گویا ہوئی تھی۔

''اس شناسائی کے خواہش مند کیوں ہیں آپ مسٹر؟'' وہ برہم ہونے میں لمحہ نہیں لگاتی تھی، سو اس وقت بھی برہم ہو چکی تھی، حمدان ذرا سا خفیف ہو گیا، سر کھجایا اور ہلکا سا کھانسا۔

''دوسرے لفظوں میں اگر میں کہوں کہ آپ خواہ مخواہ کمبل ہو رہے ہیں بے تکلف ہو رہے ہیں

تو غلط نہ ہوگا۔'' وہ لفظ چبا رہی تھی، لہجے کی تلخی میں اضافہ ہوا، حمدان فی الفور محتاط ہوا۔

''سوری..... اگر آپ کو برا لگا تو۔''

''اب تم جا سکتے ہو۔'' قدر نے برہمی سے کہا اور جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی، حالانکہ وہ بے خیالی میں سہی مگر اس کے ہمراہ چلتی گیٹ تک آ گئی تھی، اس کی اس عزت افزائی یا دوسرے لفظوں میں اعتماد سے حوصلہ پا کر حمدان یہ بات کہہ سکا تھا مگر اس کا رویہ ایک بار پھر اسے خود میں سمٹنے پہ مجبور کر گیا، حالانکہ دل بغاوت پہ اتر رہا تھا، من مانی پہ اکسا رہا تھا، نئی نئی راہیں دکھا رہا تھا۔

جس دن میں بغاوت پہ اترا
اٹھا لاؤں گا اپنی شہزادی کو......

کیا شعر تھا، اسے خود ہی ہنسی آئی، اپنا تمسخر اڑانا بھی ہرگز آسان اور سہل فعل نہیں، بڑی جان جوکھم کا کام ہے، اس کا بھی دل زخمی ہو گیا اس مسکراہٹ کے جواب میں......اور اب...... حالات کا تارِ عنکبوت اسے ہر طرف سے جکڑ رہا تھا، خوابوں پہ بھی شب خون مارنے کا وقت قریب آیا، وہ تو اسے تصور میں لانے کا بھی حق محفوظ نہ رکھتا تھا اور ایک دل تھا، جو مسلسل دہائی دیتا تھا، ہوکتا تھا، فریاد کرتا نہ تھکتا تھا، مگر دل کی کس نے سنی ہے، دل کی کون سنتا ہے، اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔

خواب ہوتے رہیں لہو کب تک
ایک سائے کی جستجو کب تک
تھک ہی جائے گی عمر بے پرواہ
اس کو رہنا ہے کو بہ کو کب تک
یاد میں تیری بھیگ جاتی ہے
آنکھ رہتی ہے بے وضو کب تک
درد کب تک سنبھال کر رکھیں
کوئی موسم تو پھول مہکائے
زندگانی ہو بے نمو کب تک

فیصلہ ناگزیر تھا، جو کرنا ہی تھا، حرم یا پھر وہ خود..... صلیب دونوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار تھی، ایک وقت میں دونوں کی بچت ناممکن تھی، ایک قربانی لازم تھی، پھر وہ کیوں نہیں، ہر بار عورت ہی بھگتان بھگتے یہ وہ نہیں چاہتا تھا، وہ خود ہر مشکل سے لڑنے کا عزم کر چکا تھا۔

☆☆☆

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کے اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دھندلے دھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلیاں تیری

بھولی بسری ہوئی رتوں سے ادھر
یاد آتی ہیں شوخیاں تیزی
دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا
سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
دل میں تیرا بھی غم حائل ہے
تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہیں گن کے جی لیں گے

اس پہ بار بار غشی طاری ہوتی، غشی ٹوٹتی تو اس کا ایک ہی کام تھا، سلیمان خان سے رابطے کی کوشش، وہ پاگل ہو رہی تھی، ناکامی کی صورت اشتعال کا زبردست اٹیک ہوتا اور پھر سے وہ نیم جان ہو جاتی، اس کی گورنس عاجز آئی ہوئی تھی، بار بار اس کی فیملی سے شکایت کرتی تھی، اس کی اس حالت کی وجہ سلیمان خان کی شادی کی خبر تھی، بائیس سال بعد پھر سے ہونے والی اس شادی نے اس کی حواس بالکل باختہ کر دیئے تھے۔

وہ اس فیصلے کو قبول نہیں کر پا رہی تھی، وہ اس فیصلے سے ہر صورت روکنے کی متمنی تھی، اس کے باوجود کہ اپنی حیثیت سے آگاہ تھی، اس کے باوجود کہ اپنے مقام سے بے خبر نہ تھی، اپنے حقوق کے محدود ہو جانے والے دائرے سے لاعلم تو نہ تھی پھر بھی یہ سب کرنا چاہتی تھی، پاگل ہی تھی، اپنے لئے ان بیس سالوں میں کوئی بھی راستہ متعین نہ کرنے والی بار بار دستک کے جواب میں بھی بہری بن جانے والی ایک ہی در سے آس لگائے کیوں بیٹھی تھی، اس کی وجہ روگ تھا اور کیا تھا۔

سرد رویہ
الجھا لہجہ
کھوئی آنکھیں
ٹھنڈے ہاتھ

بے رنگ چہرہ
بداخلاقی
دیکھو......
تجھ بن کیا ہوں میں

وہ اسی کے ہاتھوں سنورنے کی متمنی تھی جس کے باعث تباہ ہوئی اور آس میں انتظار میں بیس سال گزر گئے، بیس سال، کم عرصہ نہیں تھا، ایک طویل موت، ایک لمبا سفر، ایسے لاتعداد دن جن کی، ایک ایک گھڑی صدی پہ بھاری تھی اور اس پر یہ ادراک، کہ سفر رائیگاں گیا۔

انتظار لاحاصل، سانول، جس کا انتظار کرتی آنکھیں پتھرا گئی تھیں، مہاریں موڑنے کی بجائے راستہ ہی بدل رہا تھا، یہ کیسی خبر تھی، کوئی شاک تھا، کوئی بجلی گری تھی کہیں اور سب کچھ جل کر خاکستر ہوا، راکھ ہوا، خاک ہوا، وہ ایسا کیوں کر رہا تھا، اس کا صاحب ایسا کیوں کر رہا تھا، وہ ایسا تو نہیں تھا، وہ تو...... وہ تو سراپا روشنی تھا، دوسروں کو بھی اجالا ڈالنے والا، جس پہ نگاہ ڈال دیتا، وہ تو دینا جانتا تھا، اتنا سخی تھا، اتنا نرم جیسے ہوا کا چھپر جانا، وہ ایک تعریف کرتی بھلا۔

ہزار رنگوں کا وہ مجسم
وہ نرم خواہی وہ دل نوازی
وہ چپ کے لہجے میں اک تکلم
وہ شخص جیسے کہ جادوگر ہے

اتنا دکھ، اتنا دکھ وہ کیسے دے سکتا تھا، اسے...... نہیں...... وہ شادی نہیں کر سکتا، وہ جب بھی اس خبر کو برداشت نہ کر پاتی، حواسوں سے باہر ہو جاتی، حواسوں میں لوٹتی تو پھر سے وہی غیر یقینی اور صدمہ ساتھ ہوتا، سانسیں اکھڑتی تو اکھڑتی ان کی پرواہ کسے، وہ تو بس یاد سے سجن سے تصدیق کی متمنی تھی، جو ہو کر نہ دیتی تھی، یار سے رابطہ محال تھا، ہو کر نہ دیتا تھا، وہ روتی جاتی، بے قراری سی بے قراری تھی، نمبر ملاتے رابطہ کرتے انگلیاں گھس گئیں کامیابی مقصود ہی نہ تھی کیسے ملتی۔

اپنے بس میں کر لیتے ہو
کتنا بے بس کر دیتے ہو

وہ آنسوؤں کے بیچ دکھ سے مسکرائی۔

میں نے اک عرصہ تجھے ورد میں رکھا ہے
میرے ہونٹوں پہ تیرے نام کے چھالے ہیں بہت

وہ پھر نمبر ٹرائی کر رہی تھی، صورتحال ہنوز تھی، اول تو کوئی فون اٹھاتا نہیں تھا، اٹھا لیتا تو پیغام ملتا ''صاحب گھر پہ نہیں، آئیں گے تو بتا دیں گے۔''

''آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ بیس سال بعد ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' وہ الجھ رہی تھی، وہ رو رہی تھی۔

☆☆☆

لال گلابی گال سجن کے

حسن مجسم ماشاءاللہ
اور تکلم ماشاءاللہ
کالی آنکھیں جادو ٹونہ
لمبی زلفیں جال سجن کے
لال گلابی گال سجن کے
پلکیں ہیں تیوار سجن کی
زلفیں ہیں خمار سجن کی
پل میں کیسے ہو جاتے ہیں
تیور بھی بے حال سجن کے
اتری رنگت روگ لگائے
شب بھر جاگیں نین سجن کے
آخر کو لے ڈوبیں گے
سائیاں رنج وملال سجن کے

وہ کتاب کھولے بیٹھی تھی، موبائل کی میسج ٹون پہ چونک کر فون اٹھایا، علی شیر کی طرف سے نظم تھی، وہ سخت برہم ہوئی اور لمحے کی تاخیر کے بغیر ڈیلٹ کر ڈالی، اس روز کی اس کی حرکت پہ وہ ابھی تک خفا تھی اور وہ اتنا لاپرواہ تھا کہ پلٹ کر پوچھا تک نہیں، یہی قدر تھی اس کے نزدیک اس کی، یہ سوال ایسا تھا جس نے اسے پہروں مضطرب وبیکل رکھا تھا، اذیت ختم نہ ہونے دیتا تھا۔

اک اور بار میری عیادت کو آیئے
اچھی طرح سے ابھی میں اچھا نہیں ہوا

وہ پھر وہی شرارت کر رہا تھا، قدر نے سپاٹ نظروں سے فون دیکھا اور زور سے آف کا بٹن دبا دیا، اب موبائل کی اسکرین بالکل تاریک تھی، وہ چاہتی تو سکون سے پڑھ سکتی تھی مگر سکون ہی تو رخصت ہو گیا تھا، اسی اضطرابی کیفیت کے زیر اثر اٹھ کر باہر آئی، ارادہ کچن میں جا کر چائے بنانے کا تھا، مگر راہ داری کے موڑ پہ جانے کیا افتاد پڑی، اس کا بازو کسی آہنی گرفت میں آیا اور اگلے لمحے اسے اسی جانب گھسیٹ لیا گیا تھا، اس کے منہ سے کراہ تک نہ نکل سکی کہ ہونٹوں پہ بہت سختی سے ہاتھ جما کر ہر آواز کا گلا گھونٹنے کا انتظام بھی کر دیا گیا تھا، وہ اس جارحانہ گرفت میں پھڑپھڑا ہی سکی۔

تجھ کو خوابوں میں دیکھنے والے
کتنی مشکل سے جاگتے ہوں گے

وہ اس پہ جھک کر مخمور آواز میں گنگنایا، گرم سانسیں بھاپ بن کر قدر کو جھلسا گئیں، وہ تڑپ گئی مچل مچل گئی، مگر خود کو آزاد نہ کرا سکی۔

''اتنی نفرت کرنے لگی ہو مجھ سے کہ میسج فی الفور ڈیلٹ کر دیئے؟ یہاں کھڑکی سے سب دیکھ رہا تھا۔'' اس پہ جھک کر وہ گستاخانہ تیور سمیت سوال کر رہا تھا، قدر پھر پھڑپھڑائی، اس کی جان پہ

تنی ہوئی تھی، گرفت تھی یا جھلستا حصار، جس نے اسے خاک کرنے میں کسر نہ چھوڑی تھی۔

''بات کرنا چاہتی ہو؟ کرلو، حسرت لے کر نہ مر جانا کہ علی شیر نے ظلم کی انتہا کر دی۔'' منہ سے ہاتھ ہٹا تا وہ سفاکانہ لہجے میں بات کر رہا تھا، قدر کو وہ یکسر مختلف لگا، اس علی شیر سے یکسر مختلف جسے وہ جانتی پہچانتی تھی۔

''یہ...... کیسی جرأت ہے؟ میرے گھر میں کھڑے ہو کر اس بدتمیزی کا مطلب جانتے ہو علی شیر؟ میرا ایک اشارہ تمہیں موت کے گھاٹ بھی اتروا سکتا ہے۔'' وہ بولی نہیں پھنکاری تھی، وہ دبدبہ وہ نخوت وہ جلال جو خاندانی تھا عود کر آیا تھا، وہ سراپا قہر بنی ہوئی تھی گویا۔

''کسی بات سے ڈرنے والا اگر علی شیر ہوتا تو اس وقت یہاں اس طرح تمہارے سامنے نہ آتا اور سوچو، اگر میں یہ ہاتھ ہی کاٹ دوں تو اشارہ کیسے کرو گی تم؟'' وہ ہنس رہا تھا، سراسر گویا اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا، قدر عجیب سی توہین اور خفت کے احساس سے دوچار ہوتی آنکھوں کو نم ہونے سے نہیں بچا سکی۔

''کیوں آئے ہو؟'' وہ بات بدل گئی، انداز طنزیہ بھی تھا بےزار کن بھی۔

''یہ پوچھنے، کہ فون کیوں نہیں اٹھاتی، بات کیوں نہیں کرتی ہو؟''

''اب نہ بھی فون اٹھاؤں گی نا بات کروں گی، آپا ماں موجود ہیں، ان کے پاس جا کر بیٹھو۔'' وہ واقعی ناراض تھی، تلخی سے کہہ کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر اس کا ہاتھ علی شیر کی گرفت سے نہ نکل سکا۔

ذرا الفاظ کے ناخن تراشو اپنے
بہت چبھتے ہیں جو ناراضگی سے بات کرتے ہو

اس کا لہجہ گمبھیر تر ہوا، قدر کے چہرے کی سختی ہنوز قائم رہی۔

''اس بڈھی گھوسٹ سے کیا ملے گا جو اس کے پاس جا بیٹھوں؟'' وہ ناراض ہوا، قدر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

''بے فکر رہو، ملے گا مجھ سے بھی کچھ نہیں۔'' وہ حد سے بڑھ کر روڈ ہو رہی تھی، علی شیر معنی خیزیت سے مسکرایا با قاعدہ کھنکارا۔

''اس کی فکر نہیں، تم سے تو زبردستی لے لوں گا۔''

''شٹ اپ۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''ناراضگی کو اب بھاڑ میں ڈالو یار، حد ہے، اس دن کی بات کو ابھی تک لے کر بیٹھی ہو، حالانکہ ناراض ہونے کا حق میرا تھا، کہ احساس ہونے پہ جب پلٹ کر آیا تو تم کسی اور کے ساتھ بائیک پہ بیٹھ کر جا رہی تھیں، میں نے پوچھا کون تھا وہ کمانڈر سیف گارڈ؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہوا، حقارت سے بھر گیا، قدر کی آنکھیں جلنے لگیں، مانے کس کس احساس اور دکھ سے۔

''تم نے دیکھ بھی لیا تھا پھر بھی تم نے جانے دیا؟'' اس کی آواز کانپنے لگی، علی شیر نے کاندھے جھٹکے۔

''اور کیا روک لیتا؟ تمہیں اس پہ بھروسہ تھا تو جا رہی تھیں اور کون سا عمر بھر کو جا رہی تھیں جو

روکتا۔'' وہ بے نیاز سا بے نیاز تھا، قدر کو اسی بے نیازی نے صدمہ دیا تھا۔
''میں نے پوچھا تمہیں کوئی فرق نہیں پڑا کہ میں کس اور کے ساتھ......؟''
''میں نے بھی کہا تم کون سا کسی اور کے ساتھ عمر بھر کے لئے جا رہی تھی، جو فکر کرتا یار، میں اتنا تنگ ذہن نہیں۔'' اس کا انداز اس کا لہجہ ہنوز تھا، قدر نے یوں گہرا سانس بھرا جیسے بہت تھک گئی ہو۔
''مجھے تو لگتا ہے اگر میں عمر بھر کو بھی چلی جاؤں تو تمہیں فرق نہیں پڑنے والا۔'' وہ عجیب سی خود ترسی کا شکار ہوئی، پتا نہیں اس سے کیا سننا چاہتی تھی مگر اپنے دکھ میں ہی اضافہ کرتی جا رہی تھی۔
''بے کار بحث میں الجھ رہی ہو، میں تو ایسا کچھ بھی نہیں سوچتا تمہیں بھی نہیں سوچنا چاہیے، اب چائے پلواؤ گی یا ایسے ہی دماغ چاٹو گی؟ آخر کو اس گھر کا ہونے والا داماد ہوں، عہدے کے حساب سے پروٹوکول تو ملا نہیں۔'' اس کا سر تھپک کر کہتا وہ خود ہی پلٹ کر ڈرائینگ روم کی طرف ہو لیا، قدر مضمحل سی کچن کی طرف جا رہی تھی، چائے بنا کر لائی تو اسے بہت بے تکلف انداز میں صوفے پہ براجمان پا کر چائے کے مگ کی ٹرے اس کے سامنے میز پہ رکھ دی۔
''خالی خولی چائے۔'' اس نے منہ بگاڑا اور مگ ہاتھ سے پرے کر دیا۔
''بہت ہی کنجوس ہو بھئی تم، مجھے تو ابھی معلوم ہوا۔'' وہ سخت بدمزا ہو چکا تھا، قدر کچھ نہیں بولی۔
''موصوف گھر پہ نہیں لگتا ہے۔'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر استفسار کر رہا تھا، قدر سمجھ گئی سلیمان کی بات کر رہا ہے، اسے برا لگا مگر پھر بھی خاموش رہی۔
''بھئی مبارک ہو تمہیں جاؤ دیکھو گھر میں مٹھائی ہے تو لے آؤ۔'' وہ مسکرا رہا تھا، قدر قدرے چونکی، مگر خود پہ کنٹرول رکھا، ناراضگی عیاں کرنا ضروری تھا۔
''میرا رزلٹ ابھی آؤٹ نہیں ہوا، بلکہ ابھی ایگزیم ہی نہیں ہوئے۔'' وہ خشک روکھے انداز میں بولی، وہ یوں مسکرایا جیسے اس کی عقل پہ افسوس کیا ہو۔
''میں تمہیں نئی اماں کی مبارک دے رہا ہوں، ویسے اک بات تو بتاؤ قدر، تمہارا ابا عام ابوں سے بالکل مختلف ہے، تو کیا تم بتا سکتی ہو تم نے ایسا ابا کہاں سے لبا تھا؟'' وہ سراسر مضحکہ اڑا رہا تھا، تمسخر سے بات کرتا قدر کا سارا ضبط اڑا لے گیا۔
''جس شٹ اپ علی شیر، اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں، رنگت سے جیسے لہو ابل پڑا، علی شیر نے اسے بہت اطمینان سے دیکھا، دیکھتا رہا، پھر طنزیہ مسکرایا۔
''کیا ہوا؟ آپے سے باہر کیوں ہو رہی ہو؟'' اس کا انداز آگ لگانے والا تھا۔
''شٹ اپ، تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ اب پھر حلق پھاڑ کر چلائی۔
''مجھ پہ چلانے کی بجائے اپنی لاعلمی پہ ماتم کرو قدر بیگم! اس کام سے فرصت مل جائے تو اپنے باپ سے ضرور پوچھ لینا کہ وہ واقعی شادی کر رہا ہے؟ اور اگر کر رہا ہے تو اسی فاحشہ عورت سے؟ کیا وہ یہی ڈیزرو کرتا ہے؟'' وہ چیخا وہ چلایا اور ایک تصویر اس کے منہ پہ مار کر خود تن فن کرتا

ہوا پلٹ کر چلا گیا، قدر حرکت نہ کر سکی، وہ حرکت کرنے کے قابل نہ رہی تھی، وہ جو کہہ گیا تھا، اس نے سنا تھا، اس نے سمجھا تھا، جبھی کچھ اور سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہ رہی۔

☆☆☆

سنو جاناں!
محبت کے سفر میں
ایسا بھی اک موڑ آئے گا
جدائی گھات میں ہو گی
تم تو آگے بڑھو گے
اس کے ہاتھ میں
اپنا ہاتھ دے دینا
تم اس کو مات دے دینا

''پپا میں آجاؤں؟'' ان کے کمرے کی طرف آیا وہ تب بھی مضمحل تھا، بند دروازہ تھپتھپا کر پوچھتا آواز سے لپٹی اضمحلالی سے نجات حاصل کرنے سے قاصر رہا، بسا اوقات کچھ فیصلے جتنے بھی مشکل ہوں، مگر ناگزیر ہوتے ہیں، یہ بھی فیصلہ ضروری تھا، لازم تھا، منیب چوہدری فون پہ مصروف تھے، بحث یا پھر اختلاف بہت شدید تھا، ان کی رنگت سے سرخی چھلک رہی تھی، حمدان کو لگا وہ غلط وقت پہ آیا ہے، انہوں نے اسے اندر آنے کا بیٹھنے کا اشارہ کیا اور گفتگو سمیٹ کر ایک طرح سے جھڑک کر بات ختم کر دی، فون بند کر دیا، حمدان انہیں بغور دیکھ رہا تھا، ان کے متوجہ ہونے پہ آہستہ سے کھنکارا۔

''آپ بزی تھے شاید، ہم پھر بات کر لیں گے۔'' وہ بے حد ریز روڈ ہوا، اتنا کہ زندگی میں کبھی نہ ہوا ہو گا، اس شخص نے چونک کر اسے دیکھا، دھیان سے دیکھا اور زبردستی مسکرایا۔

''کم آن یار من! کیا ہو گیا تمہیں؟'' حمدان جواباً مسکرا کر دیکھ نہ سکا، ایک بار پھر کھنکارا، یا شاید تمہید باندھی، شاید حوصلہ جمع کیا۔

''کوئی خاص بات ہے؟ کنفیوژڈ لگ رہے ہو؟'' اس کی نسبت ان کا موڈ بحال تھا، ہلکے پھلکے نظر آنے لگے تھے، حمدان نے گہرا سانس بھرا، سر ہلایا۔

''شادی تو نہیں کرنا چاہ رہے، فی الفور۔'' وہ اب کھل کر مسکرا رہے تھے، حمدان نے ٹھٹک کر انہیں دیکھا، ایک ان دیکھا ان کہا دکھ اس کی آنکھوں سے چھلکا، پتلیوں میں جم کر بیٹھ گیا۔

''کچھ ایسا ہی معاملہ ہے، لیکن میں کچھ ماننے، کچھ منوانے آیا ہوں پپا۔'' وہ بہت محتاط انداز میں لفظوں کو ترتیب دے رہا تھا، اس شخص نے اسے بغور دیکھا۔

''جو بھی بات ہے کھل کر بلا جھجک کرو۔'' انہوں نے گویا اسے حوصلہ دیا تھا، حمدان پھر بھی گریزاں رہا۔

''آپ وعدہ کریں پپا آپ میری بات نہیں ٹالیں گے پلیز۔'' اس طرح کے ملتجی انداز اور حمدان، وہ تو بہت دبدبے میں رہا تھا ہمیشہ اک تمکنت اک نخوت از خود اس کی ذات کا حصہ بن گیا

تھا، وہ سنبھل سے گئے کچھ کچھ اندازہ بھی کر پائے معاملے کی نوعیت کی نازکی کا۔

''کہیں تمہیں تمہاری ماں نے اپنا سفارشی تو بنا کر نہیں بھیجا؟'' ان کا لہجہ بہت کنٹرول میں رہ کر بھی بہت محسوس ہوا تھا حمدان کو دکھ بھی ہوا وہ ان سے اتنے بدگمان کیوں رہتے تھے۔

''کیسے یقین دلاؤں پپا ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے۔''

''یقین دلانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے بیٹے؟ تمہاری گفتگو از خود مجھے بتا دے گی اس کی وجہ اس کا محرک۔'' ان کا لہجہ نا چاہتے بھی روڈ ہوا، سرد مہری سمیٹ لایا، حمدان نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔

''آپ ان سے اتنے شاکی کیوں ہیں پپا؟ حالانکہ انہوں نے آپ کی خاطر......'' حمدان کی بے بسی نقطہ عروج پر جا پہنچی بات کوئی بھی ہو کسی طرف گئی، وہ غانیہ کا وکیل بن کر نہیں آیا تھا مگر وکالت کر رہا تھا۔

''اصل بات کی طرف آ جاؤ میرے بیٹے اور یاد رکھا کرو کہ تمہارا باپ سگا ہے ماں نہیں۔'' ان کا لہجہ طنزیہ ہوا، حمدان کو جی بھر کے تکلیف ہوئی۔

''مجھے لفظوں کے اس ہیر پھیر کا نہیں پتا پپا، مجھے اس فرق کا بھی علم نہیں، میں لفظ ماں اور اس احساس سے نا آشنا تھا، جس نے آشنائی دی، جس نے اس مٹھاس سے روشناس کرایا میں اسے ہی......''

''ان باتوں کو چھوڑو، تم اصل بات کرو۔'' انہوں نے رعونت بھرے انداز میں ٹوکا تو حمدان کا لہجہ از خود احتجاجی ہو گیا۔

''پپا......!''

''پلیز بیٹے، بے کار ہے آپ اپنی بات کہو، مجھے اور بھی کام نپٹانے ہیں۔'' ان کی نظریں بھٹک کر فائلوں کے انبار پہ گئیں، حمدان چند ثانیے کو کچھ بول نہ سکا، وہ بھی بہت تحمل کا مظاہرہ کرتے اس کے بولنے کے منتظر رہے۔

''میری کسی بات سے آپ یہ نہ سمجھئے کہ مجھے کسی نے سکھا کے بھیجا ہے، پپا نہ یہ سمجھیئے گا کہ میں آپ کے فیصلوں سے ٹکرانے کی جرأت کر رہا ہوں، ان کا احترام کرتے ہوئے بس ان میں تھوڑی گنجائش کا خواہاں ہوں۔'' وہ بولا تو اس کا انداز ایسا تھا کہ انہیں کچھ بھی ناگوار نہ لگے اور یہ محض رشتے کا احترام اور لحاظ تھا، تربیت کا حصہ تھا، اللہ کی توفیق تھی، ورنہ وہ اگر محض اپنا فیصلہ سناتا اور اس پہ اٹک جاتا تو آج کل کی نسل کو باز رکھنا اپنے تابع کرنا اتنا آسان بھی نہیں، وہ یہ سب جانتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے، اس وقت بھی طنزیہ انداز میں بھنوؤں کو جنبش دے کر اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''میں نہیں سمجھتا ہوں پپا، حرم عباس کو ڈیزرو کرتی ہے، عباس کسی بھی لحاظ سے حرم جیسی لڑکی کے قابل نہیں، ماحول فیملی کچھ بھی قابل اطمینان نہیں اور عورت نے ساری زندگی خاندان گھر اور ماحول کے ساتھ ہی گزارنی ہوتی ہے، پلیز آپ یہ فیصلہ واپس لے لیں، میں شادی کروں گا شانزے سے اس کے باوجود کہ......'' معاً احساس ہونے پہ وہ ایک دم زبان دبا گیا، کہ اگلی بات کسی

لحاظ سے بھی ان کے سامنے کرنے کے لئے معقول نہ تھی، انہوں نے ہنکارا بھرا اور تنفر سے مسکرائے۔

''اس کے باوجود کہ تم اسے بھی پسند نہیں کرتے، یا اپنے قابل نہیں سمجھتے، ہے نا؟'' وہ بہت تحمل سے بولے تھے، حمدان کا چہرا متغیر ہو گیا، وہ فی الفور کچھ بول نہیں سکا۔

''پپا میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' وہ عاجز ہوا، انہوں نے سر جھٹکا۔

''لیکن بہر حال ایسا ہی ہے۔'' انہوں نے اپنی بات پہ با قاعدہ زور دیا، حمدان لاجواب ہوا۔

''شانزے اکثر مجھے تمہارے رویئے کی شکایت کرتی تھی مگر......''

''پپا وہ......''

''انہوں...... جھوٹ نہیں بولتی، غلط نہیں کہتی۔'' ان کا پر یقین انداز کہتا تھا، وہ کچھ نہیں سنیں گے۔

''میں شادی کروں گا نا اس سے۔''

''گڈ...... شادی کے بعد اس کی شکایات بھی دور کر دینا۔'' انہوں نے ہدایت کی۔

''حرم کے لئے آپ اپنا فیصلہ بدلیں گے پپا؟''

''تم کسی اور لڑکی کو پسند کرتے ہو؟'' انہوں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے آگے سے سوال داغ دیا، حمدان کا رنگ بدلا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''ایسی بات ہونی بھی نہیں چاہیے حمدان۔'' انہوں نے قطعی انداز میں حکم دیا، حمدان کو یکدم ماحول میں آکسیجن کی کمی محسوس ہوئی، وہ ایک دم گہرے سانس بھرنے لگا۔

''اور حرم......؟''

''مجھے لگتا ہے تم کسی اور لڑکی کو پسند کرتے ہو یار من مگر صرف حرم کی خاطر یہ قدم اٹھانے پہ مجبور ہوئے، ابھی بھی تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں اپنی ماں سگی ماں لگتی ہے، کتنی عجیب بات ہے اگر تم سوچو تو کہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کی آسانی سہولت اور مرضی کو تو دیکھ رہی ہے اور تمہیں وہ قربانی کے لئے پیش کر رہی ہے۔'' ان کا لہجہ ان کا انداز سرد تھا، حمدان انہیں کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ نے ٹھیک کہا پپا، ماں سگی نہیں ہیں، لیکن باپ سگا ضرور ہے، کیا وہ اپنے بیٹے کے لئے اپنا فیصلہ تبدیل کر سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی عزیز از جان بھانجی کی مرضی کے خلاف جا کے محض بیٹے کی خواہش کے احترام میں کوئی قدم اٹھا سکتا ہے؟'' اپنی بات مکمل کر کے وہ ان کے تاثرات جھانچے بغیر باہر نکل گیا، پیچھے اس شخص کی کیا حالت ہوئی اس نے نہیں سوچا، پتہ نہیں کیوں مگر اس کے اندر بھڑکی آگ یکدم فروزاں ہو گئی تھی۔

☆☆☆

چلو مشکل سہی لیکن گزارا کر لیا جائے
بھلا کر اس کو بس جینے کا چارہ کر لیا جائے

کتاب عشق میں ایسا نہیں کلیہ جسے پڑھ کر
تیری محفل میں دشمن کو گوارا کر لیا جائے
اندھیری رات میں تنہا سفر کرنا نہیں اچھا
سفر میں ہمسفر کوئی دوبارہ کر لیا جائے
مسلسل غم اٹھانے سے یہی بہتر ہے اگر سمجھو
کنارہ کرنے والوں سے کنارہ کر لیا جائے

وہ اس شاک سے نکلی تو سخت برہم ہوگئی اور جب تک سلیمان خان نہیں آئے، اس نے خود پہ کچھ کھانا حرام کرلیا، ٹک کے بیٹھنا گوارا نہ کیا، سلیمان خان کے گھر آتے ہی وہ ان کے سر پہ جا کر چڑھی تھی، وہ عجلت میں تھے، کہیں سے آ کر کہیں اور جانے کو تیار...... سفید کاٹن کا بہت پیارا سوٹ وہ خود پہ پرفیوم کا چھڑکاؤ کرتے سگریٹ بھی سلگا رہے تھے، کمرے کی فضا میں مہنگے برانڈ کے سگریٹ کی خوشبو چکرانے لگی، میز پہ پڑا شیشے کا نازک ایش ٹرے پڑا تھا، اسے دیکھ کر انہوں نے کش لئے بغیر سگریٹ اس میں مسل دیا۔

''آؤ بیٹا! بہت بے چین ہو رہا تھا آپ سے ملنے کو، کیسی ہو آپ؟'' عجلت کا مظاہرہ ترک کر کے انہوں نے اس کا خوش دلانہ خیر مقدم کیا، اپنے مضبوط، سرخ و سفید ہاتھوں میں اس کا چہرہ کسی مقدس کتاب کی طرح سے لئے وہ کتنی محبت سے گویا تھے۔

''مجھے یقین کیسے آئے پپا؟'' جواباً وہ جھلاہٹ زدہ بولی، نقطہ بے بسی پہ غالب آنے لگا، سلیمان حیران ہو گئے۔

''کیا مطلب؟ آئی مین ایسا کیا ہوا؟'' انہوں نے سن گلاسز اٹھا کر آنکھوں پہ چڑھائے، اسے لگا تاثرات چھپانے کو ایسا کیا، سیاہ خوبصورت گلاسز کے پیچھے قاتل سحر طراز آنکھوں میں کیسے تاثرات امڈے وہ جاننے سے قاصر رہی، وہ انہیں غصے سے برہمی سے دیکھتی رہی، بہت سنبھال کر رکھا تھا انہوں نے خود کو زندگی کے ہر حادثے میں اور اپنا بال بھی بیکا نہیں ہونے دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ خوبرو ہی نہیں مضبوط اور عالی شان بھی نظر آتے تھے ہمیشہ۔

''آپ شادی کر رہے ہیں؟'' حملہ اچانک اور زور آور تھا، وہ سنبھل نہیں سکے، قدر جانتی تھی جھوٹ نہیں بولتے، نہ بولیں گے ہی، جبھی اس نے بھی راہ فرار کوئی رہنے نہیں دی، آواز صدمے سے چور تھی، آنکھوں میں دکھ کی صورت تیرتا تھا، سلیمان خان ساکن رہ گئے تھے، بالکل ساکن، ان کے خوبصورت جاذب نظر ابھی بھی کئی دلوں کو گھائل کر دینے والے چہرے پہ کس دکھ کی تحریر رقم ہوئی اس سوال پہ یہ قدر نہیں دیکھ سکتی تھی، وہ اپنے دکھ میں مبتلا تھی، وہیں کھڑی آنسوؤں پہ قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی اور آنسو تھے کہ پھر بھی امڈے چلے آ رہے تھے۔

''اس خاموشی کا مطلب پپا؟'' غصیلے جذبات پہ قابو پائے بغیر وہ تلخ آواز میں بولی، اس کے انداز میں کوئی بھی دوستانہ پن نہیں تھا، نہ اپنائیت نہ رشتے کا احساس، سلیمان خان جو زندگی میں کبھی خائف نہ ہوئے تھے بیٹی کے سامنے خائف کھڑے تھے، جانتے تھے وہ بہت جذباتی اور غیر ذمہ دار ہے، ان کے اعتراف پہ بہت بری طرح ٹوٹ کر بکھرے گی، اگر اس نے اسی جذباتی میں

نادانی میں کچھ ایسا ویسا کر لیا تو، وہ مضطرب تھے، اس کا معمولی دکھ بھی برداشت کرنے کی سکت اپنے اندر نہ پاتے تھے۔

''مصروفیات کے باعث میں ٹائم نہ نکال سکا، اس کے باوجود بیٹے میں جلد آپ سے اس موضوع پہ خود بات کرنے والا تھا۔''

وہ آہستہ سے آگے بڑھے تھے اور اپنا ہاتھ شفقت بھرے محبت آمیز انداز میں اس کے سر پر رکھ کر رسانیت سے گویا ہوئے، ان کے ملبوس سے اٹھتی پرفیوم کی دھیمی مہک اور مشفق احساس نے اس کے تنے اعصاب کو کچھ لمحوں کو پرسکون کر دیا، ان کی مشفق انگلیاں اس سر کی دھن اور تھکن کو چن رہی تھیں مگر یہ کچھ دیر کو تھا، اگلے لمحے وہ پھر برہم تھی، پھر آگ تھی۔

''یہ ہے آپ کا اعلیٰ انتخاب پپا، یہ بدقماش عورت جو......'' وہ اتنی زور سے چلائی کہ کانوں کے پردے پھٹ گئے، سلیمان کا ہاتھ ایکدم اٹھا مگر اس کے چہرے پہ برسے بغیر واپس گر گیا، انہوں نے ایک دم خود پہ قابو پایا تھا، مگر چہرہ پھر بھی دہک اٹھا تھا، قدرِ سناٹے میں گھر گئی، شاک میں مبتلا ہو گئی کسی اور کے لئے اس کا باپ اس پہ ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے، یہ اس نے آج ہی جانا، جانا تو ٹوٹ کر بکھرنے میں لمحہ بھر نہ لگا، مشام کا رنگ بے حد زرد تھا، اسے لگا یہ زرد رنگ گھر کے آنگن کے ساتھ اس کے وجود اس کی روح اس کی آنکھوں اور چہرے پہ بھی مسلط ہو گئی ہے، عجیب سی طوفانی آندھی کے جکڑ اندر چلنے لگے، وہ ایک دم پلٹی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی، تھی نا عجیب بات وہ اپنے ہی گھر میں اپنے کمرے کا راستہ بھول گئی تھی، وسیع لان میں درختوں کے درمیان بھٹکتی روتی لڑکی کو اپنے آنسو پونچھنے بھی یاد نہ تھے، سورج کی زرد تپش نارنجی شعاعیں سوئمنگ پول کے پانیوں کو رنگ رہی تھیں، حبس بھرے دن کی مٹی دھول سے اٹا آسمان ابھی تک گرمی اگل رہا تھا، گرمیوں کی شامیں پورے دن کا حسن ہوا کرتی ہیں، اس شدت کے موسم میں مشام سرخی مائل نارنجی ہو رہی تھی، اسے بھی اسی رنگ میں رنگ رہی تھی۔

وہ وہیں کھڑی رہی روتی رہی، دکھ ایک نہیں تھا، اسے کئی دکھ رلا رہے تھے، علی شیر کے بعد باپ نے بھی اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی، معاً ایک دم ہوا چلنے لگی، اس کے بال جو کھلے تھے بکھرے اور پیچھے کی جانب اڑنے لگے، اس کا ذہن ایک ہی بات میں اٹکا تھا۔

''پپا ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ بدل بھی سکتے ہیں؟''

ہوا میں تیزی آ گئی تھی، ہر شے پہ جمی دھول مٹی اڑا اڑ کر ہر سو بکھرنے لگی اور جیسے اس کی آنکھوں میں بھی چھبنے لگی، درختوں سے ٹوٹے خشک پتے اور ٹہنیاں ادھر سے ادھر اڑتی پھر رہی تھیں۔

''اور کیا واقعی پپا اس عورت سے شادی کر لیں گے، وہ تو بالکل اچھی نہیں۔'' اسے وہ ساری ویڈیوز از سرِ نو یاد آئیں جو سوشل میڈیا پہ آج کل بہت ہائی لائٹ کی جا رہی تھیں، ایک طوفان بدتمیزی تھا جو ہر سو برپا تھا اس شادی کے تذکرے کو لے کر، جس کی ابھی کوئی تصدیق نہیں کی گئی تھی دونوں فریقوں کی جانب سے بس قیاس آرائیاں تھیں تبصرے تھے، طنز کے تیر تھے، یا پھر لوگوں کے حمایتی بیان، کچھ تردید کر رہے تھے، کچھ مشوروں سے نواز رہے تھے کہ خاں صاحب کو یہ غلطی نہیں

کرنی چاہیے، کچھ غم و غصے کا اظہار کرتے اس فیصلے کے جواب میں خاں صاحب اور پارٹی سے قطع تعلقی کا وعدہ کر رہے تھے۔

ہوا اب جکڑوں کی صورت چلنے لگی تھی اور پانی سے بھرے بادل آسمان پہ جمع ہونے لگے تھے، اندھیرا سا ہر سو پھیلنے لگا، دور کہیں سے کتے کے بھونکنے کی آواز بھی آندھی کی شائیں شائیں میں شامل ہونے لگی اور آیا ماں کی پکاریں بھی جو اسے بلا رہی تھیں، وہ بہری بنی رہی، کھڑی رہی، ایسا یہ طوفان اس کے اندر بھی سر پٹخ رہا تھا، اس کے آس پاس موجود درخت ان تیز ہواؤں میں سرمست ہاتھی کی طرح جھوم رہے تھے۔

(میں پپا کو کبھی معاف نہیں کروں گی، میں ان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گی اگر انہوں نے یہ شادی کی)۔

فیصلہ ہو گیا مگر طوفان نہیں تھما، آندھی اسی طرح سر پٹخ رہی تھی، سرخ ہو جانے والے آسمان سے بارش کا پہلا قطرہ برسا، درختوں کی شاخوں سے راستہ بناتا اس کے گرد آلود گال سے ٹکرایا تو اس نے چونک کر اوپر نگاہ کی، اس نگاہ میں شکوہ ہی شکوہ تھا، جو باپ کے لئے بھی تھا، اپنے رب کے لئے بھی تھا جس نے اس سے پہلے ہی اس کی ماں لے لی تھی، اب باپ کو بھی لے رہا تھا، وہ اللہ سے بھی ناراض ہونے کا سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

اسے کہنا امیر شہر کبھی سر نیچا نہیں کرتے
انا کا ہم کسی بھی حال میں سودہ نہیں کرتے
اگر غم حد سے بڑھ جائے تو آنسو آ ہی جاتے ہیں
مگر ہم اپنی آنکھوں کو کبھی دریا نہیں کرتے
خوشی کے سارے موسم دوسروں میں بانٹ دیتے ہیں
فقط اک درد کی دولت ہے جو بانٹا نہیں کرتے
ہماری اس فطرت سے بھی سارے لوگ واقف ہیں
کہ ہم کچھ کر گزرتے ہیں کبھی سوچا نہیں کرتے
کریں گے تم ہم ترک تعلق کیسے ممکن ہے
کہ ہم تو دشمنوں کا ساتھ بھی چھوڑا نہیں کرتے

ہر پروگرام دھرا رہ گیا، وہ کوئی کام بھی نہ کر سکے، سیل فون آف کرنے سے قبل انہوں نے ایک کال کی تھی، خفگی بھری کال۔

''آپ کو منع کیا تھا ابھی جب تک میں اپنی بیٹی سے بات نہ کر لوں کسی تیسرے فریق تک یہ معاملہ نہیں پہنچنا چاہیے۔'' ان کی بھاری بھرکم آواز سے خفگی و برہمی دبا دبا غصہ مترشح تھا۔

''ہاں تو نہیں کی۔'' دوسری طرف ازحد اطمینان سے فرمایا گیا، انہیں جی بھر کے کوفت ہوئی جی بھر کے جھلاہٹ نے آن لیا۔

''تو قدر کو کیا فرشتے خبر دے گئے، سوشل میڈیا پہ الگ شور برپا ہے۔'' وہ سخت خفا تھے، دوسری

جانب کی وضاحت اور جواب نہیں سنا، کال ڈسکنکٹ کرتے ہی فون آف کر ڈالا، پھر وہ تھے اور سگریٹ کا اڑتا ہوا دھواں، قدرا سے بہت عزیز تھی، کتنی عزیز تھی یہ ان کی ڈسٹربنس سے ظاہر تھا۔

اندھیری رات میں بادل گڑگڑاتے رہے اور موسلا دھار بارش برستی رہی، جب بجلی چمکتی اور کڑکڑاتی ہوئی آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتی تو انہیں قدر کی تنہائی کا خیال ڈسٹرب کرنے لگتا، وہ مضطرب ہوتے رہے جاگتے رہے ایسے میں آپا کا ناراضگی بھرا فون آ گیا، وہ بھی اسی بات کی تصدیق چاہ رہی تھیں، انہوں نے سر تھام لیا۔

''اب یہ نہ کہنا کہ مجھے تو معلوم نہیں یا پھر یہ محض پراپگنڈہ ہے، ارے چنگاری ہو تو دھواں تو اٹھتا ہے، شادی ہی کرنا تھی تو بیس سال پہلے کرتے، جب بچی کو ماں کی ضرورت تھی، میں کتنا سر پٹخ کر مری مگر ایک نہ سنی، اب جوان بچی پہ ماں کو لا کر بٹھاؤ گے؟'' سلیمان سننے پہ مجبور تھے، بولنا مناسب نہ سمجھ رہے تھے، کوئی ان کو ان کے دکھوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا، بس اتنی بات تھی۔

''چلو کوئی بھی تھی، ماشاءاللہ ابھی بھی جوان ہو، پینتالیس اڑتالیس سال عمر ہی کیا ہوتی ہے، پھر تم تو ایسے شاندار کہ، مگر...... یہ شادی کر کس سے رہے ہو؟ تمہیں یہی ملی؟ سلیمان سن لو، میں نہیں ہونے دوں گی ایسا، ارے غضب خدا کا، تمہیں لے دے کر ایک یہی ملی، طلاقن، بچوں کی ماں اس پہ کردار ایسا روشن، کہہ دو کہ سب بکواس ہے ادھر ادھر پھیلا، شادی کے لئے آج بھی تمہیں لڑکیوں کی کمی نہیں، ایک چھوڑ ہزار ملیں، میں خود لڑکی دیکھتی ہوں تمہارے لئے۔''

آپا خود ہی سوال خود ہی جواب اور خود ہی فیصلے کرتی جا رہی تھیں، گویا کہ وہ مان ہی لے گا جیسے۔

(جاری ہے)

جب سینے اندر سانس کے دریا ڈولتے ہیں
جب موسم سرد ہوائیں چپ سی گھولتے ہیں
جب آنسو پلکیں رولتے ہیں
جب سب آوازیں اپنے اپنے بستر پر سو جاتی ہیں
تب یہ آہستہ آہستہ آنکھیں کھولتے ہیں
دکھ بولتے ہیں، دکھ بولتے ہیں

فرحت عباس شاہ کی یہ نظم اپنی ڈائری میں تحریر کر کے گزشتہ کتنے لمحوں سے ہم الفاظ کو یوں گھور رہے تھے جیسے دل پھینک لڑکے بازاروں میں کھلے عام چلتی پھرتی حسیناؤں کو گھورنے کا شغل فرماتے ہیں۔

کھلے عام اول ہوں یہ اصلاح تو گائے بھینسوں کے ضمن میں استعمال ہو تو ہی مناسب لگتی ہے ہم بھی ناں کچھ بھی کہہ جاتے ہیں، بھلا نازک اندام حسینائیں کہاں اور کہاں یہ گائیں، بھینسیں، گوبر، چارہ چھی ہم نے تصورِ میں ابھرتی مندرجہ بالا اشکال کو ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں ذہن سے جھٹک دیا، شکر ہے سوچوں کے سلسلے کو کوئی پڑھ نہیں سکتا سوائے ٹیلی پیتھی کا علم رکھنے والوں کے اور ہمارے حلقہ احباب میں دور دور تک کسی کو ٹیلی پیتھی نہیں آتی، ورنہ ایسے ہی ندامت اٹھانی پڑتی اپنی اٹ پٹانگ سوچوں اور تصورات کا بھید کھلنے پر۔

ہمیں خواہ مخواہ ہی بے حد مسرت ہونے لگی اور ہم دھیرے سے ہنس دیئے، شکر ہے اللہ کا کہ ورنہ ہم کس کس کو وضاحتیں دیتے کہ کھلے عام پھرتی حسیناؤں سے ہماری مراد بنا پردے کا اہتمام کیے باہر نکلنے والی لڑکیوں سے ہے، خیر ہمیں کیا لینا کسی کی ذاتیات میں دخل اندازی کر کے۔

یکا یک سرد ہوا کا جھونکا ہمیں چھو کر گزرا تو ہم چونک کر خیالوں کے سفر سے جو کہ اٹ پٹانگ

مکمل ناول

سوچوں پر مشتمل تھا (ہمیشہ کی طرح) واپس پلٹ آئے۔

ہم نے ایک بار ڈائری کے ورق پر درج شدہ نظم از سر نو پڑھی اور بے ساختہ ٹھنڈی سانس سرما کی یخ بستہ رات کے سپرد کر دی۔

کافی دیر سے ایک ہی زاویے پر بیٹھے رہنے سے اور کچھ سرد موسم کی بدولت ہماری ٹانگیں منجمد ہو کر حرکت کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں اور ہاتھ سن ہو کر اکڑنے لگے تھے، ہم نے قلم رائٹنگ ٹیبل پر کھلی ڈائری کے اوراق پر رکھا اور کرسی کی بیک سے سر ٹکا دیا۔

ہوا مسلسل سٹڈی روم کی کھلی جالی دار کھڑکی سے اندر داخل ہو کر ہمیں چھوتی اور ہم ٹھٹھر کر رہ جاتے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم کوئی احمق ہیں جو اس موسم میں کھڑکی کھول کر بیٹھے ٹھنڈی سے کانپنے میں مشغول ہیں یا ہم اپنی جان کے دشمن خدانخواستہ خودکشی کے ارادے سے اس برفاب شب میں خنک ہوا سے مرنا چاہتے ہیں۔

بلکہ دشمن جاں تو وہ ہے جس نے گزشتہ تین سال اور دو ماہ سے ہمیں جان لیوا انتظار کی سولی پر لٹکایا ہوا ہے اور بالفرض اگر ہم مر جاتے ہیں آج چلو اس خاموش اور چپ سی ہوا اور برف سی خنک فضا میں تو اسے اس پتھر دل بے حس شخص کو کیا فرق پڑے گا اس لئے (مریں ہمارے دشمن) ہم کوئی پاگل ہیں یہ اور بات ہے کہ لگتے ہیں (صرف بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، عارب انا اور دیگر دوست احباب کو) مگر ہیں بالکل بھی نہیں، قطعاً نہیں، اس لئے ان کی رائے پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہمیں۔

وہ تو آپا بی ہماری سب سے بڑی نند صاحبہ ہیں ناں ان کے چھوٹے دو عدد افلاطون قسم کے بیٹے آٹھ سالہ شہروز اور چھ سالہ بازل گھر میں موجود دیگر بچوں کے ساتھ اسٹڈی روم میں آج صبح ہی جلوہ افروز ہوئے تھے، وہ پڑھنے کی نیت سے نہیں بلکہ فٹ بال کے سنگ تخریب کاری کے ارادے سے یہاں آئے تھے۔

نتیجتاً کھڑکی کے شیشہ سمیت بہت سی کتابیں شہید اور کچھ رسالے زخمی ہو گئے تھے، جن کا ہمیں از حد رنج تھا، جس وقت یہ واردات ہوئی ہم کچن میں دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے اور برتن دھونے میں مشغول تھے۔

چند دن سے ہمہ وقت چھائے بادلوں کی بنا پر شاہ خاور سامنے آنے سے ہچکچا رہا تھا، کہرے کے ملبوس میں لپٹی خنک فضا نے گھر کی خواتین کو بستر تک محدود کر دیا تھا، سوائے ہمارے ہم تو یوں بھی ان سب کی نظر میں شاید انسان ہی نہیں ہیں، ہمارے سسرال کا المیہ ہے کہ یہاں سبھی خواتین بشمول ساس صاحبہ، دونوں جیٹھانیوں اور دونوں نندوں کے بھاری بھرکم اور فربہی مائل جسامت کی مالک تھیں۔

اور رہی سہی کسر ان کی کاہل اور آلکسی اور پھوہڑپن نے پوری کر دی۔

اب تو گزشتہ تین سال سے یوں بھی بے فکری تھی آخر کو سب سے چھوٹی بہو نے آ کر گھر بار جو اچھے طریقے سے سنبھال لیا تھا، ان کے اچھے نصیب کہ اتنی اچھی، نیک سیرت، پیاری (لوگ تو خوبصورت کہتے ہیں آہم) اور کام کاجی، سلیقہ مند لڑکی ملی، ارے ہم اپنی بات کر رہے ہیں بھئی، حالانکہ ہمیں میاں مٹھو بننے کا کوئی شوق نہیں ہے لیکن یہ ساری خوبیاں ہماری خامیاں بن کر رہ گئی ہیں (سسرال میں نہیں بلکہ ہماری خود کی نظر میں)۔

کبھی کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ کاش ہم موٹے تازے ہوتے اور سست الوجود تو ہمیں

اس ظلم میں نہ جینا پڑتا، اسمارٹنس پر اتنے طعنے نہ سننے پڑتے مگر قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا ہے، حالانکہ ایسا کوئی خاص ظلم نہیں کیا کسی نے ہم پر مگر بس قبر کا حال مردہ ہی جانتا ہے کسی کو سمجھا نہیں سکتے اپنی بات تو محض اس لئے۔

جب کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ سسرال والوں نے کوئی دکھ نہیں دیا کبھی؟ ہاں بھئی اسی لئے تو بنا خاوند کے وہاں گزارہ کر رہی ہو اور ہم چپ چاپ مسکرا دیتے ہیں، ذہن کے پردوں پر اعتبار ساجد کی نظم ترتیب وار ابھرنے لگتی ہے۔

کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں اور
تم سے کہوں
بس یونہی چپ ہو جاتا ہوں
کسی اجڑے گھر کی مٹی پر
جب شام ڈھلے
کسی چیل کو سر نیہوڑائے ہوئے پاتا ہوں
کھو جاتا ہوں
تم پوچھتے ہو، کوئی دکھ تو نہیں؟
میں ایک نظر تمہیں دیکھتا ہوں
اور کہتا ہوں
کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں اور تم سے کہوں
جب دیکھتا ہوں ایسا منظر
ماضی میں کھو جاتا ہوں
بس یونہی چپ ہو جاتا ہوں

اور آج بھی تو ہمیشہ کی مانند سٹڈی روم کی حالت زار پر چپ کے چپ رہ گئے تھے، صد شکر کہ ہم اپنی ڈائریاں اپنی وارڈ راب میں رکھتے تھے ورنہ آج شہدا میں ان کا نام سرفہرست ہوتا، جان تو ہماری کتابوں کی حالت پر ہی نکل گئی تھی ویسے بچپن سے اپنی پاکٹ منی سے پیسے جمع کر کے کتنی چاہ سے خریدی تھیں کچھ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا نے مختلف مواقع پر گفٹ کی تھیں اور ہم نے کتنے پیار سے اپنے ڈریسنگ روم کو سٹڈی روم کی شکل دی تھی۔

یہ رائٹنگ ٹیبل چیئر اور بک ریک ہمارے میاں جی لائے تھے گو کہ وہ گریجوٹ ہیں ہماری طرح مگر کتابوں اور اردو ادب سے انکار دور نزدیک کا کوئی واسطہ نہیں اور شاعری سے بہت الرجی ہے اس کے باوجود ان کی جانب سے شادی کے بعد کا پہلا تحفہ ڈریسنگ روم کو سٹڈی روم میں تبدیل کرنا تھا۔

اور اب اپنی قسمت پر آٹھ آٹھ آنسو (وہ بھی خون کے) بہانے کے سوا ہم کر کیا سکتے تھے۔

''ٹھاہ'' کی زور دار آواز پر ہم افتاں و خیزاں الٰہی خیر دل پر ہاتھ رکھے سرپٹ اپنے کمرے کی اور بھاگے اور وہاں جنگ و جدل کا سماں دیکھ کر اف تک نہ کر سکے کہ ہم آپا بی یا ساسو ماں کا دل انجانے میں بھی نہیں دکھا سکتے، کجا کہ سب جانتے ہوئے نا بابا، ہمیں فوراً جھرجھری سی آ گئی۔

''ہمارا شایان ہوتا تو ایسے رونی صورت نہ بناتا، شایان ہوتا تو یہ کہتا، وہ کہتا، شایان ہم سے بہت پیار کرتا ہے، شایان کو ہم عزیز ہیں، شایان کو فلاں بات سے فرق نہیں پڑتا۔''

گزشتہ مہ و سال میں وقتاً فوقتاً مختلف حادثات و واقعات پر سنی گئی باتیں ہمیں ازبر تھیں، لہٰذا میاں جی یہاں ہوتے تو انہیں کوئی فرق نہ پڑتا اور اپنے عزیز بھانجوں کی فکر میں کچھ اور دبلے ہو جاتے، (اپنے گھر والوں کی نسبت اللہ کا شکر ہے کہ وہ بلا کے ہینڈسم ہیں موٹے ہوتے اگر تو ہماری اماں رشتہ نہ کرتیں ان سے کبھی، ہاں)

''کرن تم بہت لاپرواہ ہو خدانخواستہ

میرے بچوں میں سے کسی کو آج کچھ ہو جاتا تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتی غضب خدا کا کچن کون سا سات سمندر پار ہے تم آ کے دیکھ نہیں سکتیں تھیں کہ بچے سٹڈی روم میں فٹ بال سے کھیل رہے ہیں۔"

(یہ قصور ہمارا ہے) ہمارے کمرے کے برابر میں ہی تو ساسو ماں کا کمرہ ہے اور اس کا اندرونی دروازہ ہمارے کمرے کے دروازے کے ساتھ کھلتا ہے، ہم مجرموں کی مانند سر جھکائے کھڑے رہے۔

"ارے تم اسمارٹ ہو پل میں ادھر پل میں ادھر تمہارے لئے کون سا مشکل ہے اندر باہر کے چکر کاٹنا۔" ساسو ماں کا ارشاد ہوا۔

"ہاں تو اور کیا ہم تو ہیں ہی بھاری بھرکم بیٹھ کے اٹھ ہی جائیں تو غنیمت۔" آپا بی اب ذرا دھیمی ہوئیں لیکن ان کی بڑبڑاہٹ بہت دیر جاری رہی تھی اور شایان کو خوب بڑھا چڑھا کر ساری روداد سنائی گئی، انہیں بھی ہمارا قصور نظر آیا لیکن ہمارا دکھ نہیں دکھائی دیا کبھی، شاید ہماری ہی غلطی ہو گی تبھی تو، خیر لیکن فرحت عباس شاہ نے اس نظم میں بے حد سچائی کے ساتھ درد کی کیفیت کا اظہار کیا ہے، ہم پھر سے اپنے خیالوں سے واپس حال میں لوٹ کر آ گئے تھے۔

ہوا میں نمی کا تناسب بڑھ گیا تھا ہماری آنکھوں کی مانند، خبر ہی نہیں ہو سکی کب بادلوں نے دھیمے انداز سے کن من بوندوں کا رقص شروع کیا۔

سرما کی شب کی سلگتی ہوئی بارش بے حد سوگوار سی لگ رہی تھی۔

"دکھ بولتے ہیں رات کی تنہائیوں میں اور ان کے سننے والے ساتھی ہمارے پاس نہیں ہوتے۔"

اسی لمحہ بھیگی ہوا نے کھڑکی کے قریب بادلوں کے ساتھ مل کر غل مچانا شروع کیا اور ہم اپنے سارے دکھ بھول بھال گئے بھئی جب انسان خوفزدہ ہوتا ہے تو پھر کچھ یاد نہیں رہتا ناں، وہ تو ہم اپنے دکھوں اور شایان کی یادوں سے گفتگو میں مگن تھے جو اردگرد سے یکسر بیگانہ ہو گئے، اس سے پہلے کہ رات کی ویرانی میں چلتی سرد ہوا کے ساتھ پھرتا کوئی جن بھوت سٹڈی روم میں داخل ہوتا ہم نے کپکپاتے ہوئے اپنی میرون شال سنبھالی اور سرپٹ ساسو ماں کے کمرے میں دوڑ لگا دی، ہمیں ڈر لگتا ہے ناں تو انہی کے بازو سے لگ کے سونا پڑتا ہے، ویسے بھی ہم اکیلے نہیں سوتے کبھی اور وہ محاورہ ہے ناں ضرورت پر تو گدھے کو...... ناں ناں ہم اتنے بدتمیز نہیں ہیں جو اپنی ساسو ماں کے لئے ایسے الفاظ بیان کریں، ہمارا مطلب ہے کہ اس محاورے کے مقابلے میں ہم نے ایک محاورہ بذات خود ایجاد کیا ہے شادی کے بعد۔

"ضرورت پر تو ساسو ماں کو ہی سگی ماں بنانا پڑتا ہے۔"

ہم بھاگم بھاگ سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے چھت پر پہنچے اور پھولی سانسوں سمیت تیزی سے الگنی پر پھیلے کپڑے اتارنے میں مشغول ہو گئے، آج دونوں بھابیوں نے واشنگ مشین لگا کر گھر بھر کے کپڑے دھوئے تھے، کچن تو کئی سال سے ہمارے سپرد تھا، صفائی اور برتن ملازمہ کر جاتی تھی، جبکہ کپڑے بھابیاں مارے باندھے دھو دیا کرتی تھیں، یہ بھی غنیمت تھا ورنہ اگر جو کپڑے کوئی کھانے کی چیز ہوتے تو کرن کے ہاتھ میں بے حد ذائقہ ہے کرن جیسی کوکنگ کوئی نہیں کر سکتا، روٹی تو ہماری کرن بہت زبردست بناتی ہے، وغیرہ وغیرہ کہہ کر یہ کار خیر بھی مابدولت کے

کھاتے میں ڈالا جاتا۔

ہر سو دن بھر اپنے نام کی پکار سن کر ہمارے کان پک جاتے تھے جالے اتارنے ہیں کرن، کپڑے پھیلانے ہیں کرن، سمارٹ ہے فٹا فٹ پھیلا دے گی، کرن مامی، کرن چچی گھر بھر کے بچوں کی الگ فرمائشیں، آپا پی بغل والے گھر میں ہی مقیم تھیں سو دن بھر یہیں پائی جاتی تھیں۔

☆☆☆

آج ہمیشہ کی مانند صبح سے دن کچن کی نذر تھا، گرمیوں کے سخت ترین دھوپ میں اپنے دن ناشتے اور دوپہر کے کھانے کی تیاری کے مراحل کے دورانیے میں بھابیوں کی پکار پر لبیک کہتے ہم پسینے سے شرابور بھاگم بھاگ کپڑوں کی بھری ٹوکری اٹھا کر چھت پر جاتے رہے اور اب ظہر کی نماز سے فراغت پا کر کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ پچھم کی ہوا اور گرد و غبار بن بلائے آن موجود ہوئے ہمیشہ کی طرح گھر کے لوگوں نے ریسکیو ٹیم (جو کہ فقط ہماری ننھی سی جان پر مشتمل تھی) کو مدد کے لئے پکارا، جب تک ہم دو منزلہ گھر کی سفید ماربل کی سیڑھیاں پھلانگتے اوپر آئے تو ہماری قابل رحم حالت پر نیلگوں آسمان انتہائی ندامت سے سرمئی بادلوں کے قافلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا، ہمیں دیکھ کر ہوا مودب انداز سے چلنے لگی (بھئی پرسنالٹی ہی ایسی ہے) اور بادل یکلخت ہی زور و شور سے آنسو بہانے لگے غالباً ہماری آنتوں کے بھوک کی شدت سے قل ہو اللہ پڑھنے کی آواز ان تک پہنچ چکی تھی تبھی تو ایسے موٹے موٹے آنسو گرنے لگے کہ الاماں۔

ہم تو جناب گھبرا کر کپڑے اتار کر نیچے بھاگنا ہی چاہتے تھے، کہ بڑی جیٹھانی کی چنگھاڑتی آواز (ہماری دانست میں) ہماری سماعتوں کی نذر ہوئی۔

ہم نے کپڑوں کے ڈھیر سے بمشکل گردن نکال کر ریلنگ سے ذرا نیچے جھانکا اور ان کی بات سمجھنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئے مگر دو منزلہ نیچے سفید ماربل کے تیزی سے بارش کی بدولت بھیگتے فرش پر کھڑی وہ نجانے کیا عرض کرنے کی سعی میں مگن تھیں موسم کی خرابی کی بدولت (سگنل پرابلم) سے ان کی آواز صاف سمجھ نہیں آئی۔

اس پر متزاد یہ کہ اسی لمحہ بادل زوردار آواز سے گرجے ہم جو بھابھی کی بات سننے کے لئے ہمہ تن گوش ذرا سا ریلنگ پر جھک گئے تھے فوراً سے پیشتر لڑکھڑا کر چیخ اٹھے (خوف سے) اور کپڑوں کا سارا ڈھیر اور بوجھ ہمارے ناتواں کندھوں سے پھسل کر دو منزلہ نیچے ماربل کے سفید فرش پر ایستادہ جیٹھانی جی کے اوپر گر گیا بلکہ انہیں ساتھ لے کر لڑھک گیا اور ان کی ہائے وائے سے گھر کے در و دیوار لرز اٹھے۔

ہم نے تو جی جان سے کانپتے نیچے سیڑھیوں کے راستے لینڈنگ کی اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ بمشکل پلر سے لپٹی منی پلانٹ کی سرسبز پتوں والی ہوا کے دوش پر رقص کرتی بارش سے بھیگتی بیل سے لگ کے مارے دہشت کے رونے لگے بھاں بھاں۔

وجہ یہ تھی کہ ان کے گرنے کی زوردار آواز سے ڈائننگ روم میں سے ملی جلی آوازیں ایک ساتھ ابھری تھیں، اب وہ لوگ سمارٹ تو ہیں نہیں (بقول انہی لوگوں کے، ورنہ اللہ معافی ہم تو سب انسانوں کو ایک برابر سمجھتے ہیں) جو کہ جائے وقوعہ پر فوراً بھاگے چلے آتے تو وہیں سے معاملے کی نوعیت دریافت کی گئی تھی۔

''ہائے میں مر گئی، ہائے میں گر گئی۔''

جیٹھانی جی نے دہائی دی، سارے دھلے ہوئے کپڑے ان کے اطراف اور کچھ ان کی ٹانگوں

سے لپٹے بارش میں بھیگ رہے تھے۔
''تم کیسے گر گئیں بہو۔'' آواز ابھری۔
''کیوں کیا موٹے لوگ انسان نہیں ہوتے وہ نہیں گر سکتے ہائے آئے۔'' ان کی دہائیاں جاری تھیں۔
یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ وہ تھوڑی گری ہوئی خاتون ہیں، میٹھی چھری بن کر ہمیشہ سارا کام ہم سے کرواتی ہیں اور تو اور شادی کے بعد ایک بار بہت پہلے ہم ان کے ساتھ شاپنگ پر چلے گئے تو انہوں نے کم عمر لڑکوں کو نجانے کیا اشارے کیے وہ ان کے پیچھے لگ کر سیٹیاں بجانے لگے ہم اس افتاد پر برقع پوش ہونے کے باوجود بوکھلا کر خوفزدہ ہو گئے اس وقت ہم ان کے گرے ہونے سے واقف نہیں تھے وہ تو خود بھابھی نے ہمیں بتایا کہ موٹاپے کے باوجود وہ نظر انداز کیے جانے والی چیز نہیں ہیں کم عمر لڑک تک ان کے دیوانے ہیں اور گھبرانے کے بجائے ہم بھی انجوائے کریں، ان کے فرمودات پر ایک سو ایک میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ان پر لعنت بھیج کر ہم نے چند قدم آگے چلتی ساسو ماں کا پلو تھام لیا اور انتہائی خشوع و خضوع سے رونے لگے۔
بھابھی نے کمال ہشیاری سے موضوع بدل کر شایان کی یاد کی جانب موڑ دیا تھا اور لیکن اس کے بعد ہم کبھی شاپنگ پر نہیں گئے، ساسو ماں اور آپا بی ہمیشہ ہر عید و تہوار پر ہمیں اپنی مرضی سے کچھ نہ کچھ لا دیتی تھیں۔
مگر جیٹھانی جی اس حد تک گر سکتی ہیں آج انہیں ماربل کے سفید فرش پر بارش برساتی سہ پہر میں آڑھا ترچھا گرا ہوا دیکھ کر ہم حق دق رہ گئے اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے انہیں ملاحظہ کرنے لگے، رونا اس بات کا نہیں تھا، آنسو تو اس موت کے پروانے کو سن کر ہماری بڑی بڑی غلافی آنکھوں کی گھنی پلکوں والی باڑھ پھلانگ کر ہمارے صاف شفاف عارضوں پر پھسل رہے تھے (جنہیں برستی بارش کی بدولت کوئی دیکھ نہیں پا رہا تھا) بقول جیٹھانی جی کہ ''کرن مجھے اٹھاؤ''
کہاں ہم دھان پان سی دوشیزہ اور کہاں وہ انہیں اٹھانے کے لیے کسی بلڈوزر کی ضرورت تھی ناں کہ ہماری، انہیں اٹھانے کے چکر میں ہم اس دنیا سے نہیں اٹھنا چاہتے تھے، دنیا جہاں رہتے ہمیں ابھی چوبیسواں سال لگا تھا اور ہم نے ابھی دیکھا ہی کیا تھا دنیا میں۔
ہم نے تو ٹھیک سے شایان کو نہیں دیکھا تھا اب تک (مارے شرم کے) تو دنیا کہاں سے دیکھتے، شایان گھر بھر کے لاڈلے اور چھوٹے سپوت اور باہر جانے کے ازحد شوقین۔
شادی کے ایک ماہ بعد ہی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور واپسی کا نام تک نہیں لے رہے تھے، اللہ غارت کرے ان لوگوں کو جنہوں نے ان کو باہر کا ویزا دیا تھا، ہاں نہیں تو۔
تصویر تو ان کی ہم ہمہ وقت دیکھتے تھے اپنی آنکھوں کی پتلیوں میں مگر ان کو روبرو دیکھے بنا کیسے ہم جاتے۔
''ہائے کرن۔'' جیٹھانی جی کی آواز آہ و بکا ہمیں خیالات سے واپس کھینچ لائی انسانیت کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کے لئے بالآخر ہم ان کی جانب بڑھے۔
ہمارے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، اس شعر کا مفہوم اس وقت پوری جزئیات سمیت سمجھ میں آرہا تھا۔
وہ ایک پل کی مسافت پر تھا مگر مجھ سے نجانے کس نے کہا تھا کہ زمانہ پڑتا ہے
''حق ہا، دو گام کا فاصلہ صدیوں کی مسافت کے برابر لگ رہا تھا جسے ہم بدستور خوف و نقاہت

سے نڈھال انداز میں گرتے پڑتے بارش میں بھیگتے طے کرتے جا رہے تھے، آنکھوں کے سامنے مختلف مناظر تیزی سے سر اٹھانے لگے، آغا جی، اموجان، بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، عارب انا بچپن سے جوانی تک ان سب کے ساتھ بیتا ہوا وقت چاہتیں، محبتیں سکول اور کالج لائف کی سب مخلص دوستیں، اساتذہ کی شفقتیں شایان سے نسبت طے ہونے کے بعد سال بھر کا دورانیہ، جس میں ہم نے ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھا صرف سوچوں و جذبوں کا تعلق تھا ہمارا ان سے۔"

شادی کا وہ دن جس میں ہم لرزتے، کانپتے روتے ان کے ہمراہ یہاں آئے اور رونمائی میں ملنے والی شایان کی زبردست قسم کی جھاڑیں، جو انہوں نے حجلہ عروسی میں داخل ہوتے ہی بیزار چہرے کے ساتھ منہ بنا بنا کے ہم پر نچھاور کیں۔

ہمیں کہاں گمان تھا کہ سال بھر وہ جلتے کڑھتے یہی سوچتے رہے کہ شاید ہم اس نسبت سے خوش نہیں ہیں، ہماری خاموشی، شرافت و سادگی، شرم و حیا کا ایسا مفہوم اخذ کیا تھا انہوں نے کہ استغفار۔

بوکھلاہٹ بے یقینی سے ہم انہیں غضبناک انداز میں کمرے میں یہاں سے وہاں، ٹہلتا دیکھ رہے تھے۔

حجاب آلود کپکپاتے انداز میں ہکلا ہکلا کر ہم نے ان کی جواب طلبی پر انہیں وضاحتیں پیش کیں، شادی کے بعد کی محبت پر یقین رکھنے کے نظریہ سے آگاہ کیا، منگنی کے بعد قائم کیے گئے رابطوں کو فضول قرار دیا، تب جا کر وہ ذرا سنبھلے تھے، لیکن اس کے بعد سے ہم پر ان کا ایسا رعب و ہیبت طاری ہوئی کہ کچھ نہ پوچھیں، ہماری تو آواز ہی نہیں نکلتی تھی ان کے سامنے گھگھی بندھ جاتی تھی، سارا اباتونی پن ہوا ہو جاتا تھا انہیں دیکھ کر۔

گری ہوئی جیٹھانی جی سے ہمارا درمیانی فاصلہ لمحہ بہ لمحہ سمٹتا جا رہا تھا، سفید ماربل کے فرش پر پھسلتی بوندوں سے کچھ پرے پورچ کی مشرقی دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں ایستادہ فالسہ، آلو بخارے، انار اور املی کے پیڑوں کی شاخیں چلتی ہوا کے سنگ ذرا آگے جھک جھک کر ہمیں اک نظر دیکھتیں اور واپس پلٹ جاتیں، ان کی اس حرکت کی بدولت پورچ کی سفید ٹائلز پر گرے کچے آلوچے اور انار کی کلیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ہم نے آخری بار پھر سے اشکوں کی روانی میں اپنی عنقریب واقع ہونے والی موت کا غم تازہ کیا اور شادی کے بعد کی کوئی رومینٹک یاد کے متعلق غور و خوض فرمانے میں مشغول ہو گئے تاکہ موت کی تکلیف کو سہانی یادوں کے سہارے کچھ کم کیا جا سکے۔

لیکن یہ انکشاف ہی دل دہلا دینے کے لئے کافی تھا کہ ہمارے دل کے دامن میں رومینٹک یاد کے نام پر یادیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔

ہاں ہاں کافی سوچ و بچار کے بعد دماغ کے زنگ آلود خانوں سے ایک یاد نے فوراً سر اٹھا لیا چلو شکر ہے۔

ہوا یوں کہ چوتھی کے موقع پر ہم انا سے الوداع کہتے سے اپنے عزیز از جان پودوں، کتابوں، میٹھو میاں اور مانو بلی کا خیال رکھنے کی نصیحتیں فرما رہے تھے، ہمیں علم نہیں تھا کہ ذرا فاصلے پر موجود شایان کے کان ہماری گفتگو کی جانب مرکوز ہیں۔

"ارے آپ تو صحیح بولتی ہو۔" شایان کی خوشی سے لبریز چہکتی آواز بیک وقت ہماری اور ہماری اکلوتی ہمشیرہ انا کی گفتگو میں مخل ہوئی۔

''کیا مطلب۔'' ہم متعجب سے انہیں ملاحظہ کرنے لگے انا فوراً منظر سے نو دو گیارہ ہو گئی (شوخی سے مسکراتے ہوئے بدتمیز) انہوں نے سابق انداز میں اپنا جملہ دہرایا اور ہمارے قریب آ کر کھڑے ہو گئے ان کی ہیبت و دبدبے سے ہم فوراً سر جھکا کر کانپنے ہی والے تھے کہ ہمارے جھکے چہرے پر ناسمجھی کے آثار دیکھ کر انہوں نے فوراً وضاحت دی بقول ان کے۔

''میں سمجھتا تھا کہ تم ہکلی ہو (او ہو آپ سے تم پر بھی آ گئے) میں سوچتا تھا کہ امی نے رشتہ طے کرتے وقت دیکھا نہیں لڑکی ہکلا کر بات کرتی ہے لیکن آج پتا چلا تم تو صحیح بولتی ہو۔'' اور زمین اور آسمان ہماری نگاہوں کے آگے گھوم گئے۔

''کیا آپ ہمیں ایسا سمجھ رہے تھے۔'' شرم حیا خوف سے ایک طرف رکھ کر بے ساختہ ہم نے انہیں گھورا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر ہنسنے لگے۔

''اتنے دن سے میرے سامنے تو تم یونہی بول رہی ہو۔'' جبکہ ہم ششدر سے انہیں ملاحظہ کرتے رہے اور ان کی آنکھوں میں مچلتی شرارت بھانپ کر ہم نے خجل ہو کر نگاہ ہٹائی تھی اور خود بھی ہنس دیئے تھے، اس دن ہمیں علم ہوا کہ وہ اتنے برے اور کرخت نہیں جتنا ہم انہیں سمجھ رہے تھے، تو یہ تھی ہماری رومینٹک یاد۔

ٹھنڈی سانس بھر کر ہم جیٹھانی جی کی جانب متوجہ ہوئے جو کہ خود سے اٹھنے کی سعی میں پھر سے پھسل گئی تھیں، ہم نے ان کی جانب طوعاً کرہاً ہاتھ بڑھایا جبکہ ذہن میں امو جان کے بہت بچپن میں کہے گئے الفاظ کی بازگشت تھی۔

''کرن بیٹا بری بات زمین پر گری ہوئی چیزیں کبھی نہیں اٹھاتے۔'' (امو جان ہمیں معاف کر دیجئے گا ہم آپ کی نافرمانی کے مرتکب ہونے جا رہے ہیں) کلمہ طیبہ کا زیر لب ورد کرتے ہوئے ہم نے اپنے ہاتھ میں جیٹھانی جی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''نہیں نہیں کرن رک جاؤ، میں تمہیں اتنی جلدی نہیں مرنے دوں گی۔'' آپا بی، ساسو ماں اور منجھلی جیٹھانی کی اینٹری بے حد ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی اور ساسو ماں نے تڑپ کر ہمیں اپنی اور کھینچ کر کلیجے سے لگا لیا تھا، جبکہ بقیہ ڈائیلاگ آپا بی نے ادا کئے تھے۔

''اللہ کا شکر ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا ورنہ ہمیں مزے مزے کے کھانے کون کھلاتا۔'' منجھلی جیٹھانی منمنائیں۔

میرا شایان بھری جوانی میں محض اٹھائیس سال میں بیوہ ہو جاتا۔'' صدمے کی بدولت ساسو ماں دھواں دھار اشکوں کے درمیان ہچکیوں سسکیوں سے فرمانے لگیں، حواس ان کے یقیناً سلب ہوئے تھے اور اس کا منہ بولتا ثبوت شایان کا بیوہ ہونا تھا، ہمیں خوشی ہوئی ہماری خدمتیں اکارت نہیں گئیں ساسو ماں کو ہماری واقعی پرواہ ہے۔

''کرن پر صدقے واری ہونے سے فرصت مل جائے تو مجھے اٹھا لینا ظالموں۔'' جیٹھانی جی کی دہائی (وہ بھی جلی کٹی) پر بالآخر انہیں اٹھانے کا اندوہناک فریضہ اجتماعی تعاون سے سرانجام دیا گیا، سچ کہا ہے کسی نے، اتفاق میں برکت ہے، ہم تو جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق وہیں بارش میں جھومنے لگے۔

''ساون کے جھولے پڑے تم چلے آؤ، تم چلے آؤ۔'' گنگناتے ہوئے آخر میں ہماری آواز بھرا گئی رندھے ہوئے گلے کے ساتھ ہم نے شایان کی سماعتوں میں اپنی بھونڈی و بے سری آواز کا جادو جگانے کی ناکام سعی کی۔

جی ہاں اگر ہماری آواز میں اتنا ہی سر اور

لے ہوتی تو وہ بھاگے چلے آتے مگر ناں جی ناں، نجانے کس مٹی کے بنے تھے، ہم نے موبائل ایک کان سے دوسرے کان میں منتقل کیا ہی تھا کہ عارب اور انا بھاگے چلے آئے۔

''کیا ہوا اپیا! کیا ہوا؟ کیوں بلا رہی ہیں؟'' عارب گویا ہوا ''محلے والے آکر بھیک دینے لگیں گے، آغا جان بھی اندر کہہ رہے تھے کہ باہر دیکھو کوئی فقیرنی آئی ہے شاید۔''

انا پھولی سانسوں سمیت روانی سے اونچی آواز میں مخاطب تھی، ہمیں تو بولنے کا موقع ہی نہیں دیا جا رہا تھا، ہم جو لان میں ٹاہلی کے پیڑ پر لگے جھولے پر بیٹھے جھول رہے تھے ہونقوں کی مانند ان دونوں کو یک ٹک دیکھ کر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئے کیونکہ موبائل کے دوسری جانب شایان کا زبردست قہقہہ سنائی دے رہا تھا اور ادھر عارب اور انا کا۔

''شرم نہیں آتی تم دونوں کو، ہماری پرائیویسی میں مخل ہوتے ہو۔'' ہم نے گھر کا، مگر مجال ہے کہ وہ ذرا بھر شرمندہ ہوئے۔

☆☆☆

گزشتہ دو دن سے ہم میکے میں فارغ بیٹھے مکھیاں مارنے کا شغل فرما رہے تھے، بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، آفس میں مصروف ہوتے تھے، آغا جان اکیڈمی میں، جی ہاں آغا خان ریٹائرڈ پروفیسر تھے اور اپنی اکیڈمی چلا رہے تھے، جبکہ عارب اور انا اپنی اسٹڈی میں مشغول تھے، عارب کے بی ایس آنرز کے سیکنڈ ٹرم کے ایگزامز چل رہے تھے اور انا ایف ایس کی طالبہ تھی، رہیں امو جان تو وہ ہمیں ہرگز کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں یہ پروٹوکول شادی کے بعد جب سے سسرال میں ہم کچن کو پیارے ہوئے تب سے ملنا شروع ہوا تھا۔

اور اب عصر کی نماز سے فراغت کے بعد شایان کی کال سننے ہم ذرا دو منٹ لان میں نکل آئے، تو عارب اور انا تنگ کرنے کو آموجود ہوئے۔

''یار کرن میں نے تم سے پوچھا تھا کیا ہو رہا ہے اور تم نے کس زمانے کے گھسے پٹے گانے سنانے شروع کر دیئے۔'' شایان کا لہجہ صاف چڑانے والا تھا لفظ گھسے پٹے پر ہمیں سخت اعتراض تھا مگر ہم منہ میں گڑ ڈالے بیٹھے رہے اور انا کو دور دھکیلا جو ہمارے قریب ہو کر ادھر کی گفتگو سننے کی کوشش میں محو تھی تاکہ عارب کے ساتھ مل کر ہمارا ریکارڈ لگا سکے اور کچھ بعید نہیں تھا شایان بھی انہی کا ساتھ دیتے، کہ ایسا بارہا ہوتا تھا جب میکے آکر اسکائپ پہ شایان سے بات ہوتی تو یہ دونوں چھوٹے ہمیں خوب لقمے دیا کرتے تھے۔

''دور رہو۔'' ہم نے ڈپٹا۔

''دور رہی تو ہوں ظالم ابھی کیسے درد بھری آواز میں بلا رہی تھیں اب ایک پل میں پرایا کر دیا۔''

''نہیں نہیں آپ کو نہیں کہا۔'' شایان کے شکوے پر ہم نے گھبرا کر اک نظر لان کے سرسبز درختوں اور پھولوں سے لدے پودوں اور مخملی گھاس کے سبز فرش پر جھکے آسمان کو دیکھا جہاں گھنگھور گھٹائیں گھر گھر کر آ رہی تھیں اور بارش کا سندیسہ سنا رہی تھیں۔

''عارب بھائی، اپیا نے ہمیں نہیں کہا، شایان بھائی کو کہہ رہی ہیں شاید لڑائی ہو گئی۔'' انا مصنوعی تفکر سے مخاطب ہوئی۔

''اپیا بڑی تیکھی ہو رہی ہیں خیر ہے ارے شایان بھائی۔'' عارب موبائل اچک کر اپنے کان سے لگا لیا تھا، جبکہ دانت تو اس کے مسلسل باہر ہی رہے تھے ساری کارروائی کے دوران ہاتھی کی طرح

نہیں بھئی ہمارا مطلب کہ وہ ہنستا رہا تھا، ہماری طرح ہنس مکھ جو ٹھہرا مگر فی الوقت ہم بالکل نہیں ہنس رہے تھے بلکہ اسے اور انا کو گھورنے کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے جو کہ ضروری تھا۔

''دراصل پہلے جھولے کی رسی ٹوٹ گئی تھی اب ساون آیا تو جھولا نیا ڈال دیا ہے ٹاہلی پر اور اپیا صاحبہ جھولے پر بیٹھی ہیں ان کے ہاتھوں میں درد ہے تو جھولا نہیں جھولا جا رہا میں اور انا بزی ہیں اکیڈمی کا ٹائم ہونے والا ہے تو اپیا اس لئے آپ کو بلا رہی ہیں، تاکہ آپ ان کو جھولا جھلا دیں اور کوئی بات نہیں ہے۔''

ہم شوخ سی ہوا میں عارب کے پیچھے بھاگے تاکہ موبائل جھپٹ سکیں، مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا ہاتھ آکے نہ دیا شاہ بلوط کے تناور درخت کے ساتھ لگے ہم بری طرح ہانپنے لگے انا کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

''واہ عارب بھائی کیا تشریح کی ہے اپیا کے گانے کی۔'' انا چہکی اور گنگنائی۔

''ساون میں جھولے پڑے تم چلے آؤ۔''

بارش شروع ہو چکی تھی، درختوں کے پتوں پر گرتی بارش کی بوندوں کی دھیمی موسیقی سننے کے لئے ہم سب کچھ بھلا کر بے تحاشا ہنستے ہوئے انا کے ساتھ پینگ چڑھانے لگے، فضا میں گلاب، موتیا، آم، لیموں اور کچنار کی ملی جلی مہک تھی، جس میں کچن سے آتی امو جان کے ہاتھ کے بنے پکوڑوں کی خوشبو بھی شامل ہو گئی تھی۔

پھر ساون رت کی پون بجی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے
پھر کاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
رت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے

انا کھلکھلاتے ہوئے ہمارے حسب حال شعر گنگنا رہی تھی، ناصر کاظمی کی یہ غزل ہماری پسندیدہ ترین غزلوں میں سے تھی، ہمارے من میں خواہشیں جنگل کے خودرو پودوں کی طرح اگنے لگیں، شایان کے سنگ بارش میں بھیگنے کی چاہ ٹاہلی دے تھلے بے کے ماہیا وے ماہیا کدی کریئے پیار دیاں گلاں۔

یہ ٹاہلی والی خواہش ضرور پوری ہو جاتی اگر جو عارب اور انا بوتل کے جن کی مانند نہ ٹپکتے۔

ہم نے اک بوجھل سانس (جو کہ شایان کی یادوں کی بھیگی مہک سے بھرپور تھی) ساون کی یہاں وہاں بکھرتی رات کے نغمے گاتی ہوا کے سپرد کی اور دھیرے سے ڈائری بند کر کے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

دونوں جیٹھانیوں کے پاؤں ایک ساتھ بھاری ہوئے تھے، کیا سمجھے آپ، ارے نہیں نہیں ان کے پیروں پر کسی نے اینٹیں نہیں رکھیں ناں ہی وہ گینڈے کی مانند ہوئی ہیں کہ اپنا وزن نہیں اٹھا پا رہیں اس لئے بستر پر سے اٹھنے کا نام تک نہیں لے رہیں، ناں ناں وزنی جھانجھریں بھی نہیں پہنیں، رہنے دیں ہمیں بتانا نہیں آ رہا ہم ایسی ویسی باتیں نہیں کرتے کسی سے نہیں کیں سمجھی یوں سمجھ لیں کہ ہے کوئی نہ کوئی وجہ کہ بچاریاں اب ریسٹ ہی کریں گی۔

ہاں تو ہوا یہ ہے کہ دونوں جیٹھوں اور ہماری دو عدد نندوں بشمول ساس صاحبہ نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ کپڑے دھونے کی ذمہ داری اب ہمارے ناتواں کندھوں پر ڈال دی جائے۔

''اچھا ہے سمارٹ رہے گی کبھی وزن نہیں بڑھے گا کرن کا۔'' بڑی جیٹھانی رشک بھری نظروں سے ہمیں دیکھ کر گویا ہوئیں۔

''اسمارٹ لوگوں کے لئے کون سا مشکل ہے کوئی کام، دو منٹوں میں کر کے یہ مارا۔'' آپا بی

نے رائے دی گویا ناک پر سے مکھی اڑائی اور مکھی نے اڑ کر ساسو ماں اور منجھلی جیٹھانی کا ناک میں دم کرنے کے بجائے ان کے کانوں میں نجانے کیا صور پھونکا کہ وہ مندرجہ بالا ارشادات پر سر تسلیم خم کرنے لگیں اور رہ گئے ہم تو ہم دل سے گئے جاں سے گئے، پر شکوہ نہ کیا صنم تیری قسم، دل سے نکلتی ٹیسوں نے پرانے گانے کے بول میں نجانے کیا کچھ مکس کر کے عجب سا ملغوبہ (جسے ری میک کا نام دیا جاتا ہے) بنا ڈالا، ہم جو ہمہ تن گوش درد دل کی گزارش سننے میں مشغول تھے، آپا بی کی پاٹ دار آواز پر چونک کر متوجہ ہوئے۔

یہاں تک کہ ساسو ماں کے کمرے کے اس پار نظر آتے سفید ماربل سے پورچ کی مشرقی دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں ایستادہ فالسہ، آلو بخارا اور انار کے پھلوں سے لدے پیڑوں کی جھکی شاخوں سے سرگوشیاں کرتی ہوا نے دم سادھ لیا۔

''شایان یہاں ہوتا تو ہنستے مسکراتے یہ ذمہ داری سونپے جانے پر پھولے نہ سماتا کہ کرن کو ہر بات میں خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔'' اگلے ہی لمحے ہوا نے تیزی سے کھڑکی پر دستک دی۔

''لو جی کر لو گل، تو یہ بات ہے۔'' ہم جو ذرا افسردہ ہونے لگے تھے ہمیں لگ رہا تھا یہ سب ہمیں فالتو سا سمجھ کے ہر کام کرواتے ہیں ہمیں دل بھر کے ندامت ہوئی اور چلو بھر پانی میں ڈوب کر جو باہر نکلے تو مارے مسرت کے آپا بی کے ہاتھ تھام لئے۔

''آپا بی ہم بھی بے حد خوش ہیں، کام کی کوئی بات نہیں ہے، بس محبتیں ہونی چاہئیں آپ سب ہم سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔'' ہم نم دیدہ ہو گئے، شایان کی ایک مسکراہٹ کی خاطر ہم جان کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کر سکتے تھے تو کپڑوں کی دھلائی کا کام کس کھیت کی مولی تھا،

ہاں نہیں تو۔

''کرن! شایان بہت خفا ہو رہا ہے تم پر، رات میں بات ہوئی تھی اسکائپ پر مگر تم نے بات نہیں کی یہی نہیں کچھ عرصے سے تم یونہی اسے اگنور کر رہی ہو، ہم سب نے نوٹس کیا ہے۔''

ہم دونوں جیٹھوں کے آفس کے لئے منتخب کردہ کپڑے پریس کر کے انہیں پہنچانے کے لئے ان کے کمروں کی جانب آئے گھر بھر کے بچوں کے یونیفارم ہم رات میں پریس کر دیتے تھے، ہاں ساسو ماں اور دونوں بھابیوں کے کپڑے صبح میں دس بجے جب ہم جیٹھوں کے سوٹ پریس کرتے تب ہی باقیوں کو نمٹا دیتے کہ یہ وقت ذرا فراغت کا ہوتا تھا، ناشتے کے بعد جیٹھانیوں کو جوسز، ملک شیک، وغیرہ ہی دینا ہوتا تھا، بچاریاں بیڈ ریسٹ پر تھیں ناں۔

بڑے جیٹھ جی کی آواز پر ہم نے سخت استعجابیہ انداز میں انہیں دیکھا، (ساسو ماں کے کمرے میں رکھے کمپیوٹر پر اسکائپ پر جب بھی شایان موجود ہوتے تو کمپیوٹر کے گرد اہلخانہ یوں جم غفیر کی صورت اکٹھے ہوتے جیسے بڑی مکھیاں شہد کے چھتے کے گرد اور ہم اپنی باری کے انتظار میں ہجوم میں سے سر نکال کر اک آدھ بار منمنا کر رہ جاتے شایان، مگر آپا بی، ساسو ماں دونوں جیٹھانیاں گھر بھر کے بچے اور تو اور دوسری نند صاحبہ کا ہر دوسرے دن میکے پر نزول ہوتا وہ بھی بشمول فیملی شہد کے چھتے کا حصہ بنتیں، ہاں گھڑی دو گھڑی ہماری رسمی سی ہیلو ہائے ہو جاتی تھی۔

''ہم سب کی محبت ہے جو شایان سے ڈھیروں فرمائشیں کرتے ہیں کرن تو پتا نہیں کس مٹی کی بنی ہے، نہ کوئی فرمائش نہ شکوہ، حیرت ہے مست رہتی ہے بھئی۔''

بڑی جیٹھانی، منجھلی سے سرگوشی کرتیں یا

ہمیں طعنہ مارتیں۔

''ہاں تو عیش جو کر رہی ہے سسرال میں، سیاہ سفید کی مالکن ہے۔'' ہمیں دیکھو کونے میں پڑے ہیں، جھلی ہاں میں ہاں ملاتیں اور ہم فخر سے اپنا سر اور بلند کر لیتے، (اپنے مقام پر) اور اب جب سے بچاریاں بستر سنبھالے بیٹھی تھیں ہمارے پاس سر کھجانے کی فرصت نہیں رہتی تھی اور اب شایان سے بات کرنے کے لئے اتنی طویل لائن میں لگنے کون دیتا تھا، ہمیں کوئی نہ کوئی کام سونپ دیا جاتا تھا اور ہم کام کرنے میں ملکان یہ سوچ کر کہ موبائل پر بات کر لیں گے مگر پھر شایان بزی ہو جاتے تھے۔

اور کام کاج کا تو ہم نے شایان سے کبھی ذکر ہی نہ کیا تھا بھئی، اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہمیں پسند نہیں ہے ناں تعریف وہ جو دوسرا کرے تو یہ کام تو ہمارے سسرالیوں کو کرنا تھا ناں، جیسے وہ ہماری امو جان سے کرتے جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، آتیں تو وہ کبھی مہینوں میں تھیں، آغا جان بیٹی کے گھر کا پانی پینا پسند نہیں کرتے ناں اس لئے۔

''کرن کہاں کھو گئیں؟'' بڑے جیٹھ جی کی آواز ہمیں خیالوں کے سفر سے واپس کھینچ کر لے آئی۔

''بس وہ فرصت نہیں ملتی۔'' ہم نے سر پر جمے دوپٹے کو پھر سے درست کیا اور انگلیاں مڑوڑنے کے بجائے واپسی کے لئے پر تولنے لگے بھئی دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنی تھی۔

''مصروفیت ہر کسی کے پاس ہوتی ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنوں کو بھول جائیں۔'' ان کے ناصحانہ انداز پر ہم اثبات میں سر ہلاتے پلٹ آئے۔

بلا کی افراتفری ہے ہماری ذات میں لیکن بے دھیانی میں بھی تیرے دھیان میں رہتے ہیں شایان ہمیں بھولتے کب تھے ہمارے دھیان و گمان دل و جان میں ہو سوا انہی کے ڈیرے تھے، مگر کسی کو کیا خبر، یہ تو اندر بہت اندر دل کی گہرائیوں کی باتیں ہیں ناں۔

ڈائری بند کر کے ہم نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا اور آنکھوں کی پتلیوں میں ابھرتی شایان کی شبیہ کو دیکھ کر مسکرانے لگے، سٹڈی روم کی جالی دار کھڑکی سے ادھر رات بھیگ رہی تھی، نیل گگن پر ماہتاب ستاروں کی بارات لے کر اترا تھا اور دودھیا چاندنی کی ٹھنڈک ہمارے چہرے کا احاطہ کر رہی تھی، فضا خاموش تھی، یکلخت ہوا سے رائیٹنگ ٹیبل پر پڑے اخبار کے ورق پھڑ پھڑائے اور خوف سے ہماری جان ہی نکل گئی، چہرے کی رنگت فق ہو گئی۔

جگمگاتے ماہتاب، بہتی چاندنی، بھیگی رات کا سارا طلسم ہوا ہو گیا ہم لرزتے کانپتے زیر لب آیت الکرسی کا ورد کرتے ساسو ماں کے کمرے کی طرف بھاگے۔

☆☆☆

''شایان اگر آپ نہ آئے تو بڑے بھیا کی شادی بھی نہیں ہو گی آپ کے بنا وہ نکاح نامے پر سائن ہی نہیں کریں گے۔''

''خبردار! جو کوئی بدشگونی کی بات منہ سے نکالی، نکمی لڑکی تمہارے منہ میں خاک، سائن نہ کریں تمہارے دشمن، شادی نہ ہو تمہارے رقیبوں کی بدتمیز۔''

ہمارے بے حد جذباتی انداز میں مارے گئے ڈائیلاگ پر بڑے بھیا نے تڑپ کر ایک زور دار دھپ ہمیں رسید کی اور لڑاکا عورتوں کے اسٹائل میں ہاتھ نچا نچا کر ہمیں کوسنے لگے، شومئی قسمت کہ اسکائپ پر شایان سے بات ہو رہی تھی

اور ان کے سامنے ایسی عزت افزائی پر ہم بغلیں جھانک کر رہ گئے، سونے پر سہاگہ شایان کا زوردار چھت پھاڑ اور فلک شگاف قہقہہ تھا جس میں چھوٹے بھیا اور عارب کے جناتی قہقہے بھی شامل ہو گئے تھے، ہاں اتنا ہنسی تھی لیکن اس کی ہنسی کی جھنکار دھیمی سی ان کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی، ہم بری طرح جھینپ گئے۔

''اپنا ہی قصور تھا کہ طوفاں میں گھر گئے۔''

کے مصداق سراسر ہماری ہی نادانی تھی بڑے بھیا کی شادی عنقریب بکرا عید کے بعد متوقع تھی اور بکرا عید میں تقریباً مہینہ ڈیڑھ باقی تھا، عید الفطر پر بھی ہم نے کتنا پکارا تھا، فریاد کی مگر اس سنگدل شخص نے ذرا جو کان دھرے ہوں۔

''شایان آپ کے ساتھ کوئی عید کوئی تہوار کوئی خوشی کا موقع نہیں منایا آپ آ جائیں۔'' ہم نے التجا کی۔

''کچھ بن کر آؤں گا۔''

''جس حلیے میں ہیں اسی طرح آ جائیں زیادہ بننے ٹھننے کی ضرورت نہیں۔'' ہم رو پڑے۔

''اس وقت مشکل ہے۔'' سنجیدگی سے مدہم لہجے میں گویا ہوئے۔

''کیوں آپ بچے تھوڑی ہیں جو رات کو گھر سے باہر نہیں نکل سکتے۔'' ہم نے بھرائی ہوئی آواز اور جلے کٹے انداز میں عرض کیا اور اک نگاہ دالان کے اس پار نظر آتے آنگن کے عین مطابق بنے لان میں ایستادہ ٹاہلی، آم، لیموں، کچنار کے سیاہ چادر میں لپٹے درختوں پر ڈالی، آنگن میں لگے انرجی سیور کی دودھیا روشنی لان میں اتری رات میں اجالے گھولنے کی سعی میں ناکام تھی، دالان میں ایک طرف ہمارا میٹھو اپنی سرخ چونچ سے (پنجرے کی سلاخوں سے لگا اپنے کان) ہماری ہی اور لگائے ہماری سمت متوجہ تھا۔

''کرن بچے تو اب دن میں بھی گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔'' ان کے لہجے میں کرب اتر آیا۔

''ہاں شایان ادھر بہت بچے اغواء ہو رہے ہیں، اغواء کار دن دہاڑے ماں باپ کی گود سے بچہ اچک کر لے جاتے ہیں، ہمارے میکے کے گرد ونواح میں ایسے دو تین واقع ہو چکے ہیں۔'' ہم نے بوجھل انداز میں گہری سانس خارج کی۔

''کرن چوری، کرن چوری۔'' اسی پل میٹھو جھولا جھولتے ہوئے شور مچانے لگا۔

''کرن تمہارا میٹھو تک تمہاری عزت نہیں کرتا۔'' وہ ہنس پڑے ہم نے گھبرا کر اک نظر ہوا کے زور سے ٹوٹ کر دالان کے اس پار آنگن میں گرتے کچنار کے کاسنی وسفید پھولوں کو دیکھا اور لگے شایان کو وضاحتیں دینے۔

فضا میں کچنار کی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی، جو ہوا کے جھونکوں کا ہاتھ تھامے دالان میں آ کر ہم سے ٹکراتی تھی۔

''ناں تم مبالغہ آمیزی سے کام لے رہی ہو میٹھو کرن چوڑی کہہ رہا ہے تم نے بتایا نہیں کبھی تمہارا نک نیم چوڑی ہے۔'' اف ہم سر پیٹ کر رہ گئے تھے۔

بڑے بھیا کے کندھا ہلانے پر ہم چونک گئے، افوہ ہمیشہ کی طرح ہم پھر سے خیالوں کے سفر پر نکل پڑے تھے، ہم تو بڑے بھیا کی شادی میں شایان کو وطن واپس بلانے کی مہم کے لئے نکلے تھے ساتھ میں میکے کی پلٹن کو لے لیا کہ شایان پر ذرا رعب پڑے گا وہ انکار نہیں کر پائیں گے۔

لیکن مسلسل دو دن سے میکے میں اپنے قیام کے دوران صبح وشام شوہر صاحب پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جس کو ناکام ہمارے اپنے ہی بنا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

دیتے تھے۔

شایان چھوٹے بھیا، عارب اور انا سے باتوں میں مگن تھے اور ہماری عدم توجہی کا ذرہ بھر جو نوٹس لیا ہو، ہم بے وجہ کڑھنے لگے۔

"بری بات وہ شرمیلے ہیں کرن بیٹا تمہاری طرح سب کے سامنے اور کیا بات کریں گے۔" دل نے ہولے سے ہمیں بچکارا، ہم بہل گئے اور مسکرانے لگے۔

"پردیسیوں سے نہ اکھیاں لڑانا۔" بڑے بھیا کو ہمیں دیکھ کر ہمیشہ پردیسیوں والے گانے ہی یاد آتے تھے، لائٹ جا چکی تھی، اسکائپ پر میاں جی سے ان سب کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

انا نے اٹھ کر ٹی وی لاؤنج کی گلاس ونڈوز سے پردے ہٹا دیئے کمرے میں اے سی کی خنکی بدرجہ اتم موجود تھی اور پردے ہٹاتے ہی گلاس ونڈوز سے پیچھے دکھائی دیتے سرسبز گھاس، بلند و بالا اشجار اور رنگ برنگ پھولوں سے سجے لان کا منظر بے حد خوشگوایت لئے ہوئے تھا۔

"بھیا آپ کی نصیحتیں بے کار ہیں اب پانی سر سے گزر چکا ہے، اکھیاں تو لڑ چکی ہیں۔" بڑی دیر کر دی مہرباں یہ گانا گاتے گاتے، چھوٹے بھیا شرارت سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئے اور لمحہ بھر کے توقف سے کسی نہ معلوم شاعر کے خوبصورت سے مصرعہ کا اپنے انداز میں بیڑہ غرق کر دیا۔

دونوں بھائیوں کی چھیڑ چھاڑ پر ہم نے شرمیلی سی مسکان لبوں پر سجالی۔

"یار کیا خیال ہے اب اسٹینڈ لے لینا چاہیے، شایان کے خلاف آخر وہ کیوں اتنی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے، ہماری بہنا نے کتنا کہا تھا پردیسی جانا نہیں، لیکن وہ گیا اور اب ہم سب یہ پوچھے رہتے ہیں گھر کب آؤ گے، کہو کب آؤ گے۔"

"لیکن آغا جی اور امو جان کہتے ہیں کہ بیچ میں پڑنے سے معاملہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہے۔" انا نے مدبرانہ انداز میں بیان جاری کیا۔

"مگر کرن بھی تو کب تک چپ بیٹھی اب تو کچھ بول ناں۔" چھوٹے بھیا جھنجلا گئے۔

"بول کہ لب آزاد ہیں تیرے۔" عارب نے لقمہ دیا۔

"دل کا سکون ہے اعتبار، دل کی تڑپ ہے یہ انتظار۔" بالآخر ہم نے سکون توڑا، ہائیں غالباً ہماری آواز میں سر پیدا ہو گیا تھا جس نے ماحول پر فسوں طاری کیا اور اب وہ سب بت بنے ہمیں ملاحظہ کر رہے تھے۔

"کہیں پل پل شایان بھائی کے دل کے پاس کوئی میم شیم تو نہیں رہتی۔" انا نے حیرت کے الیکٹرک شاک (جو ہماری آواز سن کر لگا تھا) سے سنبھل کر تحریک میں آتے ہی چھاپھے کٹنیوں کی مانند ہمارے دل میں میاں جی کے خلاف زہر بھرنا چاہا۔

"اللہ نہ کرے آہوں جی اللہ نہ کرے۔" ہم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے لگے ہاتھوں فٹے منہ بھی کہہ دیا۔

اسی لمحہ ہم نے گلاس ونڈو کھول دی اور سرمئی شام کو لان کی منڈیروں پر اترتے دیکھنے لگے۔

"اللہ کرے شایان کو وہ ہتھوڑا کبھی نہ ملے، جس سے وہ ہماری بہنا کا بھروسہ توڑ سکے۔" بڑے بھیا کی با آواز بلند دعا پر سب نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

"تقدیر بدلتی ہے دعاؤں کے اثر سے۔"

اسی پل امو جان چائے کے لوازمات کی ٹرالی دھکیلتی اندر داخل ہوئیں اور ٹکڑا لگایا۔

"پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔" امو جان نے ہمیں گلے لگا کر دلاسہ دیا تو ہم ان کی

اوٹ میں چھپ کر لان میں ایستادہ پیڑوں کی ہری بھری اور کہیں کہیں سے برہنہ شاخوں کو دیکھنے لگے جو ہوا کی حرکت سے پتوں سے درجہ بد درجہ محروم ہوتی جا رہی تھیں اور ہر موسم خزاں میں ہرے بھرے درخت ٹنڈ منڈ شکل اختیار کر جاتے خیر ہم بھی ناں آپ کو علامہ اقبال کہ زبان زد عام مصرعہ کی تشریح سمجھانے بیٹھ گئے، آپ خود ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں، چھوڑیئے، جانے دیجئے۔

''کیا سسرال، ارے نہیں، سسرال ہی تو نہیں جانے دیا جا رہا ہمیں، عارب نے مزید دو دن کی بیماری کی درخواست سسرال ارسال کی تھی جسے رد کر دیا گیا، کیونکہ ہم نے فون پر سچ اگل دیا تھا (کہ سچ میں برکت ہوتی ہے)۔'' ساسو ماں وہ بڑے بھیا کی شادی کی تیاریاں کرنی ہیں اس لئے ہم ذرا دو دن (حالانکہ دو دن میں تو تیاریوں کی، داڑھ تک گیلی نہیں ہو سکتی) اور رکنا چاہ رہے تھے۔

''اچھا میں سمجھی تمہیں کل رات سے بخار ہے اس لئے آج سسرال حاضر نہیں ہو سکتیں۔''

''وہ ساسو ماں عارب بچہ ہے جانے دیں۔'' ان کے تیکھے انداز پر ہم ندامت کے بحر میں غرق ہو گئے۔

''لیکن تم فوراً آؤ دو دن کے کھانے پکا کر جو تم فریز کر گئیں تھیں وہ ہمیں ہضم ہو گئے دونوں بڑی بہوئیں بمعہ اہل وہ اعیال اور باقی ہم تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں اور ہاں۔''

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے

گفتگو کے آخر میں انہوں نے شعر نہیں سنایا بلکہ تڑی لگائی تھی، کہ رات میں ہوئی موسلا دھار بارش کی بدولت ان کی سائیڈ پر جگہ جگہ پانی کھڑا تھا اور کیچڑ کے بیچ میں بڑے بڑے پتھر اور اینٹیں رکھ کر راہ گیروں کے لئے راستہ بنایا گیا تھا، گھر جاتے سے ہمیں شعر کا مفہوم پوری جزئیات کے ساتھ سمجھ میں آ گیا تھا۔

''اپیا اب سچ میں برکت نہیں ہوتی، پرانے وقتوں میں سچ میں اماں برکتے تھی جو اس وقت کی الہڑ جوان دوشیزہ ہوا کرتی تھی اور ہر کوئی سچ بولتا تھا اسے راستوں میں برکت مل جاتی تھی، مگر اب وہ مر کھپ گئی اور ہمیں پھنسا گئی۔''

''ہائیں مگر ہم نے تو سنا کہ راہوں میں پچھل پیریاں ملا کرتی تھیں، پرانے وقتوں میں مسافروں کو۔''

اور ہم پھنسے نہیں ہیں اگلی گلی کی حالت زار بہتر ہے وہاں کیچڑ اور پانی نہیں کھڑا ہو گا، ہم میکے سے سسرال کی بیس منٹ کی پیدل مسافت کے دوران سچ میں بوکھلاہٹ کا شکار تھے، کیونکہ عارب ہمیں بائیک پر چھوڑنے کی بجائے پیدل لے کر آیا تھا اور ہمیں پتھروں اور کیچڑ میں چلنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور اسے اپنی بائیک سے بہت پیار تھا۔

''بڑے لوگوں کی باتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں عارب۔'' سچ میں واقعی برکت ہوتی ہے، اس کی پھر سے سچ میں برکت نہیں، اماں برکتے کی گردان پر ہم نے اسے سمجھایا۔

''دفع کریں برکت کو، کہکشاں مل جائے تو بات بن جائے۔'' وہ یکدم خوش ہو گیا۔

''مگر ساسو ماں نے بتایا ناں کہ کہکشاں کہیں نہیں ہے۔''

''ان کی نظر کمزور ہے انہیں کہاں دکھائی دے گی، ہم اب اگلی گلی میں داخل ہو چکے تھے، دھوپ آہستہ روی سے گلیوں اور مکانوں پر اتر رہی تھی، فضا میں ابھی صبح کی تازگی اور خوشگواریت موجود تھی، کھمبے کی تاروں اور مکانوں

کی منڈیروں پر چڑیاں چوں چوں اور فضا میں کوے کائیں کائیں کرتے پھر رہے تھے۔"

عارب کی اٹ پٹانگ باتوں پر ہم ہنس پڑے۔

"یہ تمہاری کہکشاں کہیں اماں برکتے کی ہم عمر نہ نکل آئے کیونکہ ساسو ماں کا سنایا گیا یہ شعر بھی خاصے پرانے وقتوں کا ہے۔"

"ہائے اللہ نہیں۔" اس کی گھبراہٹ پر خوشگواریت سے چلتی ہوا ہولے سے کھلکھلا اٹھی۔

"کرن" ساسو ماں کی پکار پر ہم نے ڈائری کے اوراق پر پن یونہی کھلا چھوڑا اور بوتل کے جن کی مانند ان کے حکم کی تعمیل میں لگ گئے، انہیں پانی پلا کر واپس سٹڈی روم میں آئے، باہر رات گہری ہونے کا احساس ہوا تو گہری سانس بھر کر پن کا ڈھکن بند کیا اور ڈائری وارڈ راب میں رکھ کر آنکھوں کے آگے کھڑی نیند کی خوبصورت پری (جو شایان کی یادیں لے کر آئی تھی) کو خوش آمدید کہتے بستر کی اور بڑھے۔

☆☆☆

گزشتہ دو گھنٹوں سے ہم رونے دھونے کا شغل فرما رہے تھے، دماغ کے پردوں پر نجانے کون کون سے شعر، غزلیں، نظمیں ابھرتی، ڈوبتی، آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ شاعری کا موڈ ہو رہا تھا ہمارا اور ہم اپنے روم کی سسکتی فضا میں کوئی مشاعرے کا اہتمام کرنے والے تھے، جس میں ہماری ساسو ماں (جو شاعری کا شغف رکھنے کے باوجود ذرہ بھی نازک خیالات کی نہ تھیں) نے مہمان خصوصی کا کردار ادا کرنا تھا اور ہم نے ان کے آگے رو رو کر اپنے حسب حال شعر سنانے تھے۔

ان کے سامنے تو ہم نے رو رو کر پوری روداد کہہ سنائی تھی، کہ گزشتہ دو گھنٹے پہلے تو ہم نے رونے کا آغاز انہی کے کمرے سے کیا تھا، دونوں جیٹھانیاں بمعہ اہل و اعیال اپنے میکے سدھاری ہوئی تھیں، آپا بی کے بچے اپنے پاپا کے ساتھ آؤٹنگ پر تھے، لہٰذا راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، اس لئے شایان سے گفتگو ہو گئی۔

مگر اس دو گھڑی کی گفتگو نے عمر بھر کا روگ دے دیا، ہائے کیا بتائیں، باقی معاملات ساسو ماں اور آپا جی کے ہینڈ اوور (سپرد) کر کے ہم ان دونوں سے ڈھیروں دلاسے لے کر اپنے کمرے میں آ کر روئے جا رہے تھے۔

ہمارے کمرے کی جالی دار کھڑکیاں نیلگوں آسمان پر تاحد نگاہ پھیلے گہرے سرمئی بادلوں اور خوشگوار سی چلتی ہوا کی بدولت آپا بی نے دوپہر میں کھول دی تھیں۔

اب جو ہمارے نینوں کو بارشیں لگی تھیں تب ہی بادل برس پڑے تھے، بین تو آپا بی اور ساسو ماں نے بھی ہمیں آج کلیجے سے لگا کے ڈالے تھے ان کے جناتی قسم کے واویلے اور بھاری بھرکم پاٹ دار آوازوں کی بدولت ہم تو لرزے جو لرزے ساسو ماں کے بیڈ روم میں بیڈ کے دائیں بائیں سائیڈ ٹیبل پر رکھے شو پیس سمیت شوکیس میں سجے کتنے ڈیکوریشن پیسز نے جام شہادت نوش کر لیا تھا۔

اور ہم نے رونا دھونا بھول کر جھاڑو اٹھائے صفائی میں جت گئے اور اپنی آہ و بکا کے نتیجے میں ایسا تہلکہ مچا دیکھ کر ساسو ماں اور آپا بی نے فوراً منہ میں گڑ ڈالا (جو ہم بھاگ کر کچن سے لائے تھے، سمارٹ جو ٹھہرے) اور چپ کا روزہ رکھ لیا، ہمارے لبوں سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ٹھنڈی برفیلی آہیں نکل رہی تھیں، جو گھر کی سونی فضا میں مخل ہونے کا باعث بن رہی تھیں۔

"ہائے ہائے کرن اف ستم یہ کیا ہو گیا، حد ہو گئی شایان میرا بچہ بے وفا ہو گیا۔" ساسو ماں کا

کہا گیا فقرہ ہمارے ذہن میں گونجا (چونکہ آنسو ہمارے خشک ہو رہے تھے لہٰذا اشکوں کی گاڑی چلانے کے لئے دکھی جملوں کا ایندھن ضرور ہی تھا)۔

''ہائے میرا بھائی ایسا نہیں تھا، کتے کی مانند وفادار تھا، ضرور کسی کی بری صحبت کا اثر پڑا ہے۔''

آپا بی کی سسکاری یاد آئی جس کو سماعت کے دوران ہم روتے روتے ہڑبڑا گئے تھے ''لفظ کتے'' پر ہمارا سانس ہی اٹک گیا کہ اب بچارے جانور کی کتنی تذلیل کریں گی (جانوروں پرندوں سے ہمیں بچپن سے ہی بہت پیار ہے ان کے لئے کسی قسم کی زیادتی یا نازیبا الفاظ برداشت نہیں ہوتے ناں) صد شکر کہ خیر ہوگئی۔

''کیسی ہے میری جان۔'' شایان کا مدہم لہجہ کہیں قریب ہی گونجا تھا، باہر بادل زور سے گرجے بارش نے اور زور پکڑ لیا ہم نے درد سے کراہتے ہوئے کروٹ بدلی اور کشن میں سر دے کر سسکے۔

''جان آپ کی ہے تو آپ کو ہی پتا ہوگا ناں کہ آپ کیسے ہیں۔'' (ہر انسان کی جان اس کے جسم میں ہوتی ہے اتنا تو ہمیں بھی پتا ہی تھا، شایان کا دماغ ہی خراب ہوگیا تھا شاید الٹا ہم سے پوچھ رہے تھے جیسے ہم چوبیس گھنٹے ان کے اردگرد ہی تو منڈلاتے ہیں) ہم نے اک نظر دائیں بائیں کراماً کاتبین کی مانند ہمارے کندھوں پر تقریباً سوار آپا بی اور ساسو ماں پر ڈالی (ان کے سر جتنے وزنی تھے ناں کراماً کاتبین کا دم بھی نکال دیا ہوگا انہوں نے) لیکن فرشتوں کو کچھ نہیں ہوتا مارے ہم انسان ہی جاتے ہیں، ہم ذرا کسمسائے مگر ناں جی ہم بری طرح سے ان دونوں کے بیچ سینڈوچ بنے پھنسے پڑے تھے، ہم نے اسکائپ پر دکھائی دیتے شایان کے خوبرو چہرے پر پیاسی نگاہیں مرکوز کر دیں اور اردگرد سے بیگانہ ہوگئے۔

ورنہ ہم اتنے بے شرم نہیں کہ انہیں یوں ٹکٹکی باندھ کر ملاحظہ کرتے جس طرح درد سے نجات کا فوری حل دو گولی ڈسپرین بالکل اسی مانند شایان کی ایک جھلک نے ہمارے ناتواں کاندھوں پر پڑے درد دیلے وزن سے ہمیں آزاد کر دیا تھا، غافل والا آزاد آزادی والا نہیں۔

''تو اپنی جان سے ہی تو پوچھ رہا ہوں۔''

''تو ہمارے سامنے کیوں پوچھ رہا ہے،'' ساسو ماں نے بیان دیا (ورنہ تو جواب دینے کی باری ہماری تھی خیر)۔''

''بات دل و جان تک آ گئی اور ہم بے خبر رہے۔'' آپا بی نے لتاڑا، ہم چونک گئے یہ ہماری ناک کے نیچے یہ لوگ کیا ''کوڈ ورڈ'' میں گفتگو فرما رہے تھے۔

''کس کا دل اور کس کی جان۔'' ہم نے فٹ سوال داغا۔

''بے غیرت تجھے ہمارے سامنے جان کہہ رہا ہے۔'' آپا بی نے جلے کٹے لہجے میں بلی کو تھیلے سے باہر نکال دیا۔

''ہائیں۔'' ہم اچھل پڑے۔

''یہ فاؤل ہے،، ہم بہت شریف ہیں آپا بی شایان ہمیشہ بہت شرافت سے رہے ہیں ہمارے ساتھ۔''

''ایسی باتیں ہم نے کسی نے نہیں کیں کبھی (اے کاش یہ کرتے)۔'' ہم بوکھلا کر وضاحتیں دیئے جا رہے تھے، لگے ہاتھوں دل میں اٹھتی عجیب و غریب خواہشوں کو دکھ کے غلاف میں چھپاتے جا رہے تھے جو ہماری ڈائری کے اوراق سے نکل کر ہمارے اندر سر اٹھاتی جا رہی تھیں۔

''تم میری شکایتیں لگا رہی ہو۔''

''اف میرے خدایا!'' شایان کی اس بات پر ہماری پیشانی عرق آلود ہوگئی اور ہمیں اپنی نانی یاد آ گئیں جو پانچ سال پہلے رحلت فرما گئی تھیں۔

''بے شرم، بے غیرت، حیا اٹھ گئی ہے جہاں سے۔'' آپا بی نے گال پیٹ ڈالے۔

''آپا میں آپ کے بچوں کی بات کر رہا تھا، کیسی ہے میری جان۔''

''شہروز اور بازل ٹھیک ہیں بالکل، ذرا گئے ہیں اپنے پاپا کے ساتھ عید کے لئے جانوروں کی خریداری کرنے۔'' ساسو ماں اور آپا بی چہک کر باتیں بنانے لگیں، ہم نے سکون بھری سانس خارج کی ورنہ تو ہم ڈر گئے تھے شایان کو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا، ہم بھلا ان کی جان کیسے ہو سکتے تھے ان کو تو ہم سے محبت بھی نہیں تھی، ہمیں شریف لڑکی ہونے کے باوجود نجانے کیسے شادی کے بعد ہی ان سے محبت ہونے لگی جواب عشق کا روپ اختیار کر چکی تھی، ورنہ تو ہم نے کبھی کسی سے محبت کرنا تو دور نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا، ہاں منگنی کے بعد کئی بار چپکے سے اک آدھ نگاہ شایان کی شو کیس میں امو جان کے جہیز کے ٹی سیٹ کی ٹرے کے پیچھے رکھی شایان کی تصویر ضرور دھڑکتے دل کے ساتھ نکال کر دیکھی تھی بلکہ تصویر ہاتھ میں پکڑتے ہی ہاتھ لرزنے لگتے تھے تو ہم گھبرا کر واپس رکھ دیتے۔

''ہمیں تو عشق نے نکما کر دیا ہے آپا دل چاہتا ہے بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے۔''

شایان یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں یہ جاناں کون ہے، کہاں ملی، کب عشق ہوا؟ صدمے کے باعث ہماری آواز نہیں نکل رہی تھی، آپا بی کی کسی بات کے جواب میں انہوں نے چچا غالب کے مصرعوں کی جو ٹانگیں توڑیں ان میں جاناں کا وجود ڈھا کر کے دل پر لگا۔

کتنی حسرت تھی شایان کبھی ہمارے لئے کوئی ایسی بات کہیں مگر ناں جی ناں شادی کے بعد سے اب تک کے ساڑھے تین سال روکھے پھیکے ہی گزرے اور آج ان کے لبوں سے کسی اور کے لئے اظہار محبت سن کر ہم جان سے گزرنے والے ہو گئے۔

''محبت کبھی میں نے کی تو نہیں تھی کسی کی نگاہوں سے پی تو نہیں تھی، مگر یہ اچانک ہوا۔''

''ہائے اللہ، میں مرگئی۔'' آپا بی کے سفید جھوٹ پر ہم نے برستی آنکھوں سے انہیں دیکھا، اچھی بھلی ہٹی کٹی براجمان تھیں ہمارے پہلو میں، مگر خیر بقیہ گفتگو میں آپا بی اور ساسو ماں نے رونا پیٹنا مچا کر شایان کو فوراً وطن واپسی کا حکم نامہ جاری کیا، جس پر ہمارے دل نے بلیوں کی طرح اچھلنے کی کوشش کی لیکن ایک تو ہم نے اسے دکھ غم درد بھرے انداز سے مان بھروسے کی ٹوٹی کرچیوں کے سنگ ڈپٹ دیا اور دوسرا جس طرح ہم سینڈوچ بنے ہوئے تھے ماں بیٹی کے درمیان ہمارا ہلنا قطعی ناممکن تھا اور اس کے چند لمحوں بعد بے ہوش ہم دم گھٹنے کی بدولت ہوئے، بے وفائی کے صدمے سے نہیں، کہ ساسو ماں اور آپا بی شایان کو ایک سو اسی میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہاتھ نچا نچا کر جو کوسنے دے رہی تھیں، ہمیں بس اللہ نے بچا لیا نجانے کیوں، ورنہ اس دھکم پیل میں ہمارا تو بھرکس نکل گیا۔

''ارے کرن کو کیا ہوا کوئی پانی لاؤ، اسے ہوش دلاؤ۔''

سات سمندر پار بیٹھے شایان کے انداز میں ہمارے لئے واضح فکر مندی کے آثار موجود تھے، چونکہ ہم بے ہوش تھے تو ان سب کی آوازیں دور کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''میں اس بڑھاپے میں کہاں اپنے تھل تھل

کرتے وجود کو لئے پانی کے لئے خوار ہوتی پھروں۔" ساسو ماں نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔

"اب میں کرن کی طرح سمارٹ تو ہوں نہیں کہ دوڑ کر کچن میں پانی لینے کے لئے جاؤں اب نکلوں گی تو کل شام تک کچن میں پہنچوں گی۔" آپا بی نے مبالغہ آمیزی کی حد کر دی، کچن ساسو ماں کے کمرے کے بغل میں ہی تو واقع تھا۔

"پھر واپسی میں ایک دن اور لگ جائے گا تب تک تو کرن جان سے گزر جائے گی۔" شایان نے جل کر ٹکڑا لگایا۔

"ہائے اللہ نہ کرے کم بخت مارے کیسی باتیں کر رہا ہے۔" ساسو ماں نے گھر کا۔

"کرن سمارٹ ہے تو کیا سارا دن ہر کام کے لئے کرن کی دوڑیں لگتی ہیں۔" شایان نے آپا بی کی اقوال زریں میں سے نقطہ اٹھایا۔

"ہاں تو اور کیا، اسے کچھ ہو گیا تو سارے گھر کا کام کون کرے گا نہیں اماں اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" آپا بی ہمیں جھنجھوڑتے ہوئے جذباتی ہو گئیں۔

"ہاں اپنا جوتا سونگھا دیتی ہوں۔" آپا بی نے آئیڈیا دیا، ساسو ماں نے جھٹ رضامندی کا اظہار کر دیا، شایان ناں ناں ہی کرتے رہ گئے، اس سے پہلے کہ آپا بی ہمیں جوتا سونگھاتیں، ہم اک دردناک چیخ کے ساتھ یکلخت ہوش میں آ گئے۔

"کرن مجھے آج علم ہوا ہے کہ تم نے میرے گھر والوں کی کسی قدر خدمتیں کی ہیں ورنہ تو۔"

"بے وفا۔" ہم شایان کا جملہ کاٹ کر بھرائے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوئے۔

"ہاں شایان کرن نے واقعی ہم سب کی بے لوث خدمتیں کی ہیں بنا ماتھے پر کوئی شکن ڈالے۔" ساسو ماں کے اعتراف پر ہمیں اور رونا آ گیا ہم اگر جو اور وہاں بیٹھتے تو ہمارا ہاسا (ہنسی) نکل جاتا، سو ہم فوراً منظر سے یوں غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ (اپنی تعریف کہاں ہضم ہوتی ہے ہم سے) آج تو انکشافات کا دن تھا، ہاں یہ اور بات کہ شایان کے انکشاف نے دل دہلایا تھا جبکہ ساسو ماں اور آپا بی کے انکشافات و اعتراف (جو کہ پہلے اعتراضات ہوتے تھے) نے چونکایا تھا، خیر مٹی ڈالیں، ہمیں کیا وہ تینوں جو بھی گٹ پٹ کریں سر جوڑے، ہم تو اپنی قسمت کو رو رہے تھے ناں، اپنے کمرے میں اور کمرے کی کھڑکی سے اس پار نظر آتے سفید سنگ مرمر سے مزین آنگن میں برستی بارش کی پھسلتی بوندیں ہمارا غم غلط کرنے میں مشغول تھیں۔

☆☆☆

اسی بھیگے ہوئے دن میں جب شام سفید ماربل سے بنے دو منزلہ گھر کی دہلیز سے ہوتی ہوئی پورچ کی مشرقی دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں ایستادہ آلو بخارا، فالسہ، انار کے پھلوں سے لدے پیڑوں کی قدرے جھکی ہوئی شاخوں پر اتری تو ہمارے میکے میں سرسبز گھاس والے شاداب سے لان میں کھلے گلاب و موتیا اور گل کاسنی کی کیاری سے ذرا پرے ٹاہلی کے درخت پر ہوا سے ہلتے خالی جھولے سے کچھ فاصلے پر اونگھتے کچنار، لیموں، آم کے پیڑوں کے عین مقابل نظر آتے دالان کے ایک جانب لوہے کی سلاخوں والے بڑے سے پنجرے میں مقید ہری رنگت اور سرخ چونچ والے طوطے نے شور مچا مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

''ہیلو کرن، ہائے میٹھو نے چوری کھائی ہے۔'' وہ گردان کیے جا رہا تھا اور ہم ہنستے ہوئے آغا جی امو جان اور سب اہلخانہ سے مل رہے تھے۔

ہوا یوں تھا کہ اسی شام ساسو ماں نے ازخود ہمیں لمبی چھٹی پر میکے روانہ کر دیا تھا، کہاں تو امو جان عارب اور انا کے لاکھ کہنے پر بھی ایک دن کے لئے نہ جانے دیا اور بڑے بھیا کی شادی کی تیاریاں ہمارے بغیر ہی انجام پا رہی تھیں اور کہاں شام میں اتنے پیار سے آپا بی اور ساسو ماں ازخود ہمارا بیگ تیار کر رہی تھیں اور ہم حیرت سے بت بنے کھڑے تھے حیرانی تھمتی تو ندامت و پریشانی سے کچھ استفسار کرتے یا خوشی کا اظہار کرتے۔

''ساسو ماں! ہم ان لڑکیوں میں سے نہیں ہیں جو شوہر سے جھگڑ کر میکے روانہ ہو جائیں، یہ ہمارا گھر ہے ہم یہیں رہیں گے۔'' سہ پہر میں رونے کی بدولت آواز قدرے بھاری اور بجھی ہوئی تھی۔

''ہمیں پتا ہے چندا؟'' (ہائیں ہم اور چندا) ہم نے انہیں سات توپوں کی سلامی دی اس طرز تخاطب پر۔

''اب کبھی تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی، شایان کی بے وفائی اور بے حسی (کس کس معاملے میں) نے آج ہماری آنکھیں بھی کھول دی ہیں اور ہمیں وہ سب نظر آنے لگا ہے جو پہلے نظر نہیں آتا تھا (یہ کیا بات ہوئی بھلا کچھ پلے نہیں پڑا)۔''

''ہمیں معاف کر دو۔'' دونوں نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

''ارے رے رے۔'' ہم نادم ہو گئے نجانے کس بات (یا کس کس بات) کی معافیاں مانگی جا رہی تھیں خیر، گولی مارو۔

''ناں ان دونوں کو نہیں سب گزری باتوں کو۔''

''عید کے تیسرے دن تمہارے بڑے بھیا کی شادی ہے اور تم یہاں سسرال کے کام دھندوں میں الجھی ہوئی ہو، پتا بھی ہے عید آنے میں فقط ایک ہفتہ باقی ہے۔''

''جاؤ شاباش میکے میں بے فکر ہو کے بھائی کی شادی کی تیاریاں کرو ہلہ گلہ مچاؤ۔'' آپا بی نے لمحہ بھر کے توقف سے ساسو ماں کی کہی بات میں ٹکڑا لگایا تھا۔

''اور ادھر کے کام، تو آج سے ہر کوئی اپنا کام خود کرے گا سوائے میرے پھر ملازمہ سے کروائے گا اور رہا شایان تو اسے میں بہت جلد واپس بلوا کے رہوں گی، بہت ہو گئے بے حسی کے مظاہرے۔'' ساسو ماں نے کسی وزیراعظم کے انداز میں تقریر جھاڑی اور ہم عش عش کر اٹھے جبکہ آپا بی (کرنے پڑیں گے اپنے اپنے کام) پر غش کھا کے رہ گئیں۔

☆☆☆

وہ بے وفا ہی سہی آؤ اس کا ذکر کریں
ابھی تو عمر پڑی ہے اسے بھلانے کے لئے

جو صدمہ ہم اپنی تن تنہا ذات پر جھیل رہے تھے سب گھر والوں سے پنہاں رکھا تھا یوں بھی شادی والا گھر تھا، لاکھوں مصروفیات پھر عید کی تیاریاں جن میں ہماری ذات کے سوا باقی سب لوگوں کی تیاریاں شامل تھیں، اس سب کے باوجود نجانے کیوں ہر بات پر منہ سے شایان کا نام ان کا ذکر ہی نکلتا تھا، وہ سب بھی تو پوچھ پوچھ کر ہمارا ناک میں دم کیے رکھتے۔

''شایان کب آئے گا؟ شایان بھائی کب آ رہے ہیں، ٹارزن کی واپسی کب تک متوقع

ہے؟'' چونکہ گھر عزیزوں رشتے داروں سے بھرا رہتا تھا روزانہ ڈھولک پر شادی کے گیت، ٹپے، ماہیے گائے جاتے، بڑے بھیا کو تو منہ پر رومال رکھ کر شرمانے کی اداکاری کرنے سے فرصت نہیں ملتی تھی، ان کے علاوہ سبھی شایان کے متعلق استفسار کرتے تھے اور ہم جواب دینے میں ہلکان۔

شایان کی کالز تواتر سے آ رہی تھیں مگر ہم کان لپیٹے پڑے رہتے، ہاں ایک میسج ضرور کیا تھا ہم نے، اگر آپ کو ہماری ذرا بھر پرواہ ہے تو لوٹ آئیں، یہ تو ہم آپ کو اپنے معنوں میں تشریح سنا رہے ہیں ورنہ تو ہم نے احمد فراز کی رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ، (آ کے بھی تو انہوں نے کون سا کوئی تیز مار لینا تھا دل ہی دکھانا تھا ناں)

اور قتیل شفائی کی ''کیا تھا پیار جسے ہم نے زندگی کی طرح'' لکھ بھیجی تھیں اور موبائل آف کر دیا۔

چاند دیکھا ہے تو یاد آئی ہے صورت تیری
ہاتھ اٹھے ہیں مگر حرف دعا یاد نہیں

سامنے ہی لان میں کھلتی گلاس ونڈو سے دکھائی دیتے ستاروں سے بھرے آسمان پر ایک جانب بادل کی اوٹ سے دس ذوالج کا ماہتاب ہمیں دیکھ کر مسکرایا تھا، آج چاند رات تھی قربانی کے جانور گزشتہ دن آئے تھے، ایک اونٹ دو بکرے ایک سیاہ، دوسرا سفید، عارب، چھوٹے بھیا اور بڑے بھیا جانوروں کو گھمانے باہر نکلے ہوئے تھے، امو جان اور انا کچن میں مصروف تھیں، مابدولت اپنے کمرے میں جبکہ رشتہ دار عزیز و اقارب چاند رات کی بدولت اپنے گھروں میں مشغول تھے، آج ڈھولک سوائے عارب اور بڑے بھیا کے کسی نے نہیں رکھی، ہمارا تو ویسے ہی تالیاں پیٹ پیٹ کر اور ویر میرا گھوڑی چڑھیا، گا گا کر ہاتھ اور گلہ دونوں کا برا حال تھا (درد سے) ہماری بچپن کی سہیلی ہماری چچا زاد کزن ہماری بھابی بن کر دو دن بعد اس گھر کو پیاری ہونے والی تھی۔

سب خوش تھے سوائے کم بخت ہمارے دل کے، ارے ہمیں ہونے والی بھابھی سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی، دراصل بقول شاعر۔

اک دل ہی تھا جس سے کبھی نہ بن سکی میری
باقی تو سب عزیز میرے ہم خیال تھے

وہ تو شایان بے وفا کی بدولت لاکھ وہ کج رو سہی مگر نجانے کیوں ہر آہٹ پر انہی کے آنے کا گمان ہوتا تھا، شاید اس کے پیچھے ساسو ماں کے دیئے گئے دلاسے کا اثر تھا جو انہوں نے امو جان کو دیئے چند دن قبل سسرالی پلٹن ادھر صفایا کر کے گئی تھی ناں جب انہوں نے بتایا کہ شایان اس عید پر آ رہے ہیں۔

ورنہ تو ہم نے اس عید کے لئے گزشتہ عیدوں کی مانند یہ شعر از سر نو خوب یاد کیا تھا، جو عید کے پرمسرت لمحات میں دل کے نہاں خانوں میں چکراتا بظاہر ہنساتا اندر سے رلاتا۔

یہ اچھا ہوا عید اب کے بھی تنہا گزری
میں گلے لگ کے بہت روتی جو آپ آ جاتے

چلو اب کی بار بچت ہو گئی ہماری توانائی (جو عید کے موقع پر خوب خرچ ہوتی تھی، جل کڑھ کر) لیکن شاید توانائی تو اس بار بھی ضائع ہونے والی تھی کہ چاند رات سر پر آ پہنچی تھی، ہم نے بے دلی سے بری کے سوٹوں میں سے ایک سوٹ نسبتاً ہلکا (جس میں موسم کی شدت اثر انداز نہ ہو) منتخب کیا تھا۔

گو کہ موسم ستمبر کے آغاز سے ہی بدل رہا تھا، تواتر سے ہونے والی بارشوں کی بدولت فضا

میں خوشگواریت تھی، نہ گرمی کا احساس تھا نہ خنکی کا جیسے بہار رت ہوتی ہے لیکن ابھی بہاروں کے قافلے بہت دور تھے۔

ہوا کا خوشگوار سا جھونکا ہمیں چھو کر گزرا تو ہم چونک کر حال میں لوٹ آئے ہم پھر سے خیالوں کے سفر پر نکلے ہوئے تھے، ہم نے چاند دیکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے مگر ہمارے آنسو نکل آئے کہ عید کا چاند دیکھ کر آنکھوں میں چبھن کا احساس دو چند ہو گیا تھا۔

چبھن جو ہمیں کسی کل چین نہ لینے دے رہی تھی، ہم اپنے کمرے میں جلے پیر کی بلی کی مانند چکرانے لگے۔

باہر لان میں درختوں کے تنوں اور شاخوں پر چھوٹی چھوٹی رنگ برنگے جگنوؤں کی قطاریں جیسی لائیٹیں لگائی گئی تھیں، جبکہ کمرے میں ملگجا اندھیرا تھا ہم وجود کی جلن سے چبھن سے بے حال ہوتے مڑنے ہی والے تھے کہ کہیں بہت قریب سے شایان کی آواز ابھری۔

''کرن!'' ہم سن کھڑے رہے، الوژن یوں ہی ہمیں تنگ کرتے تھے۔

''ہم بے وفا ہرگز نہ تھے، پر ہم وفا کر نہ سکے۔'' کسی نے ہمیں کندھوں سے تھام کر اپنی طرف گھما ڈالا ہماری بے ساختہ چیخ نکل گئی یہ الوژن ہرگز نہیں تھا شایان بذات خود موجود تھے اور اس کے بعد چیخنے کی باری ان کی تھی یہی نہیں بلکہ وہ بری طرح سے چیختے، خوفزدہ انداز میں الٹے قدموں واپس ہو رہے تھے اور ہم ایک ایک قدم ان کی اور حیرانی سے اور استعجابیہ انداز میں۔

اسی لمحہ کمرے کی لائٹ آن ہوئی آن کی آن میں پورا گھر وہاں آ موجود ہوا تھا اب وہ سب شایان کے ساتھ مل کر چیخ رہے تھے جبکہ ہم ناسمجھی سے انہیں ملاحظہ کر رہے تھے۔

اسی اثناء میں ہماری نگاہ سامنے آئینے پر پڑی تو ہم خود بھی ڈر گئے ادھر تو ہمارے بجائے کوئی بھتنی نہیں سفید بھتنی کہ ہم نے چہرے گردن اور بازوؤں پر دل کھول کر بلیچ کریم لگائی ہوئی تھی، اسی لئے تو اتنی دیر سے ہم چبھن اور جلن برداشت کر رہے تھے (بھئی گورے ہونے کے لئے پندرہ منٹ میں)

اب منہ چھپانے کی باری ہماری تھی، ہم فوراً واش روم کی سمت لپکے۔

کیا کیا نہیں سوچا تھا کہ چلو جب وہ واپس آئیں گے تو آخری سین تو کچھ رومینٹک ہو جائے گا مگر وہی پھوٹی قسمت، ساڑھے تین سال دس دن دو منٹ اور ایک سیکنڈ بعد ان سے ملاقات ہوئی تو کس حالت میں۔

''تم بتا نہیں سکتیں تھیں۔'' ہم انا پر چڑھ دوڑے۔

''آپ کو سرپرائز دینا تھا شایان بھائی نے منع کیا تھا ورنہ اس سے روزانہ ہم لوگوں کی فون پر بات ہو رہی تھی۔'' انا نے ہمارے سر پر ایک اور بم پھوڑا تھا۔

☆☆☆

تیرے سنگ یار خوش رنگ بہاراں تو رات دیوانی میں زرد ستارہ

سڑکوں پہ چاند رات کی گہما گہمی اور شور تھا، ٹریفک کے درمیان سجے ہوئے جانور اونٹ، بکرے، گائیں، بھیڑیں، خراماں خراماں چہل قدمی فرما رہے تھے اور شایان نے ڈیک پہ یہ خوبصورت سا گانا (جو ہم نے پہلی بار ہی سنا) لگا دیا تھا، ہمارے دل کی دھڑکن یکلخت بڑھ گئی تھی، ہم نے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شایان پر ایک نگاہ ڈالنے کی جسارت کی، دل کی دھک دھک جب وجود پر لرزہ طاری کر دے تو ہمت کر کے

دشمن جاں کے مقابل نگاہ اٹھانا جرأت (وہ بھی عظیم الشان) نہیں تو اور کیا ہے۔

''تیرا ہو جاؤں تو کرے جو اشارہ۔'' وہ مغنی کے ساتھ گنگنائے پھر ہماری جانب دیکھا، اف ان کی نگاہ سے ہم بے طرح شرما گئے عارضوں پر شفق کی لالیاں اتر آئی تھیں، پلکیں بار حیا سے جھک گئی تھیں۔

شایان آغا جی اور امو جان کی اجازت سے ہمیں عید کی شاپنگ کروانے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

پچھلے ایک گھنٹے کے دوران تمام شاپنگ مکمل ہو گئی تھی انہوں نے جو کچھ پسند کیا ہم محض ہوں ہاں کرتے رہے تجربہ کہاں تھا ہمیں شاپنگ کا وہ بھی اتنے شاندار سے شخص کے ساتھ، اف خدایا ہم جو ان سے لڑنے کا سوچ ارادے باندھے بیٹھے تھے سب بھولتے جا رہے تھے، یاد تھا تو بس یہ شایان پہلے سے بڑھ کر ڈیشنگ ہو گئے ہیں، ہمارے درمیان گزشتہ کتنی دیر سے خاموشی حائل تھی (خوبصورت سی)

کتنی دلکش ہے اس کی خاموشی
ساری باتیں فضول ہوں جیسے

(لیکن یہ اس قدر لاتعلق اور خاموش کیوں ہیں کتنے عرصے بعد ملے ہیں اور اس طرح دل مسلسل سوال پر سوال داغ رہا تھا، جو ہم نے انہیں نہیں داغے ورنہ وہ اگر کہہ دیتے ''داغ تو اچھے ہوتے ہیں'' تو کیا ہوتا لیکن ساسو ماں ''داغ نکال دیں گی ایک ہی دھلائی میں'' ہم نے چشم تصور سے انہیں اور ساسو ماں کو دیکھا جو ان کی کلاس لے رہی تھیں

''ویسے ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔''

اچانک انہوں نے گاڑی نہر کنارے روک دی اور نہر کے اطراف میں لگ درختوں پر جگمگاتی روشنیوں کے عکس کو نہر کے پانی میں بنتے دیکھنے لگے۔

''کیا؟'' ہم نے ابرو اچکائے۔

''یہی کہ ہو تم کرن ہی کوئی بھتنی نہیں۔''

اف ان کی بات پر ہم جھینپ کر سڑک کے اطراف میں بہتی ٹریفک اور فٹ پاتھ پر کھلے گیندے، چنبیلی کے علاوہ کئی موسمی پھولوں کو ملاحظہ کرنے لگے۔

بکرے مٹک مٹک کر پیروں میں پہنی جھانجھروں سے چھن چھن کرتے جا رہے تھے۔

ہم نے اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھا جو خشک ہو چکی تھی، انا نے کھانا کھانے کے بعد جب باتوں کی محفل جمی تب اپنے فن کے جوہر تیزی سے دکھائے تھے۔

''بھتنی تو وہ ہو گی۔'' ہم نے ذرا بہادر ہو کر اعتماد سے جواب دینا مناسب سمجھا کہ ہم اکیلے ہر گز نہیں ہماری خدمتوں کے عوض ہمارے سسرالی ہمارے ساتھ تھے ہماری پارٹی مضبوط تھی۔

''کون؟'' انہوں نے چلتی ہوا سے اپنے بکھرے بال پھر سے سنوارے وہ آپ کی جاناں۔

اف ان کی بے ساختہ ہنسی اور بلند و بانگ قہقہے پر ہم حیرت سے انہیں دیکھنے لگے، (مرچیں چبانے کے بجائے یہ تو خوش ہو رہے ہیں ہائیں)

''واقعی ہاہاہا بالکل ٹھیک کہا وہ بھتنی ہی ہے میں نے خود اس کو اس کے اصل روپ میں دیکھا ہے۔'' اب کی بار وہ سنجیدہ ہو گئے۔

''کب کی بات ہے۔'' (ہائے بیچارے اس نے دھوکہ دے دیا تب ہی تو واپس لوٹ کر آئے ہیں یاد آ گئی لگتا ہے اس کی) ہم نے اک تاسف بھری نگاہ ان کی گہری آنکھوں میں ڈالی

اور بری طرح سٹپٹا گئے۔

''آج رات کی ابھی کی، پتا ہے وہ بھتنی وہ جاناں کون ہے؟''

''تم ہی تو ہو۔''

''اور ہماری جان کیسی ہے سے مراد کیا ہے۔''

''شہروز اور بازل۔'' ہماری زبان پھسلی۔

''نہیں تم ہی تو ہو۔'' انہوں نے ہمارا ہاتھ تھام لیا جس پر بنے ڈیزائن میں سے کہیں کہیں سے مہندی جھڑنے کی بدولت میرون رنگ جھانک رہا تھا۔

ان کے لمس کی حدت سے ہم لرز گئے اور موم بن کر بہنے لگے آنکھوں سے کتنے آنسو جو دل میں ان کی ذات سے وابستہ شکوؤں کی اوٹ میں دبکے سکتے تھے تڑپ کر باہر نکل آئے۔

''بس اتنا کہوں گا، میں تمہارا ہوں ہمیشہ سے اور تمہارا ہی رہوں گا، مجھ پر ہمیشہ یقین رکھنا میں تمہارا مان نہیں توڑوں گا، ہاں اس دن اک چھوٹی سی شوخی جو تمہاری آنکھوں کی ویرانیاں دیکھ کر سرزد ہوئی اور مجھے اماں اور آپا کے درمیان پھنسا دیا وطن واپس بلوالیا۔''

''جو ہوا بہت اچھا ہوا، ہم اب آپ کو کبھی نہیں جانے دیں گے۔''

''اور میں جاؤں گا بھی نہیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی تمہیں مزید بے وقوف بنائے یا زیادتی کرے تم پر۔''

''فی الحال تو گھر چلتے ہیں پھر رونا میں تمہیں گلے لگا کر چپ کرواؤں گا اور وعدہ ہے اب کوئی خواہش حسرت نہیں رہے گی تمہاری، میں وقتاً فوقتاً تمہاری ڈائری پڑھتا رہوں گا جیسے آج صبح اتفاقاً پڑھی جو تم بھولے سے سسرال میں ہی چھوڑ آئی تھیں۔''

شایان نان سٹاپ بول رہے تھے اور ہم کبھی حیرت سے انہیں دیکھتے کبھی حیاء سے چہرہ جھکاتے کبھی شرمندہ ہوتے ان کا شرارت سے بھرپور لب ولہجہ ہمارے حواس سلب کیے دے رہا تھا، ان کی آخری بات پر تو ہم چیخ پڑے۔

''کیا؟ آپ نے......او مائی گاڈ۔'' ہم نے سر تھام لیا تھا۔

شایان نے ہنستے ہوئے ہمارا ہاتھ تھام کر ہمیں فرنٹ سیٹ پر دھکیلا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ان کی شوخیوں پر گہری ہوتی چاندرات مسکرا رہی تھی، ہوا خوشی کے ترانے گنگنا رہی تھی، گاڑی اب گھر کو جانے والے راستوں پر گامزن تھی، ہم اسٹیئرنگ پر دھرے ان کے ہاتھ پر اپنا نازک سا مہندی سے سجا مخروطی انگلیوں والا ہاتھ رکھ کر پوری طمانیت سے مسکرائے تھے، جیون رستوں پر دور دور تک شایان کی ہمراہی کی بدولت مسرتیں، کھلکھلاہٹیں، پھیل گئی تھیں، ہم دھیرے سے گانے لگے۔

دیکھو کہ وہ چراغ جاں
ہم پر ہوا پھر مہرباں
ہم نے بھلا کس سے کہا
کرتے رہے عمر بھر
کس رہگزر کی جستجو
دیکھو کہ پھر صیقل ہوئے
شہر وفا کے آئینے
آئی رتوں کی آہٹیں
بیتے دنوں کے نقش پا
ہم نے بھلا کس سے کہا۔

☆☆☆

رشتوں سے دوری
ثوبیہ رفعت

اس کی آنکھیں برس رہی تھیں، وہ رو رہا تھا، کراہ رہا تھا، بلبلا رہا تھا، بے چینی کا جو سمندر اس کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ اسے کسی پل سکون نہیں لینے دے رہا تھا، اس سے جدائی اور صدمے کا خوف اس کے دل پر لرزہ طاری کر رہا تھا اس کی آنکھوں سے بہنے والا اشکوں کا سیلاب متواتر روانی کے ساتھ اس کے گال بھگو رہا تھا۔

''میں اسے کہاں ڈھونڈوں، کہاں تلاش کروں؟'' وہ سسکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔

''وہ مجھے اکیلا چھوڑ کے کہاں چلی گئی، میں اس بھری خود غرض دنیا میں تنہا رہ گیا ہوں۔'' اس کی آہیں ہنوز جاری تھیں۔

''اسے پتہ ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، پھر بھی وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔'' وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

''سب قصور ممی کا ہے، انہوں نے بہت غلط کیا، انہیں کیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

اس کا دکھ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا، وہ اس وقت ٹیرس پر کھڑا آنسو بہا رہا تھا جہاں اوپر ہوا میں کسی چیز کے اڑنے کی وجہ سے ارتعاش اور خلل سا تھا، فضا میں ایک خاص قسم کی بے سکونی رچی بسی تھی، سامنے والے گھر کے لان میں کوئی تھا جو گراس کٹر کی مدد سے گھاس کاٹ رہا تھا، وہ پیٹی کے آنسوؤں اور گریہ سے بے خبر اپنے کام میں مشغول تھا، پیٹی بھی سامنے موجود کشادہ وسیع لیکن سنسان گلی کو دیکھنے میں مصروف تھا، جہاں اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔

☆☆☆

بارش کے بعد کا موسم بہت خوشگوار تھا، ٹیرس پر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، موسم بہار کی رعنائی خوبصورت پھولوں کی خوشبو اور جگمگاہٹ اور لش گرین گھاس جو ہمیشہ سر سبز ہی رہتی تھی طبیعت کو بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی، پیٹی نے انکھیں بند کیں اور گہری سانس لے کر تمام تر دلفریبی کو اندر اتارنے کی کوشش کی اور پھر دھیرے سے آنکھیں کھولیں تو سامنے سے نظر ہٹانا بھول گیا۔

سفید رنگت، سبز شربتی آنکھیں، وہ لمحوں میں پیٹی کے دل کو چھو گئی، وہ بے حد کیوٹ اور خوبصورت تھی، تازگی، پیٹی کے اندر تک پھیل گئی اور پھر بے اختیار اس کا دل چاہا کہ جا کر اس سے ملے، کوئی بات کرے اسے اپنی طرف متوجہ کرے اور پھر اس نے اپنے ارادے کی تکمیل بھی کی تھی۔

☆☆☆

تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر وہ نچلی منزل تک پہنچا اور باہر کی جانب قدم بڑھانے لگا، جب لاؤنج میں بیٹھی دادی نے اسے ٹوک دیا۔

''ارے میاں آرام سے سیڑھیاں اترو، کوئی قیامت آگئی ہے کیا جو اتنا اودھم مچا رکھا ہے، ذرا خدانخواستہ ابھی گر گئے تو۔'' انہیں پوتے کی فکر لاحق ہوئی تھی۔

''اوکم آن گرینی، کتنی بار کہا ہے میں اب چھوٹا نہیں رہا ہوں۔'' اس نے قدرے اکتا کر جواب دیا تھا۔

''میرے لئے تو تم ابھی بچے ہی ہو، میں نے تمہیں اپنی گود میں کھلایا ہے تمہارے لئے راتیں کاٹی ہیں، انگلی پکڑ کر تمہیں چلنا سکھایا ہے۔'' دادی کی سوچ کی رو واپس ماضی میں کوچ کر گئی۔

''اوہو گرینی پلیز، مجھے کسی سے ملنا ہے فوراً۔'' فوراً پر زور دیتے ہوئے وہ جلدی سے باہر کی جانب بھاگنے لگا، جب دروازے سے داخل ہوتی مام سے جا ٹکرایا۔

''اونو۔'' پیٹی کے منہ سے بے اختیار نکلا، اب شامت آئی تھی۔

''وٹ نان سینس از دز۔'' مام کا پارہ ہائی ہو گیا تھا، وہ پورے زور سے چلائی تھیں۔

''تمہیں اپنے اردگرد نظر نہیں آتا کیا، اب تم ایک بچے نہیں ہو، کیا تمہیں اپنے طور طریقے بھول چکے ہیں۔'' مام نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلائی تھی۔

''اوہ...... شاپ اٹ مام۔'' رکھائی سے کہہ کر وہ باہر کی جانب بھاگا، مگر افسوس وہ جا چکی تھی، پیٹی کا دل دکھا، لیکن ایک بات طے تھی وہ اس کے دل میں اتر چکی تھی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد اس کا معمول بن گیا تھا روز گلی میں چکر کاٹنا اسے یہ عمل دہراتے ہوئے ہفتے سے زیادہ دن گزر گئے تھے، اس دوران پیٹی اتنا تو جان گیا تھا کہ وہ ان کی گلی میں واقع گھروں میں سے ہی کسی ایک گھر کی مکین ہے۔

پیٹی گلی میں فٹ بال کھیل رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اردگرد کے ماحول پر نظر رکھے ہوئے تھا کہ شاید وہ ''دلربا'' گلی میں چہل قدمی کے لئے باہر نکلے یا اپنے گھر کے گیٹ کی سلاخوں کے پار راہداری میں اپنی دوستوں کے ساتھ مستیاں کرتی نظر آ جائے۔

پیٹی نے گیند کو ٹھوکر لگائی، جو غلطی سے جا کر سامنے والے دروازے کو لگی تھی اور دروازہ کھل گیا۔

''Oops۔'' پیٹی نے ماتھے پر ہاتھ مارا، اندر سے واچ مین کڑے تیور لئے ہوئے نکلا تھا۔

''آئم سوری، میری بال غلطی سے ادھر آ گئی تھی۔'' وہ چوکیدار کو اپنے حق میں صفائی دینے لگا تھا، جب اچانک وہ بیرونی دروازے سے نمودار ہوئی اور چلتی ہوئی اسی طرف آنے لگی، پیٹی پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا اور پھر اسی نے اس کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

☆☆☆

وہ صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا اس نے سب کے سامنے بلا جھجک اپنی پسند کا اظہار کر دیا تھا اور وہاں لاؤنج میں بیٹھے ہر شخص کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''واٹ...... واٹ ڈیو۔''

''واٹ ڈو یو مین، کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

سب سے پہلے مام گویا اس شاک سے باہر آئی تھیں۔

''میں اسے بہت پسند کرتا ہوں اور اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' نہایت اطمینان سے جواب آیا تھا۔

''نو...... نو پیٹی ہاؤ اٹ از پاسیبل۔''

''وہ تمہیں اس قدر پسند آ گئی ہے کہ اب اسے اس گھر کا اور اپنی ذات کا حصہ بنانا چاہتے ہو۔'' مام کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔''

''ہا!'' مام نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''دیکھو پیٹی، ہم لوگ چاہتے ہیں کہ تم پہلے اپنی اسٹڈیز اور سپورٹس کی طرف توجہ دو، یہ سب بعد......''

''مجھے کیٹی ہر حال میں چاہیے۔'' وہ اپنی بات پر اٹل تھا۔

''دیکھو بیٹا، آپ اپنی جگہ پر ٹھیک ہو، مگر والدین کی بات کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔'' اب کے دادی نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''آئی ڈونٹ نو، میں بس کیٹی کو پسند کرتا ہوں اور اسے پانا چاہتا ہوں، ڈیٹس فائنل۔'' کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

اور پھر سب کو خصوصاً مام کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننا پڑی تھی اور کیٹی ان کے گھر میں اس کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

میں اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتی، جو میرے سر پر سوار ہو گئی ہے۔

مام ڈیڈ کے سامنے اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

''پیٹی ایک منٹ نہیں رہتا، اس کے بغیر، ہر وقت کیٹی کیٹی کی رٹ لگائے رکھتا ہے۔'' وہ ڈیڈ سے پیٹی کی شکایت کر رہی تھیں۔

''اسے کیٹی کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا، نہ پڑھائی، نہ دوسری سرگرمیاں، نہ ہی اور آپ، حتیٰ کہ اس نے اپنی دادی کو بھی فراموش کر دیا ہے۔''

''چھوڑو نا بیگم، یہ اس کا پرسنل معاملہ ہے، ہو جائے گا ٹھیک۔'' ڈیڈ نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''ارے کمال کرتے ہیں آپ، کیس چھوڑ دوں، یہ میرا گھر ہے، میں اس کی ففٹی پرسنٹ مالکن ہوں، یہاں جو بھی ہوتا ہے اس میں میری مرضی کا احترام لازمی ہے۔'' وہ بھڑک اٹھی تھیں، جواباً ڈیڈ چپ ہو گئے تھے، وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں گھر تو کیا، بزنس، پراپرٹی اور تمام چیزوں میں وہ برابر کی حقدار تھیں، یہ وہاں کا اصول تھا۔

''اور آپ دیکھ لیجئے گا، میں کسی دن اسی کیٹی کو دھکے مار کر گھر سے نکال دوں گی، سمجھ کیا رکھا ہے پیٹی اپنی ماں کو۔'' اور پھر مام جو کہتی تھیں وہ کرتی بھی تھیں۔

☆☆☆

''سب مام کی وجہ سے ہوا ہے۔'' آنسوؤں کی لڑی اس کے گالوں پہ بہہ نکلی۔

اس کی اپنی مام اتنی خود غرض نکلے گی، اس نے سوچا نہیں تھا، وہ یقیناً ہمیشہ سے ہی ایسی تھیں، اپنی بات منوانے والی ہر جگہ خود کو اونچا ثابت کرنے والی اور اپنی انا کو عزیز رکھنے والی۔

''میں نہیں رہوں گا، نہیں رہوں گا اس گھر میں۔''

اپنی اکلوتی اولاد کو مام ڈیڈ دونوں نے توجہ دی تھی، نہ وقت، بس دادی ہی اس کی ہمدرد و غمگسار تھی۔

''میں ہمیشہ کے لئے یہ گھر چھوڑ رہا ہوں۔'' وہ الٹے قدم چلنے لگا تھا۔

پیٹی کا دل ویران تھا، کیٹی اس کے ساتھ نہیں تھی اس کی غیر موجودگی میں اس کی مام نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور کیٹی اتنی انا پرست نکلی کہ پلٹ کر بھی دیکھا کہ اس کے بنا پیٹی کا کیا حال ہوا ہو گا، زندگی کے باقی اثاثے بھی لٹ چکے تھے، اپنی تمام تر پیاری چیزوں کو چھوڑ کر وہ اب گلیوں میں چکر کاٹ رہا تھا، پھر ایک پارک میں پہنچ گیا۔

سر جھکائے وہ ایک بینچ کے سرے پہ بیٹھا خالی نگاہوں کے ساتھ سامنے گھاس کو دیکھ رہا تھا، جب اپنے پیچھے ایک مانوس آواز سنائی دی، بے اختیار اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر پیٹی کے لئے جیسے کائنات رک گئی تھی، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، ہاں وہ کیٹی ہی تھی اداس سی خاموش سر جھکائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا اور پیٹی اس کے ہمراہ اندر داخل ہوا تھا، مام ڈیڈ اور گرینی نے بیک نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ اسے باہوں میں لئے اندر داخل ہوا تھا۔

''پیٹی بیٹا تم آ گئے۔'' مام نے دیوانہ وار

پکارا تھا۔

''اتنی دیر سے کہاں تھے تم، جانتے ہو ہم لوگ کتنے پریشان تھے۔'' دادی کی پریشانی تو بے حد تھی، ڈیڈ بھی غمگین تھے۔

آخر کو اکلوتی اولاد تھی، اور وہ چار پانچ گھنٹوں سے غائب تھا۔

''میں اسی صورت میں اس گھر میں رہوں گا، جب کیٹی میرے ساتھ رہے گی۔'' اس نے گویا شرط عائد کی تھی۔

''جیسے تمہاری مرضی، بلکہ تمہارے باقی دوست بھی تمہارے ساتھ رہیں گے لیکن پلیز آئندہ گھر چھوڑ کے مت جانا۔'' ماں کی ممتا جاگ اٹھی تھی، انہوں نے اسے تڑپ کر سینے سے لگا لیا تھا، جس سے بیٹی کے ہاتھ میں موجود کیٹی یعنی کہ بلی اچھل کے نیچے گری تھی۔

''بس وعدہ کرتا ہوں کہ میں اب اپنی سٹڈیز اور سپورٹس پر پوری توجہ دوں گا۔'' وہ بچوں کی طرح چہک رہا تھا، کہہ کر وہ اس بلی کے چھوٹے سے کیوٹ سے بچے کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔

جبکہ دادی نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا، بیٹی ان کا نو سال کا پوتا تھا، اور قارئین، یہ زمانہ فیوچر 2099 کا زمانہ ہے جب لوگ اتنی ترقی کر جائیں گے کہ ہوا میں اڑنے والی گاڑیاں چلیں گی، جن کے اڑنے کی وجہ سے فضا میں خاص قسم کا خلل سا رہا کرے گا، چیزیں بے حد مصنوعی ہو جائیں گی، حتی کہ درخت اور پودے بھی، جو کہ نہ صرف خوشبو دیں گے بلکہ جگمگائیں گے بھی، گھر آفس پارک غرض ہر جگہ انسانوں کی جگہ روبوٹ کو چوکیداری اور نگہبانی کے لئے تعین کیا جائے گا، کہ وہ ان کے گھر کی بہتر رکھوالی کرتے ہیں (چوری یا بے ایمانی یا اپنے کام میں کاہلی نہیں برتتے) گھر میں داخل ہونے کے لئے گھر کے باہر لگی ٹچ سکرین پر کوئی خاص کوڈ دبانا پڑے گا اور ایسے میں اگر کبھی گھر کا مالک بھی پریشانی یا ٹینشن میں غلط کوڈ دبا دے تو شاید روبوٹس اسے ڈاکو سمجھ کے اس کا قلع قمع کر دیں، گھاس اور پودے اتنے مصنوعی ہو جائیں گے کہ شاید بچے کھچے قدرتی پودوں کے سیلز کو توڑ (ایٹمی توانائی کی طرح) آکسیجن کو بھی جمع کر کے رکھنا پڑے اور ایک ملک دوسرے ملک پر شاید پھر آکسیجن حاصل کرنے کے لئے حملہ کیا کرے، انسان اور رشتے بھی شاید اتنے خود غرض ہو جائیں

☆☆☆

محبت کے سفر میں
اُم ایمان

تو اس کی اس بے تابی کی وجہ سے خاندان میں اس کا مذاق بننے لگا تھا، جس کی وجہ سے شفا بعض اوقات جھنجلا جاتی، اب بھی آنکھ کھلنے کے بعد اس نے پہلی صدا شفا کے نام کی لگائی تھی، اس کی ہر صدا پر بوتل کے جن کی مانند فوراً حاضر ہو جانے والی شفا اس کے بلانے پر نہ آئی تھی، سو وہ خود ہی باہر چلا آیا۔

''کیا بات ہے اماں! آپ کی بہو رانی نظر نہیں آ رہیں۔'' نفیسہ کے قریب آ کر وہ کسلمندی سے گرا کہ اتوار ہونے کے باعث آفس نہیں جانا تھا، نفیسہ بیگم نے چونک کر قرآن پاک بند کر کے ادب سے رحل میں رکھا، اس پر پھونک ماری اور گویا ہوئیں۔

''میں تو خود کافی دیر سے انتظار میں ہوں کہ شفا نہیں اٹھی کیا ابھی تک، اس وقت تک تو وہ مجھے چائے دے کر ناشتہ بنانا بھی شروع کر چکی

سورج کی تازہ، روپہلی اور سنہری کرنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، شرارت سے مسکرائیں اور نیلے پردوں کی درزوں سے بڑے استحقاق سے داخل ہوئیں، پھر اپنی شرارت کو بے خبر سوئے ذی روح پر ظاہر کیا تو وہ کسمساتا ہوا اٹھ بیٹھا کہ نیند کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو، اسے سوتے وقت اندھیرہ ہی پسند تھا، ادھر سورج کی کرنوں کی اور صبح کی آنکھ مچولی شروع ہوئی ادھر اس کی آنکھ فوراً کھل جاتی تھی، آج بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ اور شفا رات دیر تک جاگ کر باتیں کرتے رہے تھے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اسی نے شفا کو دیر تک جگائے رکھا تھا، پتہ نہیں کیا بات تھی کہ شادی کے بعد اس کی محبت شفا کے لئے کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی، آفس سے آ کر اسے سب سے پہلے شفا کو دیکھنا ہوتا، ایک منٹ کے لئے وہ یہاں وہاں ہو جاتی تو وہ بری طرح بے کل ہو جاتا، اب

مکمل ناول

ہوتی ہے، دیکھو شاید کچن میں ہو! اسے چائے کا کہہ کر ذرا رامین کے کمرے کا دروازہ بھی بجاتے جانا، ایک تو یہ آج کل کے بچے بھی بہت ست ہیں، دس بار دروازہ بجا کہ آئی ہوں، مجال ہے جو فجر کی نماز کے لئے کان پر جوں بھی رینگ جائے۔'' حیدر سر ہلاتا ہوا اٹھا۔

ایک دو ہاتھ رامین کے کمرے کے دروازے پر مار کر آواز لگائی، پھر کچن میں آ گیا مگر صاف ستھرا کچن اس بات کا گواہ تھا کہ رات کو صفائی کے بعد وہاں پھر کسی ذی روح نے قدم نہیں دھرا تھا، اب اسے حقیقتاً تشویش ہوئی کہ اتنی صبح شفا آخر گئی بھی تو کہاں گئی، ساری کسلمندی اور سستی کہیں اڑنچھو ہو چکی تھی، وہ ایک بار پھر اپنے بیڈ روم میں تھا، شفا وہاں بھی نہیں تھی، سائیڈ ٹیبل پر دھرا اپنا موبائل اٹھاتا وہ واپس نفیسہ بیگم کے کمرے میں جا رہا تھا جب اس نے عادتاً موبائل کا ان باکس چیک کیا، ڈھیر سارے مسیج میں سر فہرست میسج ہی شفا کا تھا، ٹیکسٹ کا متن پڑھ کر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔

''مجھے اب مزید تمہارے ساتھ نہیں رہنا، مجھے طلاق چاہیے، ورنہ میں عدالت جاؤں گی لیکن ایک بات تو طے ہے کہ میں نے تم جیسے دھوکا باز انسان کی اب عمر بھر شکل بھی نہیں دیکھنی رشتہ نبھانا تو ایک طرف۔''

رات وہ دونوں بہت خوشگوار موڈ میں سوئے تھے، پھر کیا ایسی بات ہوئی؟ اور وہ اس وقت کہاں ہے؟ یہی سوچتا وہ شفا کا نمبر ملانے لگا مگر اس کا نمبر دوسری طرف پاور ڈ آف ملا تھا۔

''نہیں شفا! اگر یہ مذاق ہے تو نہایت بیہودہ ہے اور اگر خدانخواستہ سچ ہے تو میں نے اتنی مشکلوں سے تمہیں پا کر چھوڑنے کے لئے نہیں اپنایا۔'' نیچے آنے پر رامین اور نفیسہ بیگم اسے کچن میں ملی تھیں۔

''حیدر! کہاں جا رہے ہو؟ شفا کہاں ہے؟ اسے بھی بلاؤ ناشتہ بس تیار ہونے کو ہے۔'' لاؤنج کا دروازہ پار کرتے دیکھ اسے نفیسہ بیگم نے بلایا۔

''شفا کو لینے ہی جا رہا ہوں اماں! رات چھوٹی سی بات پر ہماری تکرار ہو گئی تھی، خفا ہو کے صبح اپنے ماموں کے گھر چلی گئی ہے، اسے لے آؤں پھر آ کر اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں۔'' عجلت میں کہتا وہ باہر چلا گیا۔

''لو بھلا بتاؤ! یہ آج کل کی لڑکیوں کی نازک مزاجی، ہزاروں باتیں ہو جاتی ہیں میاں بیوی کے بیچ اب بھلا معمولی باتوں پر بھی کوئی اپنا گھر چھوڑ کے جاتا ہے اور یہ شفا اسے تو میں سمجھدار بچی سمجھتی تھی، کم از کم اس سے مجھے ایسی بے وقوفی کی ہرگز امید نہیں تھی، تمہیں کچھ پتا ہے کیا بات ہوئی ایسی، رات تک تو ٹھیک تھا سب؟'' انہوں نے مگ میں چائے انڈیلتی رامین سے وجہ دریافت کرنا چاہی۔

''پتہ نہیں امی، میں نہیں جانتی مگر سو فیصد یقین ہے مجھے اگر کوئی بات ہے تو قصور بھائی کا ہو گا، شفا تو بہت نائس ہے، بہت کیئرنگ، بھائی ہی اسے گھمائے رکھتے ہیں دن بھر۔'' رامین نے شفا کی طرف داری کی تھی مگر نفیسہ بیگم کے ماتھے کی شکنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

حیدر بھاگم بھاگ پہلے تو دونوں چچاؤں کے پورشنز میں گیا تھا جو کہ ان کے اپنے پورشن کے دائیں بائیں ملحق تھے، شفا کا پوچھنے پر دونوں تائی، چچی نے شفا کی بابت لاعلمی کا اظہار کیا تھا، تائی نے تو ازراہ مذاق یہ بھی کہہ دیا تھا کہ شفا شادی ہونے کے بعد تو حیدر کو اتنی پیاری ہوئی کہ پھر شکل ہی نہیں دکھائی، کوئی اور موقع ہوتا تو حیدر

تائی کے مذاق سے لطف اندوز ہوتا کہ شفا کے حوالے سے اپنی محبت کا ذکر اسے ہمیشہ مسرور کرتا تھا مگر آج وہ ان کو خدا حافظ کہہ کر باہر آ گیا، اب اس کا رخ شفا کے ماموں کے گھر کی طرف تھا۔

''وہ بہت صبح یہاں پہنچی تھی حیدر! بہت رو رہی تھی، کچھ بھی بتائے بغیر اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ حیدر کے ساتھ اب نہیں رہنا چاہتی، اسے طلاق چاہیے۔'' روتے ہوئے اتنا کہا اور کمرے میں بند ہو گئی۔

''مجھے بتاؤ حیدر! کیا ایسی بات ہو گئی ہے تم دونوں کے بیچ کہ وہ اتنا انتہائی قدم اٹھانے کو کہہ رہی ہے۔'' حیدر خود بھی شفا کے کمرے کا دروازہ بجا بجا کے تھک گیا تب مامی اسے ڈرائنگ روم میں لے آئیں اور شفا کی شدید ناراضی کا سبب دریافت کرنے لگیں، حیدر کیا بتاتا اسے تو خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر ایسا کیا ہو گیا ہے، پھر ایک بار پھر شفا سے بات کرنے کی کوشش ناکام گئی تو وہ مایوسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آنٹی میں جانتا ہوں جب تک میں باہر بیٹھا ہوں وہ کمرے سے باہر نہیں نکلے گی، میں فی الحال چلتا ہوں، جب آپ کی اس سے بات ہو اس سے کہیں پلیز اپنا فون تو آن کرے مجھ سے بات تو کرے، شام کو میں پھر آؤں گا، آپ یقین کریں نہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے نہ کوئی مسئلہ جو وہ ایسا کہہ رہی ہے، اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اور غصہ ختم ہو گا تو ٹھیک ہو جائے گی۔'' بے حد الجھتے ہوئے اس نے کہا اور بے حد پریشانی کے عالم میں وہاں سے نکل آیا تھا، واپسی پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اپنے اور شفا کے گزشتہ روز کی روٹین کو دوہرا رہا تھا کہ کوئی سرا تو ہاتھ آئے، اچانک ایک بات یاد آنے پر اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا اور اس نے یکدم گاڑی کو بریک لگائی تھی، اب وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

شفا کی امی حسن علی کی اکلوتی بہن تھیں مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ایک حادثے میں جہاں دونوں شفا کے امی ابو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، ننھی شفا جو اس وقت سات آٹھ سال کی تھی کی ذمہ داری زبردستی ہی سہی تایا چچا کے سر آن پڑی تھی کیونکہ اس کے اکلوتے ماموں علی حسن ملک سے باہر تھے جب ان کے بھائی اور بہنوئی کا انتقال ہوا تھا، حالانکہ سلیمہ اور احمد اچھی خاصی جائیداد چھوڑ کر گئے تھے جس سے اچھی خاصی مالی مدد ہو سکتی تھی مگر ایک بچی کی ذمہ داری بہر حال اس وقت سے تینوں بھائیوں کو بڑی لگ رہی تھی جو اچانک ان پر آن پڑی تھی، تب درمیانے چچا کی بیوی نفیسہ نے ہی خدا ترسی کرتے ہوئے شفا کو اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ سب سے چھوٹی دیورانی سلیمہ کی ان کی زندگی میں ہی ان سے گہری چھنتی تھی، نفیسہ بیگم کے بھی اس وقت دو بچے تھے بڑا بیٹا حیدر گیارہ سال کا اور رامین شفا سے چھ ماہ ہی چھوٹی تھی، باقی دیورانی اور جیٹھانی کو بھی پھر خدا کا خوف یاد آیا تھا یا زمانے والوں کا ڈر کہ انہوں نے بھی کہا تھا کہ گھر چونکہ ایک وسیع و عریض رقبے پر مشترکہ ہی تھا مگر سب کے پورشنز الگ الگ تھے سو شفا کو مہینہ مہینہ سب ہی اپنے پاس رکھیں گے تاکہ کسی ایک پر نہ تو بچی کا بوجھ پڑے نہ ہی کوئی ایک احسان جتا سکے کہ اس نے اکیلے یتیم کی کفالت کی۔

یتیمی انسان کی زندگی میں اس پر اترنے والی سب سے بڑی آزمائش ہوتی ہے، اس آزمائش کا حصہ بنتے ہی شفا کی روٹین ویسے ہی گزرنے لگی جیسی اس کی تائی چچیوں نے سیٹ کی تھی، بڑی تائی کی دو بیٹیاں ارم اور کاشفہ اور بیٹا

ارمان تھا، پھر نفیسہ چچی تھیں، اس کے بعد شہلا چچی کے بچے احد اور گل تھے، عمروں اور دلچسپیوں کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ بچے جوانی کی دہلیز تک آن پہنچے تھے، مگر نہ بدلی تھی تو شفا کی روٹین، وقت اور حالات نے اسے اس کی عمر سے زیادہ حساس اور سنجیدہ بنا دیا تھا، شاید اسی لئے خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے کے باوجود وہ گھر کے سب بچوں میں ہی پڑھائی میں بے حد اچھی تھی، ارم اور کاشفہ یونیورسٹی اور کالج کی طالبات تھیں، ارمان کا انجینئرنگ کا دوسرا سال تھا، شہلا چچی کی گل بھی کاشفہ کے ساتھ بی ایس کر رہی تھی، احد اور حیدر دونوں ایم بی اے کے پہلے سال میں تھے جبکہ رامین اور شفا کا حال ہی میں ایف ایس سی کا رزلٹ آیا تھا جس میں شفا کی شاندار کامیابی نے جہاں تایا، چچاؤں کو فخر میں، کزنز کو رشک اور خوشی میں وہاں بچوں کی ماؤں کو حسرت اور کسی حد تک حسد میں بھی مبتلا کر دیا تھا کہ اس کی جگہ ان کے بچے کیوں نہیں؟ اس کے اس قدر شاندار رزلٹ پر تایا نے اسے سب کے درمیان بلا کر شاباش دی تھی۔

''مجھے کاشفہ سے پتہ چلا ہے کہ شفا کو میڈیکل کی فیلڈ بہت پسند ہے اور اب جب تمہارے سامنے راستہ بھی کھلا ہے تو میرے خیال میں تمہیں کوشش کرنی چاہیے منزل کی طرف، میں چاہتا ہوں کہ میری برسوں سے دل میں دبی خواہش جو میرے بچے پوری نہ کر سکے وہ تم پوری کرو شفا! انٹری ٹیسٹ کی تیاری شروع کرو بیٹا! ہم سب تمہارے لئے دعا گو ہیں۔'' تایا نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اتنی طویل بات کی تھی ورنہ تو مہینہ ان کے ہاں رہ کر جاتی بھی مگر ان سے ایک آدھ سرسری ملاقات ہی ہو جاتی تھی وہ بھی صرف سلام کی حد تک، شفا نے ایک نظر حاضرین پر ڈالی، حالات کی کڑی دھوپ نے اسے اتنا معاملہ فہم اور دوررس بنا دیا تھا کہ لمحے میں ہی اگلا اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے جان لیا کرتی تھی، تائی کے چہرے پر ناگواری بھانپتے ہی وہ کھنکھار کر گویا ہوئی۔

''بہت شکریہ تایا جان! آپ نے میرے لئے اتنا سوچا لیکن اپنی تعلیم کے حوالے سے سنجیدہ ہونا اور بات ہے اور اپنے لئے فیلڈ منتخب کرنا اور بات، مجھے ڈاکٹرز واقعی پسند ہیں لیکن مجھے اس فیلڈ میں جانے کا ہرگز شوق نہیں ہے، میں نے تو بی ایس سی ایڈمیشن لینے سے لے کر مضامین منتخب کرنے تک کا بھی سوچ رکھا ہے آگے، میڈیکل بہت مشکل ٹاسک ہے جسے میں اچیو نہیں کر سکتی پھر فائدہ اتنی محنت کرنے کا۔'' اس نے اعتماد سے کہا اور تائی کے چہرے پر اطمینان پھیلتے دیکھ کر وہ جیسے خود کو آگے سرخرو ہو گئی تھی، ہاں دل میں اداسی ڈیرہ جما رہی تھی کہ بچپن سے ہی ڈاکٹر بننے کے شوق کو نظر انداز کرنا آسان کام نہیں تھا وہ بھی اس صورت میں کہ قسمت بھی ساتھ دے رہی تھی، محنت کا پھل بھی تھا اور موقع بھی اس کے پاس، تایا نے کچھ نہیں کہا تھا بس سر ہلا دیا تھا، وہ گھر کا حصہ بہت سالوں سے تھی مگر نظروں میں اب آئی تھی، خصوصاً حیدر کی نظر کے ساتھ ساتھ اس کے دل نے بھی اس سادہ لڑکی کے لئے اس دن کچھ خاص محسوس کیا تھا جس کے بارے میں آج سے پہلے وہ صرف ایک بات جانتا تھا کہ وہ ان کی کزن تھی۔

☆☆☆

رامین کے ساتھ اس کا بھی ایڈمیشن ہو چکا تھا اور زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی، وقت اور حالات انسان کی شخصیت اور کردار کو سنوارنے اور بگاڑنے کی کسوٹی ہوتے ہیں، شروع شروع

میں وہ بھی اپنے تایا، چچا وغیرہ سے ہر بات ہر چیز ویسے ہی مانگ لیتی تھی جیسے ان کے اپنے بچے پھر آہستہ آہستہ اسے محسوس ہونے لگا کہ چچا ہوں یا تایا، اپنے بچوں کی بات ابھی منہ میں ہوتی تھی کہ پوری ہو جاتی تھی اور شفا کی دفعہ اسے ہر ضرورت بہت دفعہ کہنی پڑتی، اپنے بچوں کے پیسے مانگنے پر فوراً جیب سے بغیر گنے کڑکڑاتے نوٹ نکل آتے، شفا مانگتی تو وہ چونک کر اسے دیکھتے کچھ لمحے سوچتے اور ہچکچاتے ہوئے ہاتھ جیب میں جاتا، بعض دفعہ ٹال بھی جاتے کہ ابھی نہیں ہیں، شام کو یا کل کو لے لینا، ایسے ہی اس کے کزنز کی والدائیں تھیں کچن میں کام کر کر کے ہلکان ہو جاتیں اپنے بچوں کی فرمائشوں کے لئے، کپڑے جوتے بچوں کو پالش اور استری شدہ تیار ملتے، ہاں شفا کے کپڑے پر چچی یا بھول جاتی دھونا یا ایسا ہی کوئی اور بہانا اس وقت تیار ملتا جب وہ بھی ناشتے یا کھانے کے لئے کوئی فرمائش کرتی۔

''افوہ شفا! دیکھ بھی رہی ہو میں کتنی مصروف ہوں، آپ بچی نہیں ہو بیٹا اب خود اٹھ کے لے لیا کرو جو چاہیے ہو۔'' شہلا چچی کہتیں، تائی نے تو باقاعدہ کچھ کام بھی اس کے ذمہ لگا دیئے تھے کہ بچیوں کو وقت کے وقت گھریلو امور میں طاق کر دینا چاہیے تاکہ اگلے گھر جا کر شرمندہ نہ کروائیں ماں باپ کو اور وہ تو ویسے ہی بن ماں باپ کی بچی ہے، سارا الزام انہی پر آئے گا اس کی تربیت کا، وقت کا کام انسان کو سبق سکھانا ہے، اس کام کے لئے وہ کبھی انسان کے الفاظ منتخب کراتا ہے تو کبھی اعمال جو دوسرے کو زندگی کے تلخ و شیریں اسباق دے سکیں، سو وقت نے بھی شفا کو زندگی کا پہلا سبق اس کی یتیمی کی صورت دیا تھا پھر اس کو زندگی کیا ہے، سکھانے کے لئے اس کے اپنوں کے رویوں کو منتخب کیا تھا، بہت جلد وہ جان گئی تھی کہ وہ

اس گھر کے لوگوں سے ویسے اپنا حق نہیں مانگ سکتی کہ جیسے استحقاق کے ساتھ اس کے کزنز مانگتے تھے کیونکہ اس کے لئے سب سے پہلے رشتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے اس کے بعد احساس، اپنے بے حد قیمتی رشتے وہ کھو چکی تھی اور احساس ناصی جذبہ ہر انسان میں نہیں پایا جاتا، اب اگر اس کی ضروریات جیسے تیسے ہی سہی پوری ہو جاتی تھیں تو یہ ان لوگوں کا احسان تھا اور اسے احسان فراموش نہیں کہلوانا تھا، یہ بات اس نے سمجھ لی اور گرہ سے باندھ لی تھی۔

ہاں نفیسہ چچی باقی لوگوں سے تھوڑی مختلف تھیں، وہ فطرتاً لاپرواہ قسم کی خاتون تھیں، ان کے گھر آ کر شفا کو احسان مندی کے اس تاثر سے نجات ملتی محسوس ہوتی تھی کہ وہ جیسے رامین پر پڑھائی کے حوالے سے سختی کرتیں اس پر بھی ویسے ہی کرتیں کچن میں تو دونوں کو گھسنے ہی نہیں دیتی تھیں کہ ابھی صرف پڑھائی کرو، ان کاموں کے لئے تو ایک عمر پڑی ہے جب سر پر پڑے تو ہر کوئی سیکھ ہی جاتا ہے، کپڑے بھی دونوں کے ایک جیسے ہی لاتی تھیں، چچا دوبئی میں تھے وہ بھی رامین اور حیدر کے ساتھ اس کے لئے چیزیں بھجواتے رہتے تھے، پورے گھر میں اگر شفا کی دوست تھی تو رامین ہی تھی، اس دن وہ تائی کے پورشن میں تھی جب ناشتے کے بعد تیار ہونے کے لئے کمرے میں جا رہی تھی تو تائی نے اسے روکا۔

''شفا! ایسے کرو تم آج چھٹی کر لو، کچھ مہمان آ رہے ہیں تو تھوڑا کام زیادہ ہے ویسے تو ملازمہ ہے مگر مجھے بھروسہ نہیں ہے اس پر، تم رہو گی اس کے ساتھ تو مجھے تسلی رہے گی۔'' انہوں نے اخبار کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا تو شفا ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی، دل میں دبا گئی یہ بات کہ آج اس کا کتنا ضروری ٹیسٹ تھا، وہ بتا

بھی دیتی تب بھی تائی نے کون سا سننی تھی اس کی فریاد، افسوس کہ اس کے تمام ضروری ٹیسٹس بھی انہی دنوں آتے تھے جب جب اس کا قیام تائی کے گھر ہوتا تھا، خیر اس نے لینڈ لائن سے کال کر کے رامین کو بتا دیا کہ وہ اس کا انتظار مت کرے کالج چلی جائے وہ نہیں آ سکے گی، تائی کے گھر قیام کے دوران ایسی چھٹیاں اس کا روز کا معمول تھیں سو رامین نے بھی کوئی کرید نہ کی، شفا کا سارا دن ملازمہ کے ساتھ کچن میں ہی گزر گیا، ان کی دونوں صاحبزادیاں یونی گول کر کے پارلر میں تھیں کہ اچھی بیٹیوں میں گھر کے کام کاج کے حوالے سے جو گن ہونے چاہیں، وہ فرمودات اور ان پر عملدرآمد کا سارا سبق صرف شفا کے لئے تھا، وہی اس سے ہر لحاظ سے مستفید ہوتی تھی زبانی بھی اور عملی بھی، تائی کی اپنی بچیاں اس حوالے سے مستثنیٰ تھیں، چار بجے کے قریب اسے کہیں جا کر فارغ ہونے کا موقع ملا تھا، ظہر کی نماز بھی بھاگتے دوڑتے ہی پڑھی تھی اور نہا کر کپڑے بدلنے کے بعد عصر کی نماز ادا کرتے ہی بھوک نے اس پر ایسا غلبہ پایا کہ وہ کچن کی طرف آ گئی، اب تائی اور اس کی فیملی نجانے کب کھانا لگوائے کا ارادہ رکھتی تھیں اس میں اتنا صبر ہرگز نہیں تھا، پلیٹ میں بریانی نکال کر پہلا چمچ لینے پر اس نے خود کو شاباش دی اور پلیٹ ختم کرنے کے ساتھ اس کی ہلکی آنچ پر رکھی چائے تیار ہو چکی تھی، چائے کا مگ باہر لے آتے وقت تائی نک سک سے تیار اسے لاؤنج میں نظر آئی تھیں۔

"ہاں بھئی شفا! کیا کر رہی ہو اس وقت۔"

ناقدانہ اس کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ محض نہا دھو کر ہی وہ چمک رہی تھی، عمر کا بانکپن تھا یا خود سے بے نیازی کہ تائی کو تازہ تازہ فیشل کرائی بیٹیاں میلی لگنے لگیں، اس کے سامنے۔

"کچھ نہیں تائی! چائے پینے لگی ہوں، آپ کو چاہیے تو بنا دوں؟"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گیا آج تو چائے پی کے ایسا کرو، رامین سے اپنا آج کا کالج ورک پوچھ لو، پھر وہیں تیاری کر لینا، یہاں تو مہمان ہوں گے، ان کی ہلچل میں ہو سکتا ہے پڑھائی پر دھیان نہ دے سکو۔" شفا نے کھڑے کھڑے ایک لمحے میں تائی کی بات کا متن سمجھا تھا کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ مہمانوں کے سامنے آئے، حالانکہ وہ خود بھی اتنی تھکی ہوئی تھی کہ سونے کا ارادہ رکھتی تھی اور ویسے بھی اس کی محتاط پسندی کی تو گھر میں مثال نہیں ملتی تھی، تائی چچیوں کے مہمان یا میکے والوں کے آنے پر وہ ہمیشہ خود کو منظر سے غائب کر دیا کرتی تھی، تائی کی منظر سے غائب کرنے کی کوشش نے اسے اس وقت اتنا برگشتہ کیا کہ وہ چائے کا کپ لئے واپس کچن میں پلٹ گئی، پئے بغیر ہی کاؤنٹر پر کپ دھرا اور تیزی سے چلتی ہوئی رامین کی طرف آ گئی، تیز دھوپ سے آئی تھی سو لاؤنج میں اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا، دل پر اتنا بوجھ تھا کہ وہیں صوفے پر بیٹھ کر ہاتھوں میں منہ چھپا کر جو رونا شروع کیا تو پھر آنسو بھی اس دعوت پر بخوشی اس کا غم بٹانے کو بھاگے چلے آئے، ابھی ابھی صوفے پر آ کر بیٹھے حیدر کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، امی اور رامین اس کی خالہ کے گھر گئی تھیں، وہ ابھی کسی دوست کی طرف سے لوٹا تھا، چائے خود بنا کر لاؤنج میں پہنچے ہی بیٹھا تھا کہ اس نے شفا کو اندر آتے دیکھا، ابھی مخاطب کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا دھواں دھار رونا اسے پریشان کر گیا، سنجیدہ سی لڑکی کی وہ عزت کرتا تھا اور شاید پسند بھی، مگر اس کا رونا جس طرح اسے تکلیف دے رہا تھا اس سے حیدر کو لگا کہ یہ پسند سے آگے

کی کوئی بات ہے، مگر یہ وقت اپنے دل کی بدلتی حالت پر غور کرنے کا نہیں بلکہ اسے چپ کرانے کا تھا، وہ کھنکھارا۔

''کیا ہوا شفا! کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا۔''

''پہلے تو اچانک اپنے علاوہ کسی دوسرے کی موجودگی، پھر تابڑ توڑ سوالات کا سلسلہ۔'' شفا کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا، اس نے جلدی سے دوپٹے سے اپنا منہ رگڑ ڈالا۔

''اُف ظالم لڑکی!'' حیدر کو اس طرز عمل سے بھی تکلیف ہوئی، دل کو اس بے ایمانی پر ڈانٹتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کچھ نہیں بس ویسے ہی۔'' بھرائی ہوئی سی آواز تھی۔

''نہیں بھئی، بغیر وجہ کے نہ تو رویا جاتا ہے نہ ہنسا، مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے، تم غالباً آج کل تایا جان کے گھر ہو، تو وہیں سے ہی کچھ بات ہوئی ہو گی، بتاؤ بھئی، بتانے سے مسائل حل نہ بھی ہوں دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔'' ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا گیا۔

''حیدر بھائی! جن لوگوں کے ماں باپ مر جاتے ہیں ناں، ان کو بھی پھر مر ہی جانا چاہیے۔'' پھر پتہ نہیں برسوں کا اندر پکتا لاوا بہہ نکلا تھا یا پہلی بار اس نے کسی کے لہجے میں ہمدردی کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی پایا تھا تو گویا اپنے اندر کی سب کیفیات کو بیان کرتی چلی گئی، اس دن پہلی بار حیدر نے اس سے محبت کا اور شفا نے اس سے دوستی کا رشتہ استوار کیا تھا، یہ اور بات تھی کہ ساری رام کتھا کے دوران شفا کا اسے رامین ہی کی طرح حیدر بھائی، حیدر بھائی مخاطب کرنا اسے کوفت میں مبتلا کرتا رہا تھا، حیدر نے اسے اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلائی تھی اور کہا تھا کہ وہ آرام سے جا کر رامین کے کمرے میں آرام کرے، شفا بھی اچھی بچیوں کی طرح سر ہلا کر رامین کے کمرے میں آ گئی تھی، نفیسہ چچی اور رامین بھی لوٹ آئی تھیں شفا کا واپس تائی کے گھر جانے کو ذرا بھی جی نہیں چاہ رہا تھا مگر کیا کرتی کہ ابھی اس کے وہاں رہنے کے باری کے چار دن باقی تھے، پھر کاشفہ ہی چلی آئی تھی، اترا کر سب کو انگوٹھی دکھائی جو آج آنے والے مہمان رشتہ طے کرنے کے ساتھ ہی اسے پہنا بھی گئے تھے اور شفا کو تائی کا پیغام بھی دے دیا کہ وہ تو وہاں جم کے ہی بیٹھ گئی ہے، گھر واپس نہیں آنا کیا، لفظ گھر پر شفا کے اندر جیسے سناٹا سا پھیل گیا تھا، گھر تو ان سب کے لئے تھا، شفا کے لئے تو یہ ایک سرائے تھی جہاں وہ جا کر وقتی قیام کرتی اور اس قیام کے بدلے اس نے بہت قربانیاں دی تھیں اور نجانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہنا تھا، بچپن کے سنہرے دلوں کی قربانیاں، لڑکپن کے الہڑ خوابوں کی قربانیاں اور تو اور زندگی کے سب سے بڑے خواب میڈیکل میں جانے کی قربانی، اس کے علاوہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ وہ مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہے ہر ایک کی ہر کام میں مدد کرانے کی بھرپور کوشش کرتی، تائی اور شہلا چچی جیسی مفاد پرست عورتوں نے اس کو رکھنے کے احسان کا پورا پورا حساب رکھا تھا اور کچن کے کتنے ہی کام مستقل اس کے ذمہ لگا دیئے تھے، بلکہ اب تو تائی کا اصرار تھا کہ وہ یہ ہر ماہ دوسری چچیوں کے پورشنز میں جا کر رہنا ترک کر دے کیونکہ ان کی روٹین ڈسٹرب ہو جاتی ہے، مگر شفا سنی ان سنی کیے دیتی تھی، اگر ان کے اس اصرار کے پیچھے محبت یا صرف ہمدردی ہی ہوتی تو وہ ایک پل ضائع کیے بنا ان کی فرمائش مان جاتی مگر ان کے پیش نظر ان کا اپنا مفاد پوشیدہ تھا، جیسے کہ کاشفہ کے بلانے آنے پر ہی اسے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

الہام ہوا تھا کہ مہمانوں کے جانے کے بعد کچن اور مہمانوں کا بکھیڑا سمیٹنے کے لئے تائی کو شفا کی یاد آئی ہو گی، نفیسہ چچی پھر بھی کچھ بہتر تھیں، انہوں نے شفا کے ساتھ ساتھ کاشفہ کو بھی روک لیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد ہی آنے دیا تھا۔

☆☆☆

مختصر سا بیگ تیار کر کے وہ شہلا چچی کے ہاں آئی تھی، تائی سے کم ہی خود غرض خاتون تھیں وہ، مگر بہر حال انہوں نے بھی شفا پر کام کا اتنا بوجھ نہیں ڈالا تھا، جتنا تائی کے گھر ہوتا تھا، ہاں چھوٹے موٹے کام کرا لیتی تھیں شفا سے، ان کے گھر اسے پڑھنے کا بھی اچھا خاصا موقع ملتا تھا مگر کچھ عرصہ سے شہلا چچی کے گھر آنے میں قباحت کی وجہ ان کا نکما اور لاڈلا بھائی تھا جسے اپنی والدہ کی وفات کے بعد چچی اپنے گھر ہی لے آئی تھیں، پہلے پہل کا کچھ عرصہ تو وہ لڑکا شاید بہن کا لحاظ کر کے چپ رہا تھا یا والدہ کی دائمی جدائی کا غم تازہ تھا کہ اپنے کمرے میں ہی رہتا تھا زیادہ تر مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے اس کا عمل دخل گھر میں بڑھا تھا اسے نظر آیا تھا کہ وہاں تو توجہ بٹانے والی ایک اچھی خاصی خوبصورت لڑکی بھی موجود تھی، ذومعنی باتوں کے بعد معاملہ کھل کر اظہار محبت تک آن پہنچا تھا، بعض دفعہ تو وہ شہلا چچی کے سامنے ہی شفا سے کچھ ایسا کہہ دیتا کہ شفا تو غصے سے کھول کر رہ جاتی جبکہ شہلا یا تو ہنس کر اسے شہہ دیتیں یا پھر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتیں کہ ہاں ہاں گھر کی دیکھی بھالی بچی ہے، جب تک تم بھی کوئی کام وام میں جی لگاؤ اور شفا بھی تعلیم مکمل کر لے تو پھر وہ اپنے شوہر سے بات کر لیں گی، تب سے اس لڑکے کامی نے خود کو شفا کا خود ساختہ منگیتر ہی تصور کرا لیا تھا گویا، آج بھی لاؤنج میں اسے ٹی وی کے سامنے براجمان دیکھ کر شفا کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے، ہلکا پھلکا بیگ بھاری سا لگنے لگا تھا۔

''آہ، زہے نصیب، کتنے دنوں بعد شکل دکھائی ہے، میں تو انتظار کر کر کے پاگل ہو گیا تھا اور جانتی ہو شفا پورا ایک دن لیٹ ہو گئی تم، تم نے کل آنا تھا اور کل کا پورا دن اور آج کی دوپہر گزار کر اب شام کو آ رہی ہو، کسی کی بے تابی کا خیال کیے بغیر کہ کوئی کتنا شدت سے اس گھر میں تمہارا منتظر ہے، کتنے فون کیے تم سے بات کرنے کے لئے اور تمہاری وہ نک چڑھی کزن کاشفہ یا تمہاری کرخت شکل اور آواز والی تائی نے ہی اٹھائے، میں بھلا ان سے کیا کہتا کہ شفا کو بلا دو۔'' مایوس ہو کر فون ہی کاٹ دیتا تھا، باچھیں پھیلائے وہ اپنی داستان امیر حمزہ چھیڑے ہوئے تھا، شفا نے سخت کوفت اور بیزاری محسوس کی۔

''میں نے تمہیں کب کہا تھا کہ میرا انتظار کرنا میں فلاں ڈیٹ کو آؤں گی، یا کب تمہاری ان فضول باتوں کی حوصلہ افزائی کی کہ تم فون کر کے ہی میری خیریت ہی دریافت کرنے لگے، دیکھو کامی! اپنے کام سے کام رکھا کرو، میں ایسی لڑکی نہیں ہوں نہ ہی مجھے ایسی باتیں پسند ہیں، خود بھی اچھی طرح سے جان لو اور اپنی بہن صاحبہ کو بھی بتا دینا کہ مجھے تم میں یا کسی اور میں اس حوالے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس لئے براہ مہربانی یہ فضول خناس اپنے دماغ سے نکال دو اور میرا فوکس فی الحال میری تعلیم اور کیرئیر بنانے پر ہے، اس کے بعد اچھی سی جاب کا حصول، شادی میری دور دور کی ترجیحات میں بھی کہیں نہیں ہے اور اگر ہوئی بھی کبھی تو تم وہ شخص ہر گز نہیں ہو سکتے، اس بات کو جتنا جلدی سمجھ لو گے اتنا ہی اچھا ہوگا، میں آج آخری بار کہہ رہی ہوں کہ اگر تم نے

دوبارہ مجھ سے یہ فضول محبت جھاڑنے کی کوشش کی تو میں چچا جان سے تمہاری شکایت کر دوں گی۔" لفظوں کو چبا چبا کر کہتے اس نے کہا اور صوفے پر دھرا بیگ اٹھا کر لاؤنج کا دروازہ پار کر گئی، کچن میں سب کچھ سنتی شہلا فوراً ہی باہر آئیں۔

"جب میں نے تمہیں کہا ہے کہ میں کروں گی تمہارے بھائی صاحب سے بات تو کیا ضرورت ہے اس لڑکی کے منہ لگنے کی، کام کاج تو کرلو کچھ پھر محبت بھی فرما لینا، تمہارے بھائی صاحب بھی اب تو تمہارے نکمے پن کے طعنے دینے لگے ہیں، کہا بھی ہے کہ ان کے آفس میں فون آپریٹر کی جاب ہے مگر تمہیں گھٹیا لگتی ہے، تعلیم تمہاری گزارے لائق ہے ایسے میں کون دے گا لڑکی تمہیں، ہوش کے ناخن لو کامی، اگر جو شفا نے اپنے چچا کو شکایت کر دی پھر تمہیں پتہ ہے کہ ان کو ایسی غیر سنجیدگی سے کتنی چڑ ہے، ساری محبت ناک کے راستے نکال باہر کریں گے۔" شہلا چچی کو اگرچہ شفا کی باتیں سن کر بہت غصہ آیا تھا کہ اس کی جرأت کیسے ہوئی تھی ان کے بھائی کی بے عزتی کرنے کی، مگر ایک بات تھی کہ چچا کے غصے سے وہ بہت خائف رہا کرتی تھیں جو کہ اپنے سالے کی حرکتوں سے ویسے ہی نالاں تھے، اگر جو شفا نے اپنے چچا کو شکایت لگا دی تو انہوں نے کان سے پکڑ کر ان کے بھائی کو نکال باہر کرنا تھا، سو بھائی کو ہی نکیل ڈالنی ضروری سمجھی تھی۔

"ہاں ہاں کرلوں گا کام بھی، نہ بھی کروں تو ابا کی دو دکانوں کا اور ایک مکان کا کرایہ ہی بہت ہے ہمارے لئے اور سن لو آپا کان کھول کے، میں نے شادی اسی لڑکی سے ہی کرنی ہے۔" ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ان کے بھائی نے ساری نصیحت نظر انداز کر کے کہا تو وہ جھنجلا گئیں۔

"بے وقوف لڑکے، ابا کی جائیداد کے تم اکیلے وارث تھوڑا ہی ہو، میں بھی برابر کی حصے دار ہوں، تمہارے بھائی نے تو بہت پہلے اس حوالے سے بات کی تھی کہ مجھے اپنا حصہ لے لینا چاہیے ابا کی جائیداد میں سے تاکہ وہ اسے بیچ کر جو رقم ملے اسے بزنس میں لگائیں مگر میں نے ہی منت ترلے کر کے روک لیا تھا انہیں کہ کامی کو کسی قابل ہو جانے دیں پھر ہی یہ سب کچھ مناسب لگے گا، مگر تمہارے انداز سے تو نہیں لگ رہا کہ تم اگلے کئی برس تک سنجیدہ ہونے کا ارادہ رکھتے ہو۔" اسے دیکھ کر وہ جل کر بولیں جو ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔

شہلا چچی کے سمجھانے کا اتنا اثر ہوا تھا کہ کامی نے کھلم کھلا اظہار محبت کا وہ سلسلہ روک دیا تھا مگر ذو معنی فقرے جہاں شفا سے سامنا ہوتا ضرور اچھال کر آگے بڑھ جاتا، آج بھی وہ کالج کے لئے تیار ہو کر رامین کی طرف جا رہی تھی جب اس سے راستے میں ہی مڈبھیڑ ہوگئی، شفا کو صبح صبح اس سے سامنا ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا، وہ کنی کترا کر گزرنے لگی، جب وہ جم کر راستے میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری دھمکی سے ڈر گیا ہوں، ارے بھئی پیار کیا تو ڈرنا کیا اور تم تو خوش قسمت ہو بھئی کہ میری نظر اور دل کو بھا گئی ہو، کس چیز کی کمی ہے مجھ میں؟ شکل وصورت میں تمہارے سارے کزنز سے بڑھ کر ہوں، زمین جائیداد سب کچھ ہے، میں نے آپا سے بات کر لی ہے، اب تم اپنا ذہن بنا لو کہ تمہیں آنا ہے تو بس میری زندگی میں......"

"اپنی فضول بکواس بند کرو، مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے اور یہ جو تمہاری بکواس میں اتنی دیر

سے برداشت کر رہی تھی تو یہ بھی سن لو کہ کیوں؟ میں نے یہ باتیں ریکارڈ کر لی ہیں اور آج میں نے یہ ریکارڈنگ چچا جان کو سنوائی ہے، باقی کی عاشقی کا سبق تمہیں وہی پڑھائیں گے۔'' دانت پیس کر اس نے کہا اور کامی کو ایک طرف ہٹاتی وہ اس کے پاس سے گزر گئی۔

''ارے بھئی شفا! سنو تو...... شفا۔'' پیچھے سے آنے والی پکار کو نظر انداز کر کے جلد ہی وہ رامین کے پورشن میں تھی۔

''لڑکی تو بڑی تیز ہے بھئی، سنبھل کے چلنا پڑے گا۔'' کامی سر پر ہاتھ پھیر کر بڑبڑایا ساتھ ہی بہنوئی کی متوقع ڈانٹ سے بچنے کے طریقے بھی سوچنے لگا۔

☆☆☆

حیدر آج گاڑی پر جا رہا تھا، سو ان دونوں کو بھی کالج چھوڑنے کی آفر کر ڈالی، ویسے تو وہ بائیک پر ہی یونی جایا کرتا تھا مگر کبھی کبھار ابا کی گیراج میں کھڑی مہران کو بھی ہوا لگوا لیا کرتا تھا، آج بھی گیٹ سے باہر نکالتے وقت بائیک پنکچر ہوگئی، جب تک گاڑی نکالی شفا بھی رامین کو لینے پہنچ چکی تھی، بہت دنوں سے اسے دیکھا نہیں تھا، سو ان دونوں کو بھی آنے کی آفر کر ڈالی، رامین فرنٹ پر اور وہ پیچھے بیٹھی تھی، بیک مرر اسی پر سیٹ کرتا وہ اب اطمینان سے بیٹھا تھا۔

''اور بھئی شفا کہاں گم ہو، کب سے دیکھا ہی نہیں تمہیں، بندہ اپنی باری کے دنوں کے علاوہ بھی چکر لگا لیتا ہے کسی کے گھر، بلکہ یہ کسی کے کیوں اپنا ہی گھر ہے تمہارا، ارے ہاں تمہیں بتایا تایا جان نے کہ تمہارے ماموں کی کال آئی تھی وہ لوگ کچھ دنوں تک پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں، تم سے بات کرنا چاہتے تھے غالباً تم سوئی ہوئی تھی اس وقت، ایک دو دن رک کر پھر کال کریں گے۔'' حیدر کی بات سن کر شفا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور خاصے اشتیاق سے ماموں کا تذکرہ سننے لگی، اپنی ماں کی طرف سے واحد خونی رشتے کا تذکرہ اسے ہمیشہ خوشی دیتا تھا، مگر اس کی بات بہت کم ہی ہو پاتی تھی ماموں سے، کبھی وہ کس چچا کے گھر ہوتی کبھی کس چچا کے، موبائل بھی حال ہی میں رامین کو اور اس کو حیدر نے لے کر دیئے تھے کہ اب وہ لوگ کالج جاتی ہیں تو کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں گھر کال کر سکیں۔

''مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں حیدر بھائی، ماموں کے فون کال کے متعلق آپ مجھے ان کا نمبر تایا جان سے لے دیں، میں خود بات کرنا چاہتی ہوں ان سے اور کب آ رہے ہیں وہ لوگ...... کچھ بتایا، میں زندگی میں پہلی بار اپنے ماموں سے ملوں گی، بس تصویروں میں ہی دیکھا ہے ان کو۔''

''پتہ نہیں تفصیلی تو معلوم نہیں ہو سکا، اب کی دوبئ سے کال تھی ارجنٹ، تایا جان اٹینڈ نہیں کر رہے تھے تو اسی کا بتانے گیا تھا میں جب یہ بات ہو رہی تھی خیر فکر نہ کرو، میں جلد ہی ان کا نمبر تمہیں لے دوں گا تایا جان سے، اچھا بھئی لڑکیو، آپ لوگوں کا کالج آ گیا ہے، اترو اب اور ہاں واپسی پر لینے بھی آؤں گا اور آئسکریم بھی کھلاؤں گا۔'' گاڑی روک کر اس نے کہا۔

''ہرا حیدر بھائی جیتے رہیے، ویسے اتنی فیاضی کا مظاہرہ آج سے پہلے تو کبھی نہیں ہوا، خیر تو ہے ناں؟'' رامین نے خوشی سے نعرہ لگا کر پھر معنی خیزی سے پوچھا، وہ کچھ کچھ بھائی کے جذبات کا اندازہ لگا چکی تھی، بے خبر تھی تو شفا ہی تھی جس کے اپنے اردگرد مسائل اس قدر تھے کہ کسی اچھی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، وہ فی الوقت دونوں بہن بھائی کی نوک جھونک سے

ہٹ کر اس کا دماغ کامی کی طرف ہی لگا ہوا تھا جس کی جرأت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ بس اب وہ بہن کے سامنے بے حد شریف بنا رہتا مگر اکیلے میں اس کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔

☆☆☆

تائی جان کی بیٹی کی شادی کی تاریخ کیا طے ہوئی انہوں نے بذات خود دونوں چچیوں سے درخواست کی تھی کہ جب تک شادی نہ نبٹ جائے شفا ان کے گھر ہی رہے گی، نفیسہ چچی تو چپ بیٹھی رہ گئی تھیں مگر شہلا چچی نے بڑا میٹھا سا طنز کیا تھا۔

''ارے بھابھی، ایک دو ملازمائیں رکھ لیں کچھ دنوں کے لئے، وہ بچی بھی ہماری بچیوں کی ہم عمر ہی ہے بھلا اتنی بھاری ذمہ داری کیسے اٹھا سکتی ہے، گھر کے کام کاج اور بات ہے مگر شادی کے کام وقت اور توجہ کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی مانگتے ہیں۔''

''ہاں تو میں کون سا اس سے کھیتوں میں ہل چلوانے لگی ہوں، یہی تھوڑا بہت اٹھا رکھ ہی کر دے گی، ورنہ گھر کے کام کون سا اس وقت رک جاتے ہیں جب شفا تم لوگوں کے ہاں ہوتی ہے۔'' وہ تنک کر بولیں، ویسے ہمدردی تو شہلا چچی کو بھی شفا سے خاص نہیں تھی مگر وہ اپنے بھائی کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتی تھیں، اس لئے آج کل شفا سے بھی رویہ اچھا ہی تھا، شہلا چچی کا ان کو پتہ تھا کہ ان کے بھائی جیسے کاہل اور نکمے انسان کے لئے لڑکی ڈھونڈنے میں کئی پاپڑ بیلنے سے بہتر ہے گھر کی لڑکی کو ہی پٹا لیا جائے، اپنے اپنے مفادات کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ دونوں خواتین یہ منصوبہ بنا رہی تھیں، کہ کیسے شفا کو مستقل اپنے پاس روکا جائے، تائی جان نے دونوں خواتین سے اجازت لے کر بات مردوں تک پہنچائی تھی اور تایا جان کا حکم ملتے ہی شفا اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ایک بار پھر تائی کے پورشن میں آ چکی تھی، کام کا جتنا بھی بوجھ سہی یہاں وہ ذہنی طور پر پرسکون محسوس کر رہی تھی، کیونکہ شہلا چچی کے پورشن میں گزارے گئے وہ پندرہ دن کامی کی باتوں اور حرکتوں کی وجہ سے کس قدر اذیت میں گزرے تھے صرف وہی جانتی تھی، ہاں ان بوجھل دنوں میں مغرب کے بعد ایک گھنٹہ جب وہ رامین کی طرف جاتی تھی اس وقت بہت پرجوش ہوتی کیونکہ بہت دنوں سے کیمسٹری کے کچھ ٹاپکس اسے تنگ کر رہے تھے، سو ایک بار حیدر سے ذکر کیا تو اس نے دونوں کو ایک گھنٹہ پڑھانے کی پیشکش خود ہی کر دی تھی ویسے بھی فرسٹ سمسٹر کلیئر کرنے کے بعد اب ان پر پڑھائی کا پرڈن بڑھ گیا تھا، رامین تو جو ایک آدھ کام کرتی تھی اس سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا پڑھائی کی وجہ بنا کر مگر شفا کو پڑھائی اور گھر کے کاموں میں توازن رکھتے ہوئے حقیقتاً دانتوں پسینہ آ رہا تھا، پھر شادی کے فنکشنز میں جہاں اسے کامی کی بے سروپا باتیں برداشت کرنا پڑی تھیں، وہاں رامین نے بھی اپنے بھائی کی خواہش کے بارے میں اسے بتا دیا تھا اور یہ بھی کہ وہ اس کے لئے دل میں کیسے جذبات رکھتا ہے اور جلد ہی اپنی امی سے اس حوالے سے بات بھی کرنا چاہتا ہے کیونکہ حیدر اپنے یونیورسٹی سے فارغ ہو کر آج کل تایا جان کے ساتھ آفس جا رہا تھا، رزلٹ آنے کے بعد اس کا باقاعدہ آفس جوائن کرنے کا ارادہ تھا، شفا جو کہ حیدر کو ایک مشفق کزن اور استاد کا درجہ دیتی تھی، حیران کم پریشان زیادہ ہو گئی تھی یہ بات سن کر۔

''لیکن میں نے حیدر بھائی کے بارے میں ایسا کبھی نہیں سوچا رامین، میں ان کی بہت عزت

کرتی ہوں، بہت جگہ ہے دل میں ان کے لئے مگر......"

"ہاں تو عزت تو ویسے ہی کرتی رہو، دل میں بھی ہیں وہ، بس دل کے دروازے پر جہاں ان کے نام کی سرخی کے ساتھ عزت لگا ہے وہاں محبت کا اضافہ بھی کر لو، کیونکہ میرا بھائی تمہارے لیے بے حد سنجیدہ ہے۔" رامین شوخی سے بولی۔

یہی وجہ تھی کہ آج کل حیدر سے سامنا ہوتے ہی وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی، رامین ہی کی طرح اپنا ہر مسئلہ بے دھڑک بیان کرنے والی شفا آج کل اس سے جھجک رہی تھی۔

☆☆☆

ماموں سے سامنا ہوتے ہی وہ کتنی دیر چپ کھڑی ان کی شکل دیکھتی رہی تھی، پھر ڈھیر سارے آنسوؤں کی یلغار کے ہوتے ہی وہ ان کے سینے سے جا لگی تھی، علی حسن کتنی دیر اسے خود سے لپٹائے مرحومہ بہن کو یاد کر کے آبدیدہ رہے تھے، وہ پندرہ دن پہلے ہی پاکستان آ چکے تھے، گھر اور بزنس کو سیٹ کرنے کے بعد آج اسے لینے آئے تھے، تایا جان سے وہ پہلے ہی بات کر چکے تھے، کھانا وغیرہ کھا کر فوراً ہی شفا کو ساتھ چلنے کو کہا تھا، وہ کیونکہ جلدی میں تھے تو چاہتے تھے کہ وہ فی الحال اپنا ضروری سامان لے کر چلے، شفا پر تو شادی مرگ طاری تھی گویا، دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے وہ فوراً ہی بیگ میں جو سامنے نظر آیا ڈال کر سارے پورشنز میں سب کو ملنے اور بتانے گئی تھی کہ وہ اپنے ماموں کے گھر جا رہی ہے۔

"بے وفا لڑکی! میں نے کبھی کوئی اور دوست بنائی ہی ہیں کہ میری بہن بھی تم ہی تھی اور دوست بھی تم ہی، اب میں کیا کروں گی۔" رامین نے اسے گھر کا۔

"ہم کالج میں مل لیا کریں گے ناں رامین پھر میں آ جایا کروں گی ناں تم سے ملنے اور تم نے سنا نہیں کبھی کہ دوری محبت کو بڑھا دیتی ہے۔"

آج تو شفا کا لہجہ ہی اور تھا، رامین چڑ سی گئی۔

"بس بس محبت کی بچی، جو محبت ہے فی الحال اس کا کون سا خیال کر رہی ہو تم۔"

"اچھا رامین! خفا نہ ہو پلیز، میری بھی تو دنیا میں واحد دوست تم ہی ہو تو دوستوں کو دوستوں کی خوشی پر خوش ہونا چاہیے، یہ بتاؤ کہ حیدر بھائی کہاں ہیں۔"

"آج تایا جان نے بھائی کو شہر سے باہر بھیجا ہے کسی میٹنگ کے سلسلے میں، اور کے فی الحال تو اس شرط پر تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں کہ ہم بھی تمہارا پکا بندوبست کر کے ایسے لائیں گے کہ کوئی بھی تمہیں پھر ہم سے چھین کے لے جا نہ سکے۔" رامین نے گلے سے لگا کر اسے کہا تو وہ کچھ کہے بغیر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

ماموں کے گھر ممانی نے اس کے لئے الگ کمرہ سیٹ کیا ہوا تھا، ماموں کی طرح وہ بھی بہت پیار سے ملی تھیں اسے اور کہا تھا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے، ماموں کا ایک بیٹا بھی تھا جسے کچھ دنوں بعد پاکستان آنا تھا، دنوں میں ہی شفا وہاں ایسے سیٹ ہو گئی جیسے ہمیشہ سے رہتی آئی ہو، حیدر کی کال اسے یہاں آنے کے پہلے ہی دن موصول ہوئی تھی۔

"مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا شفا! کہ تم ہم سے اتنی تنگ ہو کر اپنے ماموں کی ایک پکار پر ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں اور رامین کے بار بار روکنے پر ایک بار پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔"

"ایسی بات نہیں ہے حیدر بھائی! کم از کم آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے کیونکہ میں نے اگر زندگی میں کسی سے اپنے احساسات شیئر کیے ہیں

تو وہ آپ ہیں، شعور سنبھالنے سے لے کر اب تک میں نے اپنی ذات کا فخر کبھی محسوس ہی نہیں کیا، بس احسانوں کے بوجھ کا وہ بھاری احساس تھا جس میں میری خودداری، انا، احساس ہر چیز دب کر رہ گئی، آپ کو پتہ ہے بچپن میں ایک بار کاشفہ آپی نے مجھے تھپڑ مارا تھا، میں نے بھی جواباً ان کے بال کھینچ لئے، پتہ ہے کیا ہوا تھا؟ کیا سنا تھا میں نے۔'' وہ سسکی، حیدر نے اس تکلیف کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

''تائی جان نے آکر ایک تھپڑ میرے منہ پر لگایا اور کہا کہ بہت احسان فراموش لڑکی ہو تم بھئی، جن کے ٹکڑوں پر پلتی ہو، انہی کو آنکھیں دکھاتی ہو، ہوش میں رہنے کا ڈھنگ سیکھو ورنہ کون رکھے گا تمہیں اپنے گھر میں۔

کسی بھی گھر کے فرد کے ماتھے پر شکن نہ آئے اور وہ مجھے گھر سے نکال باہر نہ کرے، یہ خوف مجھے سب کی جی حضوری کرنے پر مجبور کرتا گیا، میرے ماموں کی وہ پکار نہیں تھی حیدر بھائی اذن تھا احسان مندی کے اس جال کو توڑ دینے کا جس میں نجانے میں کب سے آزاد ہونے کو پھڑ پھڑا رہی تھی، کیا اب بھی آپ میرے اس قدم کو غلط قرار دیں گے؟''

''نہیں شفا!'' حیدر طویل سانس لے کر بولا۔

''مگر ایک بات یاد رکھنا شفا! مجھے تم بہت عزیز ہو، بہت اونچا مقام ہے میرے دل میں تمہارے لئے اور میرا تم سے وعدہ ہے کہ میرے دل میں جو تمہارا درجہ ہے میرے گھر میں بھی تمہیں وہی مقام ملے گا، تم یہاں رہو یا وہاں، بس زندگی کے کسی بھی مقام پر خود کو تنہا ہرگز مت سمجھنا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا اور اس دن جب حیدر نے فون بند کیا تھا تو دل ہی دل میں ایک بات کا فیصلہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

انسان کی سوچ اور ارادوں کا دائرہ کار جہاں تک بھی جاتا ہو زندگی میں ہوتا وہی ہے جو کاتب تقدیر نے ازل سے لکھا ہوا ہے، حیدر نے بھی ایک ارادہ کیا تھا مگر اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا تھا کہ تایا جان ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ شہر سے باہر لے کر گئے تھے اور خود تو فیکٹری کے لئے مال کی ڈیلنگ کر کے آ گئے تھے مگر مال کی سپلائی تک حیدر کو وہیں رکنا پڑا تھا، پھر واپسی پر وہ رات گئے ہی واپس آیا تھا، دیر سے اٹھنے پر امی مزیدار سے ناشتے کی فرمائش کرتا خود فریش ہونے چل دیا تھا کہ تایا جان کو اس نے بتا دیا تھا کہ وہ آج آفس نہیں آئے گا، رامین بھی اسے گھر پر ملی تھی، استفسار پر پتہ چلا تھا کہ ایک دو دن میں ان کا امتحان شروع تھا، بہت خوشگوار موڈ میں ناشتہ کرتے ہوئے وہ امی سے بات کرنے کے لئے الفاظ منتخب کر رہا تھا جب رامین چائے بنا کر لے آئی تھی، وہ اسے کچھ چپ چپ سی لگ رہی تھی جسے حیدر نے اس کے امتحان کا برڈن سمجھا تھا کیونکہ اس کی شروع سے عادت تھی امتحانوں کی ٹینشن کو حد سے زیادہ سر پر سوار کر لیتی تھی۔

''ویسے اچھا ہی ہوا شفا کا، اس کی ممانی کہہ رہی تھیں کہ شادی کے بعد بھی پڑھتی رہے گی وہ، اچھا ہے بچی بیچاری کی جان چھوٹی مفت کی ان نوکریوں سے، شہلا بھابھی کو دیکھو، منہ پھلائے پھر رہی ہیں تب سے ہی، کہتی ہیں میرا تو کب سے ارادہ تھا شفا کو اپنی بھابھی بنانے کا، فرماتی ہیں پالا، جان ماری ہم نے اب جب پھل کھانے کا وقت آیا تو سالوں سے غائب ماموں آ کر ہماری بچی کے دعویدار بن گئے۔''

نفیسہ بیگم کی عادت تھی خاندان میں ہونے

والی ہر چھوٹی بڑی بات سے اپنے بچوں کو آگاہ کرتی تھیں مگر اس وقت جو ذکر اور بات انہوں نے کی تھی اس نے حیدر کو ٹھٹکا دیا، اس نے رامین کی طرف دیکھا جس نے ایکدم ہی نظر چرالی اور اٹھ کر ٹیبل پر پڑے چائے کے خالی کپ اٹھانے لگی۔

اب نفیسہ بیگم حیدر کی پوری تفصیل بتا رہی تھیں کہ تین دن پہلے شفا کے ماموں اور ممانی آئے تھے بڑی چاہ سے شفا کا رشتہ تایا جان سے طلب کرتے ہوئے یہ بھی بتایا تھا کہ شفا کی مرحومہ ماں کی بھی یہی خواہش تھی وہ تو فوری نکاح بھی چاہتے تھے مگر تایا جان نے کہا بچی کو اطمینان سے امتحان دے لینے دیں پھر بے شک شادی کر دیں گے، شہلا چچی نے خاصا ہنگامہ کیا تھا کہ شفا ان کی امانت ہے تایا ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، مگر تایا نے شفا سے ہی پوچھ لیا تھا اس نے اپنے ماموں زاد اسفر کے لئے حامی بھری تھی، نفیسہ بیگم یہ ساری روداد سناتے سناتے ایکدم رکیں جب انہوں نے حیدر کو سر تھامے دیکھا، کچھ تھا اس کے چہرے پر جس نے انہیں ہولا دیا تھا۔

''میں نے کیوں دیر کر دی امی! کاش جس دن میں نے آپ سے بات کرنے کا سوچا تھا اسی دن کر لیتا۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا، نفیسہ بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ابھی تو نکاح نہیں ہوا امی، ابھی بھی تو بہت کچھ ہو سکتا ہے آپ...... آپ پلیز کچھ کریں، میں شفا سے محبت کرتا ہوں، اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تایا جان سے میں خود بات کروں گا۔'' اضطراری کیفیت میں اٹھ کر اس نے نفیسہ بیگم کے دونوں ہاتھ تھام کر بے قراری سے کہا جب وہ خود بیٹے کے اس قدر شدید ردعمل پر جیسے شاکڈ بیٹھی تھیں، شفا کی فطرت سے وہ واقف تھیں، مطلب جو بھی تھا ان کے بیٹے کی طرف سے تھا، انہوں نے تیزی سے اس کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑائے۔

''جذباتی مت بنو حیدر! شفا کا رشتہ طے پا چکا ہے اور ایک دو ماہ میں اس کی شادی متوقع ہے، رشتے ناطے بچوں کا کھیل تو ہیں نہیں کہ ایک سے توڑ کر دوسرے سے جوڑ لیا، شفا کی مرضی سے ہی ہوا ہے سب کچھ، وہ بہت خوش ہے اور بالغرض تم مجھ سے پہلے بھی بات کرتے تو ایسا کچھ نہیں ہونے والا تھا، کیونکہ میں نے اپنی بہو کے طور پر ہمیشہ شزا کو سوچا ہے اور اپنی بہن سے بات بھی کر چکی ہوں، صرف تمہارے ابا کے دوبئی سے آنے کا انتظار ہے تاکہ باقاعدہ رشتہ لے کر جائیں اور شادی طے کریں۔'' نفیسہ بیگم نے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

''زندگی کا ہر فیصلہ اولاد کی مرضی سے طے کرنے والے والدین پتہ نہیں کیوں اس معاملے میں اتنے سنگدل بن جاتے ہیں کہ نہ تو انہیں اولاد کی احساسات کی پرواہ ہوتی ہے نہ جذبات کی، ہمیشہ کلاس میں اول لینے والے حیدر علی کی ایف ایس سی میں ایک مضمون میں دو بار سپلی آئی، جانتی ہیں کیوں امی۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''وہ اس لئے کہ ابا نے وہ مضمون زبردستی رکھوایا تھا، دو سال اس ایک مضمون سے میں ایڈجسٹ نہیں کر سکا اور فیل ہوتا رہا، بالآخر اپنی پسند کا مضمون رکھ کر میں دوبارہ اپنی پوزیشن لی تھی، یہ ایک مضمون کی بات تھی اور یہاں آپ عمر بھر کے لئے ایک ایسی شخصیت میرے سر پر مسلط کرنا چاہ رہی ہیں جس کے بارے میں ایک پل کو بھی میں نے ایسا نہیں سوچا نہ سوچ سکتا ہوں، دو سال ناپسندیدہ مضمون میں فیل ہونے والے کو آپ عملی زندگی میں بھی فیل دیکھنا چاہتی ہیں، یہ

کیسی محبت ہے امی آپ کی اپنی اولاد سے۔"
"مجھ سے کتابی زبان میں بات مت کرو حیدر، زندگی ان باتوں سے قطعاً مختلف ہے، نکاح کے دو بول ہی اپنے اندر اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ دنوں میں دو اجنبیوں کو ایک گہرے اور اٹوٹ رشتے میں باندھ دیتے ہیں، تمہارے ابا نے مجھ سے شادی سے دوٹوک انکار کر دیا تھا، اپنے کسی دوست کی بہن کو پسند کرتے تھے آج ہماری تیس سالہ ازدواجی زندگی کو دیکھو، کبھی لگا تمہیں کہ ایسی کوئی بے وقوفی کی بات انہوں نے منہ سے نکالی بھی ہوگی، شفا کے بارے میں سوچا بھی اب تمہیں زیب نہیں دیتا، شزا کے بارے میں سوچو گے تو گنجائش نکل آئے گی، آج میرے سامنے ایسی بے وقوفانہ بات کر دی ہے کسی اور کے سامنے مت کر بیٹھنا، لڑکیوں کی عزت بہت نازک ہوتی ہے۔" دوٹوک انداز میں اپنی بات کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ گئی تھیں، حیدر میز پر مکا مار کر رہ گیا، اپنے کمرے میں آ کر اس نے پہلی کال ہی شفا کو ملائی تھی۔

"اچھی دوست ہو میری، اپنے دل کی ہر چھوٹی بات مجھ سے شیئر کرنے والی میری دوست نے زندگی کا سب سے بڑا معاملہ مجھ سے پوشیدہ رکھا وہ بھی اس صورت میں جب میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے دل کی حالت سے بے خبر ہرگز نہیں تھی کیونکہ میرے خیال میں جذبے اتنے طاقتور تو ہوتے ہی ہیں کہ ان کو کسی بھی زبان کی ضرورت نہیں پڑتی وہ اپنا آپ منوا ہی لیتے ہیں اور ایسا مجھ سے میری دوست کی آنکھوں کہا تھا کہ جذبوں کے اس سفر میں، میں تنہا نہیں ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں، بس مناسب وقت کے انتظار میں تھا، بولو شفا! تم نے ایسا کیوں نہیں کیا، مجھے بتایا کیوں نہیں، تمہیں ایسے گنوا تو نہیں سکتا میں، اب بتاؤ کیا کروں میں؟" دوسری جانب گہری چپ تھی، مگر وہ جانتا تھا کہ اس نے اس کا ایک ایک لفظ بغور سنا تھا، پھر ایک طویل سانس لے کر وہ گویا ہوئی تھی۔

"آپ کے جذبے جھوٹے نہیں تھے نہ ہی میری آنکھیں جھوٹ بولتیں تھیں، مگر سماعتوں میں وہ باتیں اور خیالات بھی محفوظ تھے جو بارہا نفیسہ چچی نے اپنی بھانجی اور آپ کے حوالے سے میرے سامنے بیان کیے تھے، حیدر بھائی میری زندگی عام لڑکیوں جیسی ہرگز نہیں گزری، سو میرے فیصلے بھی عام لڑکیوں جیسے نہیں ہو سکتے، بس آپ کو بتا بھی دیتی، آپ چچی سے ضد سے، دھونس سے یہ بات منوا بھی لیتے تب بھی......" وہ رکی حیدر نے سانس روک لی تھی۔

"تب بھی حیدر بھائی! زندگی تو اس گھر میں ویسی ہی گزرنی تھی جیسی اس سے قبل میں گزرتی آئی تھی، دوسرے درجے کے شہری جیسی، ایک نفیسہ چچی کا گھر ہی تو تھا میرے لئے جہاں کسی قسم کے احساس کمتری اور احسان مندی کے احساسات کا بوجھ نہیں ہوتا تھا، مجھ پر اس واحد گھر سے جڑا اپنائیت کا رشتہ عمر بھر برقرار رکھنے کے لئے ایک دل کو ہی ذرا سا سمجھانا تھا بس سمجھ جائے گا، اس کے بدلے میں دیکھیں مجھے کتنے رشتے مل گئے، مامی ماموں کی بے لوث محبت، اپنا گھر کیا ہوتا ہے، یہ احساس آج کل مسلسل مجھے اپنے حصار میں لے کر ایک خوبصورتی اور انوکھے پن کا وہ مزہ دے رہا ہے جو میں نے آج تک کچھ محسوس ہی نہیں کیا، ان سب چیزوں کو پانے کے لئے تو شفا اپنی جان بھی دے سکتی تھی حیدر بھائی، یہاں تو صرف ایک دل ہی تھا مقابل، وہاں مجھے ایک آپ کی محبت کا احساس ہی ملتا اور بدلے میں نفیسہ چچی کی نظر میں بے رخی، ماموں مامی کی بے

اعتنائی جیسا مہنگا سودا نہیں کر سکتی تھی میں، میری ہر بات کو مجھ سے پہلے سمجھ جانے والے دوست یہ بات بھی آسانی سے سمجھ کر اپنی دوست کو معاف کر دے گا اور اس کی شادی میں شرکت کر کے اسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کرے گا۔"

"نہیں شفا! اتنا مشکل وعدہ مت لو مجھ سے، ایک بار، صرف ایک بار مجھے اپنی قسمت آزما لینے دو، میں وعدہ کرتا ہوں میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا، مجھے اپنا مقدمہ لڑے بغیر ہار جانے کا مت کہو۔" حیدر نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں حیدر بھائی، بہت عرصہ بعد اور بڑی مشکل سے میری زندگی کی بے سمت ترتیب نے ایک سمت منتخب کی ہے تو اب اسے اسی ایک راہ پر چلنے دیں، اسے میری التجا سمجھ لیں پلیز۔" حیدر سب کچھ برداشت کر سکتا تھا شفا کا رونا نہیں، اب بھی اس کے لہجے کی نمی نے اسے چپ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

پہلے پیپر والے دن وہ دونوں ایسے ملی تھیں جیسے پتہ نہیں کتنے عرصہ سے بچھڑی ہوئی تھیں، رامین نے اسے بتایا تھا کہ جب سے حیدر کو اس کے رشتہ طے ہونے کی خبر ملی تھی تو اس کا ردعمل بہت شدید تھا، اس نے امی سے بہت بحث کی تھی اور تایا جان سے بھی بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ایسا صرف اسی ایک دن ہی ہوا تھا، اب تیسرا دن ہے وہ بہت چپ چپ اور کھویا کھویا سا تھا، گھر پر بھی برائے نام وقت ہی گزار رہا تھا اور نفیسہ بیگم اس کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔

"ٹھیک ہو جائیں گے کچھ دنوں میں، ویسے بھی نصیبوں کے کھیل میں انسان بہت بے بس ہوتا ہے وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاتا اس لئے مالک کی رضا پر رضا مند ہونا ہی انسان کے حق میں بہتر ہے۔" شفا نے رامین کی حیدر کے حوالے سے تسلی کراتے ہوئے کہا تھا، پھر پیپر ختم ہونے پر ان کی دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکی تھی، کیونکہ اسے ماموں نے لینے آنا تھا اور رامین شاید وین پر چلی گئی تھی، مگر گیٹ سے باہر آتے ہی کامی ایکدم سے اس کے سامنے آیا تھا، وہ موٹر بائیک پر سوار تھا۔

"کیا سمجھی تھی تم کہ بچ گئی ہو مجھ سے دور جا کے، میں نے کہا تھا ناں کہ جو چیز کامی کو پسند آ جائے وہ اگر اس کو نہ ملے تو وہ اسے دوسرے کی بھی نہیں رہنے دیتا۔"

"مگر تمہیں شاید یاد نہیں ہے کہ میں چیز نہیں ہوں نہ ہی تمہاری آپی نے رحم و کرم پر پلنے والی وہ کمزور سی لڑکی ہوں جسے صرف ایک سہارے اور چھت کے عوض پتہ نہیں کیا کیا خراج ادا کرنا پڑ رہا تھا، ہٹو میرے راستے سے۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"مجھے سمجھنے میں غلطی مت کرنا شفا! تمہاری بری بھلی اس لئے سن لیتا ہوں کہ دل میں جگہ دے بیٹھا ہوں تمہیں، آپی آئیں گی جلد تمہارے ماموں کے پاس، میرے حق میں ہی بولنا ورنہ میری زندگی میں تو تمہیں آنا ہی ہے، اپنی مرضی سے ہی آؤ تو زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا، موٹر سائیکل بھگا کر لے گیا تھا، شفا غصے اور افسوس سے بس اسی طرف دیکھ کر رہ گئی، پیپر اچھا ہونے کی خوشی کو ملیا میٹ ہوتے محسوس کیا اس نے اس پل، صرف یہی نہیں شام کو واقعی شہلا چچی چلی آئی تھیں بڑا لپٹا لپٹا کر شفا کو پیار کیا تھا، شفا کا کیونکہ اگلے دن پیپر تھا سو وہ تو تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی، پھر جاتے سمے وہ دوبارہ اس سے ملنے آئی تھیں۔

''تمہاری مامی، ماموں بھلے لوگ ہیں مگر تمہیں شاید علم نہیں ہے کہ ان کا بیٹا یہاں رہنے پر راضی نہیں ہے، شادی کے بعد تمہیں بھی اپنے ساتھ لے کے جانا چاہتا ہے، پتہ نہیں کیوں اور کس لئے، وہاں کی زندگی ایسی تیز رفتار اور مشکل اور کیا ہم نہیں جانتے کہ ہماری شفا کتنی نازک اور معصوم ہے؟ ابھی تو والدین دباؤ ڈال رہے ہیں اس پر یہیں اپنے ملک میں رہنے کے لئے مگر کیا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کیا وہ کبھی واپس نہیں جائے گا، اگر جو ایک بار گیا پھر واپس نہیں آیا تو تمہاری مامی کامی کے بارے میں بات کریں گی تم سے، انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ شفا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا، اپنے گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے، دل و جان سے چاہتا ہے تمہیں، پھر کوئی شکوہ شکایت ہو بھی گئی تو تمہارے چچا اور میں اس کے کان پکڑنے کو موجود ہیں، خوب سوچ سمجھ کے اپنا فیصلہ بتانا شفا!''

شہلا چچی تو واقعی اسے الجھا گئی تھیں، کامی کے لئے تو اس نے مر کر بھی ہامی نہیں بھرنی تھی مگر اسفر کا اسے باہر لے جا کر سیٹل ہونے کی بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی، رشتوں کو اپنے اصلی رنگ میں برتنے کی خواہش میں اس نے ایک عمر گزاری تھی، اب جب ترس ترس کر ماموں، مامی کی صورت اسے ماں باپ کا پیار ملا تھا، وہ اسے کسی بھی صورت نہیں گنوا سکتی تھی، غیر ملک میں اجنبی لوگوں کے بیچ اگر زندگی ہی بسر کرنی تھی تو اس سے تو لاکھ درجہ بہتر حیدر کا گھر تھا جہاں حیدر کی محبت تو ملتی اسے کم از کم، اسفر کے رشتے پر ہاں کرنے کی صورت میں اس نے جو جوا کھیلا تھا تو اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی تھی، ایک گھر کی ملکیت کا احساس، ماں باپ جیسی ہستیوں کی ٹھنڈی چھاؤں جہاں کسی بھی فرد کا اس کی ذات پر کوئی احسان نہ ہو، رات کو مامی نے کامی کی بابت اس سے پوچھا تھا، کہ رشتہ کرتے وقت بھی اس کی چچی شہلا نے کافی واویلا کیا تھا کہ وہ ان کے بھائی کی منگیتر ہے اور خود شفا بھی ایسا ہی چاہتی ہے، اب وہ پھر اسی مقصد کے لئے تشریف لائی تھیں، کہ وہ دوبارہ شفا سے اس رشتے کی بابت پوچھ لیں، اس نے کامی سے ایسی کسی بھی نسبت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر جھجکتے ہوئے مامی سے اسفر کی باہر شفٹ ہونے بات کے بارے میں ضرور استفسار کیا تھا۔

''ارے پاگل ہو تم بالکل...... کسی بھی ایسے خدشے کو دل میں جگہ دیئے بغیر بس امتحان کی تیاری کرو اور پھر اپنی شادی کی، اس نالائق کی ضد کو میں اور تمہارے ماموں دیکھ لیں گے، اسے اتنی مشکل سے ہم یہاں اس لئے نہیں لائے کہ واپس بھیج دیں گے، باقی نئی جگہ کو اس کی تبدیلیوں سمیت قبول کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے ناں شفا! اسے بھی ٹائم ملے گا، باقی اس نے تمہیں پورے دل سے قبول کیا ہے، مشرقی مرد کتنے ہی گھاٹ کا پانی کیوں نہ پی لے، عمر بھر ستانے کو ٹھنڈا میٹھا چشمہ ہی پسند کرتا ہے، اسفر بھی مغرب کی فضاؤں میں رہ کر آیا ہے، مگر مغرب کو رہائش کے لئے پسند کرنے والی کی شریک حیات کے لئے دلی خواہش تھی کہ مکمل مشرقی لڑکی ہو، امتحانوں سے فارغ ہو جاؤ تو کچھ چیزیں لے آئی باقی خریداری تو میں کر چکی ہوں۔'' مامی نے اس کی تسلی کراتے ہوئے کہا، شفا سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

شہلا چچی والے واقعے کے بعد ماموں مامی نے گھر پر ایک چھوٹی سی تقریب رکھ کر شفا کے دودھیال والوں کو بلا کر اسے اسفر کے نام کی انگوٹھی پہنانے کے ساتھ ساتھ شادی کی تاریخ کا

اعلان بھی کر دیا تھا، شفا نے مامی، ماموں سے بس ایک ہی فرمائش کی تھی کہ اسے شادی کے بعد بھی تعلیم جاری رکھنے دی جائے گی، مامی، ماموں سمیت اسفر کو اس کی خواہش پر کوئی اعتراض نہیں تھا، منگنی کی تقریب میں تو کم گو اور اپنے آپ میں مگن رہنے والا اسفر بھی بہت خوش نظر آیا تھا۔

''خدا کے لئے شفا! ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو، میں اب بھی سب سے منوا لوں گا، یقین کرو، تمہاری منگنی کی خبر روح کھینچ رہی ہے تو شادی کی خبر کیا قیامت نہ ڈھائے گی مجھ کو، اب تو امی بھی اس بات کو مان گئی ہیں کہ رشتے ناطے اولاد کی مرضی سے ہی کرنے چاہیں، پلیز شفا مان جاؤ میری بات۔'' اسے پے در پے حیدر کے ٹیکسٹ موصول ہو رہے تھے، منگنی کے دوران رامین نے اسے حیدر کا پیغام دیا تھا۔

اسے مسلسل حیدر کی طرف سے کالز موصول ہو رہی تھیں، مگر شفا نے موقع کی نزاکت کے طور پر اس وقت اس کی کوئی بھی کال سننے بغیر موبائل آف کر دیا تھا، ذہنی پختگی جو اس کے حالات کی دین تھی اسی نے اسے شعور دیا تھا کہ جذبات میں ہمیشہ غلط فیصلے ہی طے پاتے ہیں اور اس وقت حیدر جذباتی ہو رہا تھا، رات دیر سے موبائل آن کرنے پر اسے حیدر کے بے شمار ٹیکسٹ ملے تھے، اس نے ایک بار پھر موبائل آف کر کے الماری میں رکھ دیا تھا، کچھ دنوں تک دوبارہ آن نہ کرنے کے لئے، شہلا چچی نے منگنی میں احتجاجاً شرکت نہیں کی تھی۔

☆☆☆

امتحانوں کے ختم ہونے کے بعد ان سب سے اس کا کوئی رابطہ نہ ہو سکا تھا، اس کی مایوں سے ایک دن پہلے رامین آئی تھی حیدر کا پیغام لے کر آئی تھی، بہت پریشان تھی کہ حیدر نے آج کل آفس جانا ترک کیا ہوا تھا، کمرے میں بند ہو کر اسموکنگ کرتا رہتا ہے اب تو نفیسہ بیگم بھی اس کی ضد کے آگے ہار مان گئی تھیں، رامین چاہتی تھی کہ اب شفا ہی اسے سمجھا سکتی تھی کہ وہ ایسا کر کے سب گھر والوں کو پریشان مت کرے، حیدر کے ابو بھی دوبئی سے ایک دو دن میں پہنچنے والے تھے، شفا نے رامین کی تسلی تو کرا دی تھی مگر شفا کا حیدر سے اس سلسلے میں بات کرنے کا ارادہ نہ تھا، اس کے خیال میں اس کی شادی کے بعد وہ خود ہی سنبھل جائے گا، پھر اسی شام تایا جان، تائی جان سمیت شفا کو لینے کے لئے آئے تھے، ان کا خیال تھا کہ شفا ان کی بیٹی ہے سو اسے ان کے گھر سے رخصت ہونا چاہیے، تائی البتہ حسد و رشک بھرے انداز میں ماموں کے خوبصورت گھر کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اونچا ہاتھ مارا ہے کم بخت نے، کیا رکھا ہے بھلا اس شفا میں نہ عقل نہ شکل واہ رے میرے مالک تیرے کھیل نرالے، جسے چاہے پل بھر میں نواز دے۔'' دل ہی دل میں شفا کو کوستے بالآخر نصیب کو بھی ماننے پر مجبور ہو گئیں کہ انسان کتنی کوشش کیوں نہ کر لے نصیبوں سے لڑنا اس کے بس میں ہرگز نہیں ہے، شفا جو ہرگز وہاں نہیں جانا چاہتی تھی تایا جان کے پیار بھرے اصرار پر مجبور ہو گئی، ویسے بھی فنکشنز تو ہوٹل اور شادی ہال میں ہی تھے مگر تایا جان کی ضد تھی کہ جس گھر میں اسے عمر بھر رہنا ہے ان دنوں اس کا وہاں رہنا ہرگز مناسب نہیں ہے، مایوں اور بارات کا فنکشن ایک دن کے فرق سے تھا، تایا جان کے گھر جاتے ہوئے رامین کے پورشن پر نظر پڑتے ہی کوئی شدت سے یاد آیا تھا مگر سر کو جھٹک کر وہ تایا جان کے پیچھے چل پڑی تھی، رامین کو جیسے ہی اس کے آنے کا پتہ چلا تھا وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی

تھی، کاشفہ بھی شادی میں شرکت کی غرض سے آئی ہوئی تھی، تائی کی دوسری بیٹی نے بھی شفا کو آج عزت بخشتے ہوئے خصوصی وقت نکالا تھا، یوں خالصتاً اس زنانہ محفل میں کپڑے، میک اپ، جیولری اور فنکشنز ہی زیر بحث رہے تھے، رات گئے تائی کے ڈانٹنے پر وہ محفل برخاست ہوئی تھی، رامین شفا کے کہنے پر وہیں رہ گئی تھی، نفیسہ بیگم کو فون کر کے اس نے بتا دیا تھا، اگلے روز وہ لوگ بہت دیر سے بیدار ہوئی تھیں، تائی جان سے پتہ چلا تھا کہ ماموں کا ڈرائیور اس کا مایوں کا جوڑا اور زیور دے گیا تھا، رات نو بجے تقریب تھی جس کے لئے اسے پارلر چار بجے کے قریب جانا تھا، شفا کے بے حد اصرار پر اب رامین اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھی، اس سے پہلے مامی نے اس کے ساتھ پارلر جانا تھا، تین بجے کے قریب ماموں نے ڈرائیور سمیت گاڑی بھیج دی تھی، چار بجے وہ دونوں پارلر کے لئے نکلی تھیں، گیٹ سے نکلتے وقت شفا نے حیدر کو دیکھا تھا، ریلنگ سے جھکا نیچے دیکھتا وہ اتنا کمزور اور پژمردہ لگا تھا کہ ایک پل کو شف کا دل ڈوب گیا اور اسے اس کی بات نہ مان لینے پر پچھتاوا ہونے لگا تھا، مگر دوسرے ہی پل اس نے قصداً اپنا دھیان رامین کی باتوں کی طرف لگایا تھا جو مسلسل بول رہی تھی، چھ بجے کے قریب وہ دونوں تیار تھیں۔

☆☆☆

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، تم خود کہاں ہو اس وقت؟''

ماموں مامی ہوٹل جانے کے لئے تیار تھے، جہاں مہندی اور مایوں کا مشترکہ فنکشن ہونا تھا جب انہیں ڈرائیور کی کال موصول ہوئی تھی جس میں اس نے بتایا تھا کہ راستے میں ایک گاڑی نے گن پوائنٹ پر ان کی گاڑی کو روک کر ڈرائیور اور رامین کو رومال سنگھا کر بے ہوش کیا تھا اور شفا کو اغواء کر لیا گیا تھا، ماموں کا تو دماغ ماؤف ہو گیا تھا، وہ تو اس شہر میں سوائے شفا کی دودھیالی فیملی کے کسی کو جانتے ہی نہ تھے، نہ ہی کسی قسم کی دشمنی تھی ان کی کسی سے۔

''اس لئے منع کرتا تھا آپ کو یہاں آنے سے، روزانہ ٹی وی پر دیکھتے بھی تھے اپنے ملک کے حالات...... اب دیکھ بھی لیا، یہاں تو معمول کی باتیں ہے اس قسم کے واقعات۔'' تقریب کے تیاراسفر کو موقع مل گیا ماں باپ کو ان کے غلط فیصلے کا احساس دلانے کا۔

''چپ کر جاؤ تم لوگ خدا کے لئے، یہ لڑنے کا وقت نہیں ہے، اب کیا ہوگا؟، مہمان جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں، کیا کریں اب؟ میرے اللہ کرم کر کچھ ہم پر، آپ...... آپ پولیس کو کال کریں۔'' مامی تو پریشانی کے مارے رونے لگ گئی تھیں۔

''ہونہہ، پولیس نے بازیاب کرا لیا آپ کی بہو کو اور آپ نے دیکھ لیا، پاپا شفا کے گھر والوں کو بتائیں، ان سے مشورہ لے کر کوئی قدم اٹھائیں اور جلدی کریں جو کرنا ہے، میں تو کہتا ہوں ہماری طرف کے مہمان بھی مختصر ہیں، ان کو کال کر کے فنکشن ملتوی ہونے کا بتا دیں کسی ایمر جنسی کا کہہ کر، بعد کی شرمندگی سے بہتر ہے۔'' دونوں ماں بیٹوں کے مشوروں نے ماموں کو اچھی خاصی کوفت میں مبتلا کر دیا تھا وہ ویسے ہی بے حد پریشان تھے، ایسی کسی صورتحال کا انہوں نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا، خیر وہ اپنا موبائل لے کر ان دونوں سے تھوڑی دور چلے گئے تھے۔

☆☆☆

رامین کا تو رو رو کر برا حال تھا، وہ جب جب کسی کو خود پر گزری افتاد کا ذکر کرتی دوبارہ

زور وشور سے رونے لگتی تھی، سب مہمانوں کو فون کر کے کسی ایمرجنسی کا بتایا گیا تھا، تایا جان نے اپنے ڈی ایس پی دوست تک کی مدد مانگ لی تھی، سات بجے وہ واقعہ پیش آیا تھا اور رات ایک بجے تک شفا کا کچھ اتا پتہ نہیں تھا، تایا جان کے گھر ماموں مامی اسفر کے علاوہ پورا خاندان ہی جمع تھا۔

''اگر یہ تاوان کا مسئلہ ہوتا تو اب تک کوئی کال تو آ چکی ہوتی، ہماری تو دور دور سے کوئی دشمنی بھی نہیں کسی سے، پولیس بار بار پوچھ رہی ہے کہ کسی پر شک ہے تو بتائیں، بھلا بتاؤ ایسے خواہ مخواہ کسی کو کیسے پھنسا سکتے ہیں۔'' تایا جان ٹہلتے ٹہلتے رک گئے، سب خاموش بیٹھے رہے، ظاہر ہے کسی کے پاس کوئی جواب بھی تو نہیں تھا۔

بصیر چچا جو شہلا چچی کے شوہر تھے، انہوں نے اچانک آنکھیں سکوڑ کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھے کامی کو دیکھا جو باقی اہل خانہ کی پریشانی سے یکسر بے نیاز نظر آتا تھا، بہنوئی کو خود کو گھورتے دیکھ کر وہ خواہ مخواہ گڑبڑا کر سیدھا ہو گیا۔

''کل تک تو تم بھی امیدوار تھے شفا کے، کہیں یہ تمہارا کارنامہ تو نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو ابھی بتا دو، ابھی معاملہ گھر سے نکلا نہیں ہے نہیں تو یاد رکھو میں اپنے ہاتھ سے گولی ماروں گا تمہیں اور تمہاری بہن کو بھی طلاق دے دوں گا۔'' چچا جان کی اتنی کھلی دھمکی پر کامی تو بوکھلا گیا جبکہ باقی سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، ابھی کامی اپنی صفائی میں کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس کی بہن اس کی مدد کو سامنے آئیں۔

''خدا کا خوف کریں بصیر احمد! ماں باپ مر گئے ہیں مگر بہن زندہ ہے ابھی اس کی، ایسی کون سی برائی دیکھ لی آپ نے جو اتنا بڑا الزام لگایا اس پر، ارے جس گھر میں بیری ہو پتھر تو آتے ہی ہیں، رشتہ مانگ کے مجرم ہو گئے ہم تو...... ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہیں آپ، ہو سکتا ہے لڑکی کی مرضی بھی شامل ہو اس سب میں، سوچنے کی بات ہے آخر شفا کو ہی کیوں، رامین بھی تو ساتھ تھی، اسے کیوں نہ اغواء کر لیا۔'' شہلا چچی ہاتھ نچا نچا کر زہر اگل رہی تھیں، چچا جان نے خونی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرے پاس تو چند دن رہی ہے شفا! مجھے یقین ہے کہ وہ ایک باکردار لڑکی ہے، آپ کے ساتھ تو برسوں رہی ہے پتہ نہیں، آپ ایسی بات کیوں کر رہی ہیں، یہ کوئی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔'' مامی نے ناگواری سے کہا تھا اور پھر سے تسبیح پڑھنے لگی تھیں، ماموں حیدر اور حیدر کے ابو تا حال تھانے میں موجود تھے اور راز انوں کے وقت وہ لوگ لوٹ آئے تھے مگر ناکام، شفا کا کہیں سے کوئی پتہ ہیں چل رہا تھا، فنکشن کا تو کسی کو کیا کسی کو کیا کہہ کر ٹال دیا گیا تھا۔

آج رات جب بارات کا فنکشن تھا وہ کب اس بدنامی کو چھپا سکتے تھے، اسی دن شام پانچ بجے نڈھال سی شفا کو دیکھ کر سب کے چہرے پر الگ الگ تاثرات تھے کسی کے چہرے پر خوشی تو کسی کے چہرے پر رشک کے، گھر آنے کی خوشی تھی یا دو دن کا ذہنی دباؤ برداشت کرنا تھا کہ وہ نفیسہ بیگم کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی جنہوں نے اسے پہلے پہل دیکھا تھا۔

☆☆☆

''میں نے آپ کی ہر بات مانی، میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا مگر آپ لوگوں کی ضد کو دیکھ کر چپ کر گیا حالانکہ یہاں کے حالات آپ دونوں مجھ سے زیادہ بہتر جانتے تھے اور اب دیکھ بھی لیا

کہ دن دیہاڑے کوئی بھی آ کر کسی کو اٹھا کر چلا جائے اور کوئی پوچھنے والا ہی نہیں، وہاں بھلے ہی ہماری حیثیت دوسرے درجہ کی شہری کی ہے مگر ہماری جان عزت اور مال تو محفوظ رہتا ہے ناں، کسی کی جرأت نہیں کوئی آپ کو بغیر وجہ کے کچھ کہہ بھی سکے، حتیٰ کہ آپ کے ماں باپ بھی ایک حد تک آپ پر حق رکھتے ہیں، آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی پر میں راضی ہو گیا کہ وہ لڑکی مجھے بھی اچھی لگی تھی مغربی معاشرے میں پروان چڑھی لڑکیوں سے یکسر مختلف، شرم و حیا کا پیکر، کیونکہ میں ایسی ہی لڑکی اپنی بیوی کے طور پر چاہتا تھا، اب آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں مقررہ تاریخ پر یعنی آج ہی اس سے نکاح پڑھوا لوں تو ایسا میں نہیں کر سکتا، سوری۔'' اسفر نے ایک لمبی سی تقریر جھاڑ کر ماں باپ کو دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''مگر تم یہ بھی جانتے ہو اسفر کہ وہ لوگ شفا کو ایک غلط فہمی کی بناء پر لے گئے تھے اس لئے تو بغیر اسے کوئی نقصان پہنچائے چھوڑ دیا جب ان کو پتہ چلا کہ وہ مطلوبہ لڑکی نہیں ہے، ہمارے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ نے مہربانی کی اور ہمیں کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، ہماری بچی کی عزت اور جان بچ گئی اور بدنامی سے بھی بچ گئے ہم لوگ کہ ابھی بارات کا وقت نہیں گزرا کہ اس میں بھی چار گھنٹے باقی ہیں، تمہیں اعتراض کس بات پر ہے۔'' ماموں نے رسان سے بیٹے کو سمجھایا وہ اور زیادہ بھڑک اٹھا۔

''یہ تو آپ کی بھانجی کہہ رہی ہے ناں پاپا کہ وہ صحیح سلامت واپس آئی ہے، ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہاں اس کے ساتھ کیا گزری؟ وہ لڑکی جھوٹ بھی تو بول سکتی ہے چاہے غلط فہمی میں ہی سہی جو لوگ اسے لے کے گئے وہ اسے ایسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ چھوڑ بھی دیا ہے کسی بھی نقصان کے بغیر، تب بھی میرے دل کو اس بات کا یقین نہیں ہے، ساری زندگی ایک شک کے تحت اس کی اور اپنی زندگی اجیرن بنائے رکھنے سے بہتر ہے کہ میں اسے اسی وقت ہی اپنانے سے انکار کر دوں، آپ کی بھانجی بہت اچھی، شریف اور باکردار سہی، مجھے اب اس کے کردار پر یقین ہی نہیں رہا، بس آپ یہ بات سن لیں اور اگر آپ لوگوں نے مجھے زبردستی اموشنل بلیک میل کرنا چاہا تو میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر خالہ کے پاس واپس امریکہ چلا جاؤں گا۔'' کہہ کر وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔

☆☆☆

ماموں ممانی خود آئے تھے تایا جان کے پاس اور روتے ہوئے معافی مانگی تھی اور اپنی مجبوری بتائی تھی، تایا جان خود دم بخود رہ گئے تھے، تینوں بھائی اس وقت وہاں موجود تھے، حیدر کے ابو نے تو غصے میں ماموں مامی کو خوب سنائی تھیں، مگر شہلا چچی کے خاوند نے کہا تھا اس وقت لڑنے کا نہیں مسئلے کو حل کرنے کا وقت ہے، سب کو ہی بلوایا گیا تھا، بصیر چچا نے کامی سے کہا تھا کہ وہ شفا سے شادی کرنا چاہتا تھا، اب سہرا باندھنے کو تیار ہو جائے مگر اس کی بات سن کر وہاں سب ہی شاک میں رہ گئے، جب اس نے کہا۔

''واہ میں کیوں قربانی کا بکرا بنوں، جب میں نے اور میری بہن نے اس رشتے کے لئے ایڑیاں تک رگڑ ڈالیں تب تو کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور تو اور اغواء کا الزام بھی مجھ پر لگا دیا اور اب چاہتے ہیں کہ تھوکا بھی میں ہی چاٹ لوں، اب اتنی بھی محبت کی اندھی پٹی نہیں بندھی میری آنکھوں پر کہ پورا دن اور پوری رات باہر گزار کر آنے والی لڑکی کو عمر بھر کے لئے سر پر مسلط کر لوں۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے کامی، ہم کیوں دوسروں کا پھیلایا گند سمیٹیں۔'' شہلا چچی کو بھی اب اپنی بے عزتی یاد آئی تھی تو انہوں نے منہ بنا کر کہا تھا، حیدر سے شفا کی اتنی تذلیل برداشت نہ ہو سکی، وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر تایا کے پاس آیا تھا۔

''تایا جان! میں شفا سے نکاح کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ لوگ تیاری کیجئے میں مقررہ وقت پر اسے بیاہنے آؤں گا، کیونکہ مجھے نہ تو اس کی پاکیزگی پر کوئی شک ہے نہ پارسائی پر۔''

''میرا بیٹا بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی صاحب اور مجھے اس کے فیصلے پر فخر ہے۔'' نفیسہ بیگم نے کہا تو لمحوں میں ہی افسردہ ماحول تبدیل ہو گیا تھا، تایا جان فون پر بارات کا ٹائم اور مہمان کنفرم کرنے لگے تھے، حیدر اس کے امی، ابو نکاح کی تیاری کے لئے چلے گئے تھے۔

''مان گئے بھائی لڑکی کی قسمت کو، ایک سے ایک بڑھ کے لڑکا طلبگار بنا چلا آ رہا ہے، اور اپنی بھابھی کو دیکھا کہ ہماری بیٹی تو کبھی نظر نہیں آئی، ہمیشہ یہی راگ سنایا کہ بھانجی کو بہو بناؤں گی، اب کیسے بیٹے کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔'' تائی کا اس سے بغض وہیں کا وہیں تھا، تایا نے غصے سے فون بند کیا۔

''تم ہمیشہ ناشکری کی ناشکری ہی رہنا، تمہاری ایک بیٹی اپنے گھر میں خوش ہے دوسری کی بات بھی تقریباً طے ہے، تمہیں کا ہے کی تکلیف ہو رہی ہے، ایک اچھے قدم پر کسی کو سراہنے کی بجائے اعتراض سوجھ رہا ہے تمہیں، تم بھی تو اس بچی کے لئے اپنے بیٹے کا نام لے سکتی تھی آخر کو زندگی بھر سب سے زیادہ فائدہ بھی اس کی ذات سے تم نے اٹھایا ہے۔'' تایا یقیناً کسی بھی بات سے بے خبر نہیں تھے، مگر مصلحتاً چپ رہتے تھے۔

''میرا بیٹا کوئی فالتو ہے جو ایسے کوئی ایری غیری لڑکی اٹھا کے لے آؤں ہونہہ، اس آدمی کو تو ہمیشہ میری ہر بات بری لگی ہے۔'' تائی بڑبڑا کر اپنا بھاری وجود سنبھالتی اٹھ گئی تھیں۔

☆☆☆

پے در پے پیش آنے والے واقعات اتنے اچانک اور شدید تھے کہ اس کا دماغ سب قبول کرنے کے چکر میں ماؤف ہوا جا رہا تھا، آج کے دن ہی اس کی زندگی نے ایک نئے نام کو قبول کرنا تھا، دن تو وہی رہا تھا مگر نام بدل گیا تھا، رامین سے ساری تفصیل سن کر وہ جو اس واقعے کے زیر اثر خوفزدہ سی تھی اور زیادہ سہم گئی تھی کہ نجانے زندگی اب اسے کیا رخ دکھانے والی تھی، بعد میں ماموں مامی نے اس سے معافی مانگی تھی ماموں نے اس کی شادی پر ایک خطیر رقم کا چیک بھی دیا تھا اور تو اور ماموں اور ماموں کے ساتھ اسفر نے بھی اس کے نکاح اور بارات کی تقریب میں شرکت کی تھی، اب حجلہ عروسی میں حیدر کے متوقع ردعمل کا سوچ سوچ کر پریشان ہوئے جا رہی تھی، اس کے آنے پر ہاتھوں پیروں میں گویا سنسناہٹ سی دوڑنے لگی تھی، اس کے عام انداز میں کیے جانے والے سلام کا جواب بھی وہ نہیں دے پائی تھی۔

''میرا یقین کریں حیدر، میں بے قصور ہوں، چوبیس گھنٹے وہاں گزارنے کے باوجود میں نے کسی کو نہیں دیکھا، گاڑی میں مجھے رومال سنگھایا گیا اور بہت دیر بعد ایک آدمی نے مجھ سے آ کر کہا کہ کسی اور کی غلط فہمی میں مجھے اٹھا لیا گیا تھا، پھر اس نے میری آنکھوں......''

''بس...... ان خوبصورت لمحات کو اللہ نے مجھے بہت دعاؤں کے بعد نوازا ہے، ان کو میں

ایسی بے کار باتوں میں ضائع نہیں کروں گا، تم شفا ہو، میرے ہر درد کی، ہر غم کی، میری زندگی میں بس اتنا جانتا ہوں اور تمہاری تسلی کے لئے بتادوں کہ تم میرے لئے آج بھی وہی شفا ہو جس کے لئے میں نے راتوں کو تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگی ہیں اور میرے رب نے سچے دل کی ان دعاؤں کو ضائع نہیں جانے دیا، ہمارے درمیان کبھی بھی اس ناگوار یاد کا ذکر نہیں آئے گا جو تمہیں اداس کر دے۔'' اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر حیدر نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور محبت کی ان شدتوں کو اس کی سماعتوں کی نذر کرنا شروع کیا جو نجانے کب سے اپنے اندر چھپائے پھر رہا تھا۔

☆☆☆

پھر اس گھر کا کوئی فرد بھی ایسا نہیں تھا کہ جس نے شفا سے اس واقعے کے حوالے سے بات کی ہو، نتیجتاً وہ اس ناخوشگوار واقعے کو مشکل سے ہی سہی بھول گئی تھی، ماموں مامی کی اس سے محبت ہنوز قائم تھی، وہ لوگ خود ملنے آجاتے تھے، مامی بھی اسے بلوا بھیجتی تھیں، مگر حیدر کی اس سے محبت کی شدت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سے آفس میں نجانے کیسے دور رہ پاتا تھا ورنہ ایک لمحہ بھی شفا کا آنکھ سے اوجھل ہونا اسے بے چین کر دیتا تھا، ماموں کے گھر شفا کو خود لے کر جاتا تھا پھر ساتھ ہی لے آتا تھا، اسفر سے بھی کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تھی، حیدر نے تو اسفر سے کبھی کدورت رکھی ہی نہ تھی کہ اس کے خیال میں الٹا وہ محسن تھا اس کا، نہ وہ شفا سے شادی سے انکار کرتا نہ شفا اسے ملتی اور شفا جو اسفر کی شادی سے انکار کی وجہ جان کر اس سے خار کھانے لگی تھی حیدر کی خوبصورت رفاقت میں اب وہ بھی اس سے بات کر لیا کرتی تھی، نفیسہ بیگم کی بہن اگرچہ ان سے ابھی تک ناراض تھیں کہ انہوں نے اگر ان کی بیٹی کا رشتہ نہیں لینا تھا تو ان کو یہ راہ کیوں دکھائی تھی مگر نفیسہ بیگم نے رسان سے انہیں سمجھایا تھا کہ بچوں کی مرضی کے بغیر کیے گئے رشتے ایک تو ناپائیدار ہوتے ہیں دوسرے گھر کا سکون بھی برباد کر دیتے ہیں، دیر سے ہی سہی ان کو یہ بات سمجھ آگئی تھی، اپنے گھر کا پرسکون ماحول، شفا کی فرمانبرداری دیکھ کر وہ شکر ادا کرتیں کہ انہوں نے حیدر کے شفا سے شادی کے فیصلے پر اس کا ساتھ دیا تھا، ایک رشتے کا اعتماد کیا ملا تھا شفا کو کہ تائی بھی اب اسے اوپر دل سے ہی سہی بیاہی بیٹیوں جیسا مان اور عزت دینے پر مجبور تھیں، شہلا چاچی کے ہاں وہ بہت کم کم جاتی تھی مگر وہ بھی حیدر کے مضبوط حوالے کے بعد شفا سے محتاط رویہ رکھتی تھیں، شفا دل میں خوب ہنستی یہ صورتحال دیکھ کر کہ مضبوط حوالہ کیسے انسان کی اوقات اور حیثیت بدل دیتا ہے، چند ماہ گزرے جب شفا کو حیدر کچھ الجھا الجھا سا لگا تھا، اس کے پوچھنے پر وہ ٹال جاتا تھا اور ایک بار اصرار پر اس نے کہا تھا کہ اس کے آفس کا مسئلہ ہے، مگر جب اس کی پریشانی شدید ہوئی تب شفا نے نوٹس لیا تھا، فون کی ہر گھنٹی پر وہ چونک جاتا، ایک بار مسلسل گھنٹی بجنے پر شفا نے اس کی کال کیا اٹینڈ کی تھی کہ حیدر نے اسے بے نقط سنا ڈالی تھی اور سختی سے آئندہ فون اٹھانے سے منع کیا تھا۔

چچا جان ان کی شادی کے فوراً بعد دوبئی واپس چلے گئے تھے، وہ پریشان ہو گئے تھے جب انہیں تایا جان کے کال کر کے بتایا تھا کہ حیدر نے کمپنی کے مشترکہ اکاؤنٹ سے دو بار بڑی رقم نکلوائی ہیں اور اس کا کوئی حساب بھی نہیں دیا کہ لاکھوں پر مشتمل وہ رقم اس نے کہاں کی ہے، چچا جان نے حیدر سے خود باز پرس کی تھی مگر وہ آئیں

بائیں شائیں کر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اس دن بہت دنوں بعد حیدر کا موڈ خوشگوار تھا، اگلے دن اس نے آفس نہیں جانا تھا سو شفا کو بھی تقریباً پوری رات جگا کر اپنی داستان محبت سناتا رہا تھا، اگرچہ ایسا دورہ اسے اکثر و بیشتر پڑتا ہی رہتا تھا مگر اس بار اسے سننا زیادہ اچھا لگ رہا تھا کیونکہ بہت دنوں بعد وہ فریش موڈ میں تھا، محبت کی تجدید کروانے پر شفا بہت ہنسی تھی، کیونکہ ہر روز ہی وہ اس سے ہزار وعدے لیتا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ اسے چھوڑ کر تو نہیں جائے گی اور ہزار وعدوں اور یقین دہانیوں کے بعد اگلے دن وہ وہی سوال اور تجدید دہراتا تو ایسے میں شفا صرف ہنس دیتی تھی۔

''حیدر! کیوں آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ کر جا سکتی ہوں، ارے جس شخص نے مجھے اس وقت اپنایا جب اپنے پرائے سب ایک دوسرے کی غلطی کو میرے سر تھوپ کر مجھے سنگسار کرنے کو تیار کھڑے تھے، میں تو حیدر آپ کی اتنی محبتوں کے قابل بھی خود کو نہیں سمجھتی کہ آپ کا ایک احسان اتارنے کو میری یہ زندگی ہی کافی ہے، میں بار بار آپ کو بتا چکی ہوں کہ میری پتہ نہیں کس نیکی کے بدلے خدا نے مجھے آپ کو دان کیا ہے، میری تو سانس سانس پر سجدہ شکر واجب ہے، آپ پلیز ایسی بے اعتباری کر کے مجھے تکلیف مت دیا کریں۔''

اس رات آخری بات ان دونوں کے درمیان یہی ہوئی تھی، شفا کو چونکہ شروع سے ہی علی الصبح اٹھنے کی عادت تھی تو جتنی بھی دیر سے کیوں نہ سوئی وہ نماز کے وقت اٹھ جاتی تھی، اس دن بھی وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی تھی، بے سدھ سوئے حیدر پر ایک پیار بھری نظر ڈالی اور نفیسہ چچی کے لئے چائے بنا کر نماز کا ارادہ کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکلنے کو تھی جب حیدر کے مسلسل بجتے سیل کی طرف متوجہ ہوئی، پھر اسے گزشتہ دنوں حیدر کی دی جانے والی تنبیہ یاد آئی اور ایک بار پھر ایک خیال آنے پر تیزی سے موبائل کی طرف آئی کہ اس نے گھنٹیوں کے ختم ہونے کے فوراً بعد میسج ٹون سنی تھی، کوئی ضروری میسج نہ ہو، یہی سوچ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا موبائل اٹھایا اور آج تک پچھتا رہی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا، کسی ارسلان نامی بندے کی آٹھ مس کالز کے بعد میسج تھا جس نے اس کے دل کی حالت کہ تہہ و بالا کر دیا تھا۔

''فون اٹینڈ نہ کر کے تم سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے چھپ گئے، ٹھیک ہے ایسے تو ایسے ہی سہی میں آج ہی تمہارے گھر آ کر سب کو تمہاری حقیقت بتاؤں گا کہ کیسے تم نے اپنی بیوی کو اغواء کروا کے پورا ایک دن اور ایک رات میرے فلیٹ پر رکھا تھا، تم نے مجھے اس کام کے عوض جو رقم دینی تھی وہ اگرچہ دے چکے ہو مگر اب سوچتا ہوں کہ وہ کام آسان ہرگز نہیں تھا جو تم چند لاکھ دے کے بری الزمہ ہو گئے، کل تمہیں دی ہوئی مہلت ختم ہوئی، آج میرا انتظار کرنا، کیونکہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے پانچ لاکھ مزید دے دو پھر میں کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا، مگر تم شاید اسے دھمکی سمجھے تھے، اب اپنی بربادی کے تماشے کے لئے تیار رہو۔'' موبائل شفا کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا تھا، کچھ دیر بیٹھ کر سود و زیاں کا حساب لگانے کے بعد وہ اٹھی اپنا پرس اٹھا کر کچھ رقم اس میں ڈالی، موبائل رکھا اور چادر اٹھا کر باہر آ گئی، مین روڈ سے ہی اسے ٹیکسی مل گئی تھی، پہلی فرصت میں ہی وہ ماموں کے گھر آئی تھی، اس کی ایسی مخدوش حالت دیکھ کر مامی پریشان ہو گئی

تھیں، اس نے مامی سے فقط اتنا کہا تھا کہ وہ حیدر کے ساتھ مزید نہیں رہ سکتی، اسے ہر صورت طلاق چاہیے اور کمرے میں بند ہو کر اپنے موبائل سے ایسا ہی ایک ٹیکسٹ حیدر کو کیا موبائل آف کر کے دور اچھالا اور بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''اتنا بڑا دھوکہ حیدر، اگر جو چچا چچی مجھے قبول نہ کرتے، ضد پر اڑ جاتے، اگر جو اسی لڑکے کی نیت خراب ہو جاتی جس نے مجھے اغواء کر کے اپنے فلیٹ میں رکھا۔'' کتنے سارے اگر...... اگر تھے جو اس کے گرد چکرا رہے تھے مگر ایک کا بھی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

جواب ہوتا بھی تو یہ طے تھا کہ اسے اس شخص کی زندگی میں دوبارہ لوٹ کر نہیں جانا تھا، جس نے زندگی کی بنیاد ہی ایک دھوکے پر رکھی تھی۔

☆☆☆

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو حیدر، تمہیں ذرا بھی حیا نہیں آئی ایسا رذیل قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی عزت کو ہی اغواء کروا لیا، تمہاری بہن کے ساتھ کوئی ایسا کرے تو۔'' نفیسہ بیگم کتنی دیر تو مارے صدمے کے بول ہی نہ سکیں اب جو بولیں تو بس نہیں چل رہا تھا کہ مار مار کر اس کی شکل بگاڑ دیں، حیدر تڑپ ہی تو گیا تھا ایسی بات سن کر۔

''تو کیا کرتا، کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا میرے پاس اس کے سوا، پتہ نہیں کب سے اس کو اس حوالے سے سوچ رکھا تھا، جب اس کا نام لینے کا وقت آیا آپ نے اس کا رشتہ طے ہونے کی خبر سنا دی اوپر سے آپ کا ایسا رویہ کہ میری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھیں، بتائیں میں کیا کرتا، میں تو ہر جائز راستہ اپنانے کو تیار تھا، تایا سے لے کر اس کے ماموں تک کے پیر پکڑنے کو، ایک طرف آپ ضد پر اڑ گئی تھیں دوسری طرف شفا، اس وقت میرے پیش نظر شفا کی شادی رکوانا تھا۔''

''اور اس کا حل تم نے یہ ڈھونڈا کہ لے کے اس کو اغواء ہی کروا لیا۔'' نفیسہ بیگم نے تڑخ کر کہا۔

''اب مزید تمہاری خواہش ہے کہ میں چل کر اسے مناؤں، کس منہ سے مجھے یہ سب کہہ رہے ہو، وہ تو سمجھدار بچی ہے ابھی تک بات کو اپنے تک محدود رکھا ہے، اس کی مامی کا دو تین بار فون آ چکا ہے پوچھنے کے لئے کہ کون سا ایسا جھگڑا ہو گیا ہے تم دونوں کے درمیان کو شفا جیسی صابر بچی بھی طلاق کے لئے زور دے رہی ہے، ابھی تو تمہاری تائی اور چچی کو سن گن نہیں ہے اس معاملے کی، بتاؤ بھلا میں کیسے سلجھاؤں اس معاملے کو، کیا صفائی پیش کروں گی حیدر میر اخر مٹی میں ملا دیا تم نے، میں نے ایسی تربیت کی تھی تمہاری؟'' نفیسہ بیگم کا ملامتی بیان جاری رہتا اگر جو رامین نہ آ جاتی۔

''اچھا امی جان! اب بس کریں اس قصے کو یہیں سمیٹ دیں، تائی جان کی سواری باد بہاری تشریف لا رہی ہے اور مجھ سے بہتر آپ دونوں جانتے ہیں کہ وہ رائی کے بغیر ہی پہاڑ بنانے میں ماہر ہیں۔'' رامین نے دونوں کو خبردار کیا، حیدر تو مژمردہ سا باہر نکل گیا جبکہ نفیسہ بیگم نے مشکل سے اپنے چہرے کے تاثرات نارمل کیے تھے۔

☆☆☆

''دیکھو بیٹا! تم ابھی بچی ہو، رشتوں کی نزاکت کو نہیں سمجھتی ہو، گھر کو بنانے میں برسوں لگ جاتے ہیں مگر بگڑنے میں ایک لمحہ لگتا ہے، میں تمہاری ماں کی جگہ پر ہوں، نہیں پوچھوں گی کہ ایسا کیا ہوا کہ تم جیسی سمجھدار بچی اتنی بڑی

بات منہ سے نکال رہی ہے مگر مغربی ملک میں تمام عمر گزار کر بھی زندگی کا یہی نچوڑ سمجھ پائی ہوں کہ گھر ٹوٹنے میں بھلے ہی سو فیصد قصور مرد کا ہو، گناہ گار عورت سمجھی جاتی ہے، سمجھوتہ کامیاب ازدواجی زندگی کی کنجی ہے، جو سپر اگر کار بند رہو تو دنیاوی جنت کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، حیدر کئی چکر لگا چکا ہے، تم ایک بار اس کی بات آرام سے سن لو، اس نے جو کچھ بھی کہا ہے یا کیا ہے اس کے چہرے سے لگتا ہے کہ وہ شرمندہ ہے اور شرمندہ انسان کو معاف کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے اسی میں بھلائی ہے۔'' مامی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی اسے سمجھا رہی تھیں، جبکہ شفا کی آنکھوں سے صرف آنسو رواں تھے، ان کی بات مکمل ہوتے ہی وہ اٹھ بیٹھی۔

''جو کچھ اس نے کیا ہے اس کا ذکر بے معنی ہے اس وقت مامی، مگر میں کیا کروں کہ ایک سوچ کے بدلنے سے جذبات بھی بدل سے گئے ہیں، میں اس شخص کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہوں، نہ ہی ایسی منافقت بھری زندگی گزار سکتی ہوں کہ دل میں جس شخص کے لئے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہو اسی کے ساتھ اپنے شب و روز بسر کرتی رہوں، آپ واقعی میری ماں کی جگہ ہیں آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر مگر مجھے واپس لوٹ جانے کو مت کہیں۔'' اس نے ایسی دلگیری سے کہا کہ مامی چپ ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

اگلے روز ماموں اور اسفر بھی واپس آ گئے تھے، ماموں نے شفا آئی ہوئی ہے جان کر خوشی کا اظہار کیا تھا، مامی نے فی الحال انہیں کچھ بتانا مناسب نہ جانا تھا، مامی اسے کمرے سے بلانے گئی تھیں مگر دروازے کے پاس ہی اسے آڑا ترچھا گرا دیکھ کر وہ بوکھلا سی گئی تھیں، آواز دینے پر ماموں چلے آئے تھے اور اسے فوری ہسپتال لے جایا گیا تھا، مامی نے فون کر کے نفیسہ بیگم کو بھی اطلاع کی تھی اور حیدر تو پتہ چلتے ہی گویا اڑتا چلا آیا تھا کہ شفا ہسپتال میں تھی، کچھ ہی دیر میں ڈاکٹرز نے ان سب کو تسلی دلا دی تھی کہ وہ ماں بننے والی تھی اور کمزوری کے باعث اسے چکر آئے تھے، ایسی کوئی تشویش والی بات نہیں تھی، نفیسہ بیگم اور رامین بھی پہنچ چکی تھیں، شفا عجیب گم صم حالت میں تھی، زندگی کے اس موڑ پر جب اس کی ازدواجی زندگی بیچ منجدھار پھنسی ہوئی تھی وہ ہرگز بھی ایسی کوئی بات نہیں چاہتی تھی، سب سے پیچھے حیدر کو کھڑا دیکھ کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں اور جب ڈسچارج کراتے وقت نفیسہ بیگم نے کہا تھا کہ ان کی بہو ان کے ساتھ جائے گی تو اس نے کہا تھا کہ وہ ماموں کے گھر جانا چاہتی ہے، نفیسہ بیگم فقط ایک ملامتی نظر حیدر پر ڈال کر رہ گئی تھیں، یوں اس کا اتنے دن ماموں کے گھر رہنا طبیعت خرابی کی وجہ سمجھ گیا تھا، حیدر ماموں کے گھر کے چکر لگا لگا کر تھک چکا تھا مگر شفا اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں تھی، اس کی آمد کی خبر سن کر وہ خود کو کمرے میں مقید کر لیتی تھی اور سیل فون تو کب کا آف کر کے اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا، حیدر اپنی صفائی دیتا بھی تو کیسے دیتا، ایسے ہی ایک دن جب وہ مسلسل دو گھنٹے اس کا انتظار کرتا رہا، اس کے کمرے کا دروازہ بجا بجا کر تھک گیا تو شفا کا اندر سے کہا گیا ایک ہی جملہ اس کے حواس مختل کر گیا، اس نے کہا تھا کہ وہ نہ تو اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے نہ ہی ایسے شخص کی اولاد چاہتی ہے، وہ جلد ہی اس سے جڑے ناگوار تعلق اور اس تعلق کی نشانی کو اپنی زندگی سے ختم کرنے کے لئے کچھ بھی کرے گی مگر واپس لوٹ کر نہیں آئے گی، سدا کا جذباتی

حیدر جو ایک جذباتی فیصلے کی سزا بھگت رہا تھا نے وقت اور حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور معاملہ فہمی سے سلجھانے کی بجائے گھر آ کر خواب آور گولیوں کی بڑی مقدار اپنے اندر انڈیل لی تھی کہ جس زندگی میں شفا نہ ہو اسے ایسی زندگی جی کر کیا کرنا تھا۔

☆☆☆

حواس باختہ سی مامی نے آ کر جو خبر شفا کو سنائی تھی اسے سن کر اس کے اندر سناٹے اتر گئے، وہ شخص زندگی اور موت کی کشمش میں ہے، یہ سن کر اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا گویا، وہ مامی کے گھر کیوں اور کس وجہ سے تھی، یہ سب بھول کر فوری طور پر اسفر کے ساتھ وہ اور مامی مطلوبہ ہسپتال پہنچی تھیں، رامین، نفیسہ چچی کے علاوہ وہاں تائی جان اور تایا جان بھی بے حد پریشان تھے کہ اس کا معدہ تو بروقت واش کیا جا چکا تھا مگر ڈاکٹرز نے فی الوقت کوئی تسلی نہیں دلائی تھی، رامین تو اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''سوال تو یہ ہے کہ اتنا سمجھدار ہو کر حیدر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے؟'' تائی جی نے مشکوک نظروں سے شفا کو دیکھ کر سوال کیا۔

''اے شفا! کہاں تو حیدر کو ایک پل سکون نہیں تھا تمہارے بنا اور اب پندرہ دن ہونے کو آئے تم اپنے ماموں کے گھر ہو، کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا تم دونوں کے درمیان، جذباتی تو سدا کا ہے حیدر اور تم سے محبت کا عالم بھی عجیب ہی ہے، ہو نہ ہو کوئی بات ہے تو سہی، تم لوگ چھپا رہے ہو یہ اور بات ہے ورنہ کون یوں اپنی جان کا دشمن بنتا ہے۔''

''خدا کے لئے یہ جھگڑے گھر جا کر نبٹانا، ایسی باتوں کا وقت نہیں ہے ابھی، دعا کرو بچے کی زندگی اور صحت کے لئے، کیوں اور کیسے یہ بعد کی باتیں ہیں۔'' تایا جان نے جھنجھلا کر کہا، چچا جان اور شہلا چچی بھی وہاں پہنچ چکے تھے، سب کے چہروں پر پریشانی تو تھی ہی تجسس بھی تھا کہ ایسا کیوں ہوا؟ شفا چپ چاپ نفیسہ بیگم کے پہلو میں بیٹھ کر تسبیح کرتی رہی اور روتی رہی، ذہن میں کوئی ایک سوچ جم نہیں پا رہی تھی، ماسوائے اس بات کے کہ اے اللہ اس کی زندگی بخش دے، کئی گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد اس کے خطرے سے باہر آنے کی اطلاع ملی تھی، جب سب اسے دیکھنے کے لئے گئے تھے، شفا چپکے سے وہاں سے نکل آئی تھی، راستہ بھر آنسو اس کا چہرہ بھگوتے رہے تھے، عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا اس شخص نے اس کو کہ اس کے ساتھ میں بھی اذیت کا احساس تھا اور اس کے بغیر کا سوچ کے زندگی میں سناٹا نظر آتا۔

اگلے دن ماموں، مامی اور اسفر ہاسپٹل جا رہے تھے حیدر کو دیکھنے جب اسے بھی چلنے کو کہا تھا، اس کا انکار ماموں کو کھٹک گیا تھا کہ کہاں ایک دن بھی حیدر کے بغیر ان کے گھر نہ رہنے والی شفا اتنے دنوں سے ان کے گھر تھی، حیدر نے ایک چکر بھی نہیں لگایا تھا، (حیدر ہمیشہ جب بھی آتا ان کی غیر موجودگی میں آیا تھا) اور اب حیدر اتنی سریس حالت میں ہسپتال میں تھا اور شفا دم سادھے بیٹھی تھی، ان کے استفسار پر مامی نے بتایا کہ ان دونوں کے بیچ تھوڑی ناراضی چل رہی تھی، ماموں مامی پر خفا ہوئے کہ انہیں کیوں لاعلم رکھا گیا ہے، وہ دونوں کو بلا کر باز پرس کرتے، چھوٹی موٹی ناراضیوں پر نہ تو گھر چھوڑا جاتا ہے، نہ ہی ایسے انتہائی قدم اٹھائے جاتے ہیں۔

☆☆☆

نفیسہ بیگم کچھ دیر اس کے سامنے بالکل

خاموش بیٹھی رہیں پھر گویا ہوئی تھیں۔

"خدا گواہ ہے شفا! میں بھی حیدر سے اتنی ہی ناراض تھی جتنی تم، اس نے قدم ہی اتنا غلط اٹھایا تھا، میں آج بھی تمہیں حق بجانب سمجھتی ہوں، تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی اس کا ردعمل اور فیصلہ یہی ہوتا، مگر بیٹا کل جب میں نے اپنے بیٹے کو موت کے منہ میں دیکھا میں رہ نہیں سکی، موت ہے ہی ایسی ظالم حقیقت کہ جب نظر آئے تو صرف وہی سامنے ہوتی ہے باقی ساری حقیقتیں پس پشت چلی جاتی ہیں اور ایک ماں جب اپنے بچے کو کسی ایسی حالت میں دیکھے تو اس کے درد کا اندازہ کوئی بھی نہیں لگا سکتا۔" وہ رو دیں تھیں، شفا کے بھی آنسو نکل آئے تھے۔

"اسے معاف کر دو شفا، جس کو ضمیر کی مار مل جائے اس کے لئے باقی ساری سزائیں بے معنی ہیں، احساس جرم تو تب سے ہی تھا اس کے اندر جب سے غلط قدم اٹھا کر تمہیں بیاہ لایا، اس میں جب تمہارے کھونے کا خوف بھی شامل ہو گیا تو وہ برداشت نہیں کر پایا، جذباتی نظریہ سے ہٹ کر سوچو تمہارے اس سے الگ ہونے میں بہت سی زندگیاں برباد ہوں گی، اپنی اہمیت اس کی زندگی میں دیکھ چکی ہو شفا، وہ بار بار ایسا قدم اٹھائے گا، اور اللہ ہر بار موقع نہیں دیتا، پھر اپنے بچے کے بارے میں سوچو بیٹا، اس کی زندگی کی فلاح تم دونوں کے ساتھ میں ہے، ماں یا باپ میں سے کسی ایک کی محرومی یا دونوں کا نہ ہونا انسان کی زندگی میں کیا کیا قیامتیں لاتا ہے، مجھ سے کہیں تم بہتر جانتی ہو۔" شفا کے دل پر ہاتھ پڑا تھا گویا۔

"اس کا طریقہ غلط سہی مگر تم سے محبت ہی اتنی شدید تھی کہ اس وقت اسے جو سمجھ میں آیا اس نے وہ کیا، وہ ہزار بار معافی مانگنے کے لئے تیار ہے، کتنے دن اس نے اس بلیک میلر کی طرف سے ذہنی اذیت برداشت کی، ہر پل تمہیں کھو دینے کا ڈر، کتنے محاذوں پر وہ لڑتا رہا تھا، معاف کرنے میں عظمت ہے، اسی میں سکون ہے، اپنے گھر چلو شفا، مجھے میرے بچے کی زندگی کی ضمانت اللہ کے بعد تم ہی دے سکتی ہو اور اپنے بچے کی بقا کی بھی۔" نفیسہ بیگم نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے، شفا نے تڑپ کر ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"میں ماں ہوں شفا، بچے کا چہرہ دیکھ کر اس کی ضرورت اور خواہش جاننے والی، سب کے درمیان تمہیں نا پا کر جب اداس ہوا بجھ گیا مجھ سے رہا نہیں گیا، اسے ایک ماں کی خود غرضی سمجھو، محبت یا کچھ بھی، مجھے خالی ہاتھ مت لوٹانا، ایک ماں کے جذبات کا صحیح اندازہ تمہیں تب ہو گا جب تم خود ماں بنو گی، میں چلتی ہوں اب، شام کو حیدر کو ڈسچارج کیا جا رہا ہے میں چاہتی ہوں میرا بچہ جب صحت یاب ہو کر آئے اس کی بیوی اور ہونے والے بچے کی ماں گھر اس کا استقبال کرے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا کہ ایک تمہاری معافی میں کئی زندگیوں کی خوشی پوشیدہ ہے۔" نفیسہ بیگم نے اٹھتے اٹھتے کہا۔

"رکیں چچی! میں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں، میرے ساتھ تو اس شخص نے جو کچھ کیا ہو سکتا ہے معاف کر پاؤں یا شاید نہیں، اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا، مگر میں اس لئے چلوں گی کہ میں اپنے بچے کو ایک اور شفا بنتے نہیں دیکھ سکتی۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی، نفیسہ بیگم نے اسے گلے سے لگا لیا، بچے کے لئے ہی سہی اس کے بروقت فیصلے نے ان کے گھر کی خوشیاں ان کو لوٹا دی تھیں۔

☆☆☆

اور سفر تمام ہوا

تمثیلہ زاہد

"حامد بھائی امریکہ جا رہے ہیں۔" وہ جو مزے سے فرنچ فرائز کے مزے لوٹ رہی تھی حیران نظروں سے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"سچ میں۔"

"سچ جناب۔" صبا نے اس کا کھلا منہ دیکھ کر قہقہہ لگایا اسے اس کے اسی انداز کی توقع تھی پلیٹ میں رکھے فرنچ فرائز اٹھا کر وہ مزے سے بولی تھی۔

"صالحہ پھپھو پر تو بم پھوٹا ہوگا۔" وہ اب اپنی پلیٹ پر یوں دن دہاڑے ڈاکا پڑتے دیکھ کر ہوش میں آئی اور اپنی پلیٹ چھپالی یہ فرنچ فرائز اس نے ایک گھنٹے کی مشقت کے بعد بنائے تھے ورنہ اس مشقت کی تو وہ عادی نہ تھی۔

"ہاں تو اور کیا ماہ نور کے تو مزے ہو گئے بیٹھے بیٹھے لاٹری جو نکل آئی۔" صبا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"ویسے ماہ نور ہے خوش قسمت اور بندہ حسین ہو تو خوش قسمتی خود ہی دروازہ کھٹکھٹانے لگتی ہے۔" حنا آہ بھر کر بولی۔

"رہنے دو ہم دونوں کالی چڑیلیں تو نہیں کہ خوش قسمتی ہمیں منہ بھی نہیں لگاتی، اچھی بھلی شکل صورت ہے پھر بھی خاندان کے سارے لڑکے ماہ نور کے دیوانے ہیں، سارے پروانے اسی ایک شمع کے لئے رہ گئے ہیں۔" صبا نے جل کر جواب دیا۔

"لڑکے رنگ و روپ کے ساتھ ساتھ اداؤں پر بھی مرتے ہیں، ماہ نور محترمہ ہر ہتھیار سے لیس ہو کر جب خاندان میں نکلتی ہیں تو اچھی طرح جانتی ہے کہ کون سا ہتھیار کس پر کب آزمانا ہے، ان ساری شتر بازیوں سے ہم بیوقوف ناواقف ہیں۔"

"ویسے خالہ کو ماہ نور کی شادی میں جلد بازی

نہیں کرنی چاہیے حامد بھائی اور ماہ نور کی عمر میں دس سال کا فرق ہے، میں تو ماہ نور کو باؤلی ہی کہوں گی۔'' صبا کا انداز لاپرواہ تھا۔

''باؤلی نہیں سمجھدار کہو، خاندان میں جب بھی مارا لمبا ہاتھ مارا، سنا ہے حامد بھائی اس کے عشق میں ایسے پاگل ہیں کہ اچھی بھلی نوکری چھوڑ کر امریکہ ماہ نور کے کہنے پر جارہے ہیں۔'' حنا رازدرانہ لہجے میں بولی۔

''ہاں بچپن سے ہی اسے باہر جانے کا شوق تھا، اب کرے گی نہ سارے شوق پورے۔'' وہ آہ بھرتے ہوئے بولی اس کے لہجے میں ماہ نور کے لئے رشک وحسد کے ملے جلے جذبات تھے جسے حنا بھی محسوس کررہی تھی۔

''ابھی ماہ نور کی عمر ہی کیا ہے انٹر کا امتحان ہمارے ساتھ دیا ہے اور خالہ کو دیکھو میٹرک کرتے ہی اس کی منگنی حامد بھائی سے کردی، کچھ بھی ہو حنا خالہ کو دونوں کی عمروں کا فرق دیکھنا چاہیے تھا حامد بھائی سے چھوٹا فیصل بھی تو تھا۔'' صبا اپنے موقف پر اڑے پھر سے بولی تھی۔

''بہتر آپشن تو حامد بھائی ہی ہیں، فیصل بھائی حامد بھائی کی طرح کاٹھ کے الو نہیں ہیں یہ بات ماہ نور اور خالہ بھی سمجھتی ہوں گی نا، فیصل بھائی نے کبھی خالہ کی کسی بات سے انحراف نہیں کیا حامد بھائی کی طبیعت میں ضد اور ہٹ دھرمی ہے ان کے دماغ میں جب کوئی چیز آجاتی ہے وہ کر گزرتے ہیں کسی بھی بات کی پرواہ کئے بغیر اپنی ضد پوری کرکے رہتے ہیں، اب دیکھو نا حامد بھائی انجینئر بننا چاہتے تھے بن گئے، حالانکہ ان کا داخلہ میڈیکل کالج میں پھپھو کروانا چاہتی تھیں، پھپھا سرجن ہیں اور وہ حامد بھائی کو بھی ڈاکٹر بنانا چاہتی تھیں لیکن حامد بھائی نہ مانے اور این ای ڈی میں ایڈمیشن لے لیا، پھر انہیں ماہ نور سے محبت ہوگئی تو جھٹ پھپھو کے منع کرنے کے باوجود منگنی بھی کرڈالی، اب اچھی بھلی جاب ہے لیکن ماہ نور صاحبہ نے دماغ میں ڈالا ہوگا کہ امریکہ کے لئے اپلائی کریں، وہاں دیکھو قسمت سے نوکری بھی مل گئی ویزہ بھی آگیا۔'' حنا نے صبا کی طرف دیکھ کر کہا جو اس کی ہر بات پر تائید کرتے گردن ہلارہی تھی۔

''چلو کل خالہ کی طرف چلتے ہیں بہت دن ہوگئے۔'' صبا کی آنکھیں کچھ سوچ کر چمکی تھیں، جب سے امتحان سر پر تھے وہ دو ماہ سے خالہ کے گھر نہ جاپائیں ورنہ پندرہ دن میں ایک بار خالہ کے ہاں کا چکر ضرور لگ جایا کرتا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے عیدالاضحیٰ آنے میں بھی ایک ہفتہ باقی ہے، یاد ہے پچھلی بار حامد بھائی کی طرف سے بکرا آیا تھا خالہ کی تو اتنی حیثیت بھی نہیں کہ گائے میں ایک حصہ ہی ڈال لیں، ان کے ہاتھ میں تو بیٹھے بٹھائے بلینک چیک آگیا ہے۔'' حنا نخوت سے بولی۔

''ٹھیک کہتی ہو حنا پلا پلایا بکرا حامد بھائی کی صورت میں ماہ نور کو مل تو گیا ہے۔'' صبا نے حنا کی تائید میں ایک بھونڈا قہقہہ لگایا تھا۔

''پھر کل چلیں خالہ کی طرف سچ میں پیٹ میں مروڑ ہورہی ہے۔'' دونوں کے قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے، صبا اور حنا تھیں ہی ایسی، نک چڑی اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے والی دونوں بہنیں ماہ نور کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتیں، کچھ ایسا ہی پروگرام اب بھی تھا، ماہ نور کی خوبصورتی اور قسمت سے حاسدو شاکی ذہنیت کی مالک دوسرے دن ماہ نور کے گھر جاپہنچی۔

☆☆☆

''کیسا لگ رہا ہے۔'' ایک معنی خیز

مسکراہٹ چہرے پر اوڑھے صبا ماہ نور کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی، پیچھے پیچھے پرس سنبھالے حنا بھی چہک رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ اپنے گلے میں جھولتا سفید ململ کا دوپٹہ صحیح کرتے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی، دونوں کی غیر متوقع آمد سے وہ لمحے بھر کو چونکی۔

''ایسے بچی بن رہی ہو جیسے کچھ معلوم ہی نہیں۔'' حنا اپنے کندھے سے پرس اتار کر وہیں بیٹھ گئی اور اس کے پہنے نئے لان کے سوٹ پر سرسری نگاہ ڈالی۔

''الہام کی ودیعت مجھے اللہ نے عطا نہیں کی۔'' وہ اس کا طنز اپنی خاموش نگاہ میں سمو کر آرام سے بولی، اس کا پرسکون لہجہ صبا کو بری طرح تپا گیا تھا۔

''باہر صحن میں دو بکرے بندھے دیکھ کر مبارک باد دے رہیں ہیں تمہیں۔'' اب کی بار صبا نے سنبھل کر لہجے میں نرمی اتاری جس کا ماہ نور پر کچھ خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔

''بہت شکریہ۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''حامد بھائی نے بھیجے ہیں۔'' حنا اس کے ہاتھ میں نئے آئی فون کو دیکھ کر جل کر بولی۔

''ہاں۔'' ماہ نور نے آئی فون پر اپنی ہلچل ہوتی انگلیوں کو لمحے بھر کے لئے روکا اور ایک نظر حنا کی طرف سرد نگاہ ڈال کر بولی، حنا نے اسے اپنے آئی فون پر دوبارہ مصروف دیکھ کر ہونٹوں کو گول دائرہ بنا کر صبا کی طرف بولتی نظروں سے دیکھا، صبا نے آنکھ کے اشارے سے ماہ نور کی طرف دیکھ کر کندھے اچکائے جو خود بھی اکتا رہی تھی، شاید ماہ نور کے دل میں اب تک وہ آخری ملاقات تھی جس میں ان دونوں نے اس پر خاصے طنز و تحقیر کے جملے اچھالے تھے یا شاید وہ خود کو مصروف پوز کر رہی تھی، دونوں کو اپنا آپ کمرے میں رکھی کوئی فالتو شے سی لگ رہی تھی۔

''لگتا ہے تمہیں ہمارا آنا اچھا نہیں لگا، سوری تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہم نے۔'' صبا اور حنا خائف نظروں سے اپنے آئی فون پر جھکے ماہ نور کی طرف دیکھ کر بولیں اور اپنا پرس سنبھال کر کھڑی ہو گئیں، معاً انہیں لگا کہ دہکتے انگاروں پر لوبان کے جلنے کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی ہے، عجیب خوشبو تھی جو صحن سے اٹھتی کمرے کی طرف بڑھتی محسوس ہو رہی تھی، یقیناً یہ خالہ عصمت ہی ہوں گی۔

خالہ عصمت جب ان کے گھر کے پچھلی طرف رہتی تھیں تو ہر جمعرات لوبان کی دھونی پورے گھر میں سلگا کرتی تھی جب سے خالہ عصمت گھر سے گئیں ہیں اس گھر کے در و دیوار لوبان کی دھونی سے محروم ہو گئے تھے، اسے تو لوبان کی مہک بے حد پسند تھی لیکن اماں، اماں جو خالہ کی بڑی بہن تھیں لوبان کی دھونی سے سخت چڑ جاتیں، وہ ناک میں کپڑا ڈالے عصمت خالہ کو خبطی وہمی کے القابات سے سارا دن نوازتی رہتیں، عصمت خالہ کا کہنا تھا گھر کی برکت اور اسے ہر شر سے پاک رکھنے کے لئے لوبان کی دھونی ان کے بزرگ ہر جمعرات کو دیتے تھے، وہ بھی اس عقیدے کو دل میں پالے ہر جمعرات کو اب تک لوبان کی دھونی دیتی آ رہی تھیں۔

''عصمت خالہ!''

صبا نے کمرے میں داخل عصمت خالہ کو دیکھ کر پکارا پھر محبت سے لپٹ گئی، انہوں نے بھی دونوں کو اپنے سینے میں چھپا لیا، دونوں انہی کی ہاتھوں تو پلی بڑھی بچیاں تھیں۔

''آج آپ نے کھیر بنائی ہو گی، ہے نا۔'' حنا کو یاد آیا وہ جمعرات کے دن کھیر ضرور بناتی

تھیں، اب وہ کھیر دودھ چاول کے علاوہ کسی بھی چیز سے بن جاتی تھی، عصمت خالہ نے خالو کے جانے کے بعد زندگی کا ایک حصہ غربت میں گزارہ تھا، وہ صابر وشاکر عورت تھیں ہر حال میں خوش مگن رہنے والی۔

''ہاں بیٹا کھا کے جانا میں نے ابھی بنائی ہے سوجی کی کھیر۔''

''خوشبو آ رہی ہے۔'' صبا نے لمبا سانس کھینچ کر شوخی سے کہا، وہ عصمت خالہ کے ہاتھ کے ذائقے کو اپنی چٹوری زبان پر محسوس کر رہی تھی۔

''خالہ آپ کہتی ہیں تو رک جاتے ہیں ورنہ آپ کی بیٹی کے مزاج تو بڑے ہائی فائی ہو گئے ہیں، منگیتر کے دیئے نئے آئی فون سے چمٹی بیٹھی ہے۔'' حنا نے خالہ کو دیکھ کر ماہ نور کی طرف ٹیڑھی نگاہ ڈال کر زبان سے شکوہ کر ہی ڈالا، لیکن ماہ نور اس ساری گفتگو میں اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی، جس کی توقع ان دونوں ہی کو نہ تھی، اس انقلاب کی وجہ اب تک سمجھ سے بالاتر تھی۔

''ہاں بھئی پیسے والی ہوگئی ہیں تو دماغ تو ساتویں آسمان پر پہنچے گا نہ خالہ ابھی سے یہ حال ہے باہر جا کر تو منہ بھی نہیں لگائے گی۔'' صبا نے بھی آگے بڑھ کر اپنے دل کی جلی کٹی سنائی جسے خالہ اپنی سادگی میں ہنس ہنس کر ٹال گئیں۔

''جاب مل گئی ہے نا اسے تو شاید تھک گئی ہے، ابھی تو کچھ دیر پہلے آفس سے آئی ہے۔''

''جاب۔'' دونوں یک زبان ہو کر بولیں۔

''ماہ نور بتایا نہیں جاب کا۔'' انہوں نے بیٹی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سر اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''یہ باہر بندھے بکروں کے سحر میں ایسی جکڑی تھیں کہ کوئی اور بات ہو نہ سکی۔'' ماہ نور کے سرد انداز کو کھلے منہ سے صبا نے دیکھا تھا، وہ کتنا بدل گئی تھی یقیناً یہ ملازمت ہی تھی جو اسے ایک اعتماد کے ساتھ بدلنے پر اکسا رہی تھی ورنہ تو وہ دبو سی لڑکی۔

''اچھا اچھا بس میں کھیر لاتی ہوں تم بیٹھو بیٹا سمو سے بھی تلتی ہوں کھا کے جانا۔'' وہ کمرے سے کہہ کر نکل گئیں تو دونوں کا رخ ماہ نور کی طرف مڑا۔

''کیا کہہ رہی تھیں خالہ۔''

''جو تم نے سنا۔'' وہ اب مسکرا رہی تھی۔

''لو بھلا اب ہم سے یوں غیروں کی طرح باتیں کرو گی۔'' صبا روٹھ سی گئی۔

''تم نے کب اپنا سمجھا تھا۔'' ماہ نور نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ سٹپٹا سی گئی، کئی سوال تھے جو اسے ماہ نور کی آنکھوں میں نظر آ رہے تھے۔

''تم اپنا سمجھو تو۔'' حنا کہتے کہتے رک گئی۔

''تم نے اپنا ہمیں سمجھا ہی نہیں۔'' ماہ نور کی آنکھوں میں پھر سوال تھا جیسے وہ آج حساب کتاب کو نمٹانے کا ارادہ طے کر کے بیٹھی ہو، صبا اور حنا کو لگا جیسے ماہ نور کی نگاہوں کا حصار ان کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے، ان آنکھوں میں اب سکون کی جگہ شعلے بڑھک رہے تھے، دماغ میں پکا لاؤ سب کچھ بہا دینے کے درپے تھا۔

''اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ حامد بھائی سنا ہے باہر اپلائی کر رہے ہیں ملازمت اور ویزہ بھی مل گیا ہے کیا صحیح بات ہے؟'' صبا نے بات کو نیا رخ دیا۔

''جس سے سنا ہے اس کا کہنا ہی کافی ہے میری کنفرمیشن کی ضرورت تمہیں نہیں ہونی چاہیے۔'' ماہ نور نے سرخ آنکھوں سے تیکھے لہجے میں جواب دیا وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ صبا پھپھو کو بہانے بہانے سے فون کر کے ٹٹولتی رہتی

ہے۔

"تم نے جاب کیوں شروع کی، ابھی تو ہم پڑھ رہے ہیں اور ویسے بھی تمہیں کیا ضرورت ہے ملازمت کی ماشاءاللہ حامد بھائی ہی......" اس کی بات منہ ہی میں رہ گئی ماہ نور نے غصے سے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

"نوکری کر رہی ہوں کسی سے خیرات نہیں مانگتی رقیہ باجی (ساتھ والی پڑوسن) کی شادی ہو رہی ہے اور انہیں جز وقتی ملازمت چند ماہ کے لئے چھوڑ کر کسی اور کو اپائنٹ کرنا تھا سو انہوں نے مجھے ملازمت اپنی جگہ جز وقتی دے کر احسان کیا، آج کل احسان اپنوں کی جگہ غیر ہی کرنے لگتے ہیں، ورنہ اپنے تو......" ماہ نور کی آنکھ سے پانی چھلکا تھا، اسے وہ سب یاد آنے لگا کہ کس طرح انہیں چھت سے محروم ہو کر کرائے کے گھر میں رہنا پڑا، خالہ نے بیٹے کی شادی کا بہانہ کر کے اپنی بیوہ بہن کو دی گئی گھر کی چھت چھین لی ورنہ وہ سب مل کر کتنے آرام اور ہنسی خوشی محبتوں کے سائے میں رہتے تھے، خالو کی مہربانی خالہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، نہ جانے کیوں وہ انہیں اپنا رقیب سمجھتی رہیں، یہ تو حامد تھا جس نے فوری طور پر ان کے لئے چھت کا انتظام کیا، کرائے کا گھر حاصل کیا کرایہ ادا کرتا رہا، یہی نہیں ماہ نور کا ہاتھ تھام کر ان کی ساری الجھنیں اپنے سر لے لیں، ایک در بند ضرور ہوا لیکن سو کھل بھی گئے لیکن خالہ اور ان کی بیٹیوں کے دل کے کینہ کو انہوں نے ہمیشہ ان کے ساتھ ہی دیکھا، وہ کبھی نہیں دور ہو سکتا تھا، یہ حسد، جلن وہ فطری پہلو تھے جو دونوں بیٹیوں نے اپنی ماں سے ورثے میں حاصل کئے تھے، اس کی سگی خالہ ساری عمر اس کی ماں کے حسن سے جلتی رہی وہ کم صورت نہ تھیں لیکن اس کی ماں کی طرح دلکش اور معصوم فطرت نہ تھیں، یہی حسن و معصومیت ماہ نور کو ملی جس سے اب اس کی کزنیں خار کھاتی تھیں، وہ ان کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی سو سنبھل کر بولی۔

"قربانی کے جانور حامد ضرور لائے ہیں، رقم انہیں امی نے دی تھی، حامد نے جو قربانیاں ہمارے لئے دی ہیں وہ ہی کافی ہیں، اللہ ان کی اور ہماری قربانیوں کو قبول فرمائے آمین۔" نرم لہجے میں ماہ نور بہت کچھ انہیں جتلا گئی تھی، صبا اور حنا پہلو بدل کر رہ گئیں، اس دوران عصمت خالہ ٹرے میں کھیر سموسے پکوڑے چائے سمیت لوازمات سجاتے اندر آئیں، دونوں کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کھیر نکال کر دی تینوں کے درمیان خاموشی تھی، ماہ نور نے ترچھی نگاہ سے دیکھا ان کے چہروں پر بے سکونی تھی۔

موبائل کی بیپ کے ساتھ موبائل اس کی سائیڈ ٹیبل پر روشن ہوا تھا اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا حامد کا ٹیکسٹ میسج آیا تھا۔

"I miss u"۔

وہ پڑھ کر مسکرا دی تھی دن میں کئی بار وہ اس کا یہی میسج پڑھتی تھی، اس نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، کہ جس نے ایسا ہم سفر اسے عطا کیا تھا، اس نے زندگی کا ایک حصہ اپنی ماں کو قربانیاں دیتے اور خود کو کانٹوں پر لوٹتے گزارہ تھا، لیکن اب......اب وہ پھولوں کے کنج میں آ ٹھہری تھی، جہاں پھولوں کی سیج تھی، خوشبو تھی اور اس کے ہم سفر کا مضبوط ساتھ تھا، جہاں ہر رات چاند رات اور ہر دن عید کا دن تھا۔

☆☆☆

بشریٰ سیال

وقفے وقفے سے ابھر رہی تھی۔

''ابھی میڈیسن کھا کر سوئی ہیں۔'' اس نے کتاب بند کی، چپل پہن کر اور دوپٹہ اوڑھ کر باہر کی جانب بڑھی، راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر کھڑے موسیٰ علی کو دیکھا۔

''جی فرمایئے۔'' کچھ شش و پنج کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا، موسیٰ علی کے چہرے پر شدید اذیت کے آثار تھے۔

''عزیزہ کی طبیعت بہت خراب ہے، مجھے اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہے پلیز آپ، مصعب کے پاس آجائیں۔'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا، فروا کو شدید حیرانی ہوئی تھی، وہ اچھا خاصا روڈ انسان تھا اور فروا کو تو وہ خود پسند بھی لگتا تھا، مگر اس وقت اس انداز میں بات کرتا، فروا کو عجیب لگا۔

''میں امی کو جگا......''

ناولٹ

دوسری قسط

وہ تیزی سے انیکسی کی طرف بڑھا تھا، اس کی محتاط اور ریزرو طبیعت جو کسی کو پریشان کرنا گوارا نہ کرتی تھی، مگر اس وقت عنیزہ کی حالت کے پیش نظر وہ جیسے سب کچھ بھول گیا تھا۔

''دروازہ کھولیں۔'' اس نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا، ایک ایک لمحہ صدی کے برابر لگ رہا تھا۔

''پلیز دروازہ کھولیں۔'' وہ بے چین ہو کر کھڑکی کے قریب آیا۔

''موسیٰ علی! یہاں۔'' اس کی آواز فروا کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اسے اچنبھا ہوا۔

''یہ اس وقت یہاں کیوں آئے ہیں؟''

اس نے وال کلاک کی سمت دیکھتے ہوئے ایک نظر امی کے سوئے ہوئے تھکے وجود کو دیکھا۔

''کیا امی کو جگاؤں؟'' دروازہ مسلسل نوک ہو رہا تھا، ساتھ ہی موسیٰ علی کی بے چین آواز

"پلیز میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا تھا، اسی وقت گھر کے باہر ایمبولینس رکی تھی، چوکیدار نے دروازہ کھولا، فروا آنکھیں پھاڑے سامنے دیکھ رہی تھی، اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔

عنیزہ بے ہوش تھی، اسے سٹریچر پر ڈال کر وہ لوگ لے گئے تھے، فروا خاموش کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی اور پھر آگے بڑھ کر مصعب کو اٹھایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

شادی کا فنکشن عروج پر تھا، ہر طرف خوب رونق لگی ہوئی تھی، بے ہنگم قسم کا میوزک اس شور میں مزید اضافہ کر رہا تھا، اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

"نویلہ!" وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی جب آواز سن کر چونکی۔

"جی ماما!" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی، انداز ایسا تھا جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"تمہارے پاپا کدھر ہیں، نظر نہیں آ رہے کافی دیر سے۔" ان کی بات پر نویلہ نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔

"اِدھر ہی تھے ماما۔" اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔

"تم کال کرو انہیں، مجھے عروبہ اور عیسیٰ بھی نہیں آ رہے۔" یہ خیال ذہن میں آتے ہی غصے کے ان کا برا حال ہونے لگا کہ وہ گھر چلے گئے ہوں گے۔

"پاپا آپ کدھر ہیں، ماما آپ کو پوچھ رہی ہیں۔" ان کے کال ریسیو کرتے ہی نویلہ بولی، صوفیہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"بیٹے میں تو گھر آ گیا ہوں۔" انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا کہ بتا کر آتے، تو وہ لوگ پریشان نہ ہوتیں، لیکن اگر بتاتے تو صوفیہ کبھی نہ آنے دیتیں، یہ بھی وہ جانتے تھے۔

"میری بات کرواؤ۔" انہوں نے موبائل نویلہ کے ہاتھ سے پکڑ کر کان کو لگایا۔

"آپ اس طرح بتائے بغیر کیوں چلے گئے، کھانا بھی نہیں کھایا، نواز بھائی (غضنفر کے چھوٹے بھائی) بھی آپ کا پوچھ رہے تھے۔" غصہ دبا کر آواز کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔

"عروبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اس لئے میں اسے لے کر آ گیا۔" انہوں نے قصداً یہ بتانے سے پرہیز کیا کہ وہ عیسیٰ کے ساتھ گھر گئی تھی۔

"کیا ہوا اس کی طبیعت کو، شام کو تو اچھی بھلی تھی۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"اِدھر نویلہ کھانا نہیں کھا رہی، کہتی ہے بابا کے ساتھ کھاؤں گی۔" وہ نویلہ کی طرف دیکھ کر مسکرائیں، جواب میں وہ بھی مسکرا دی، انہوں نے موبائل نویلہ کو تھما دیا۔

"پاپا آپ آ جائیں پلیز۔" آواز میں اداسی سموتے ہوئے وہ بولی تو ماما نے اسے نظروں ہی نظروں میں شاباش دے ڈالی۔

"اگر آپ نہ آئے تو میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" اس نے ماما کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبا لی اور فون بند کر دیا۔

"منحوس لڑکی، کبھی بھی ہمیں مکمل خوش نہیں ہونے دیتی، کوئی کام آزادی سے نہیں کر پاتے۔" صوفیہ بڑبڑاتے ہوئے بولیں اچانک ان کی نظر پاس کھڑی علیشہ پر جا پڑی۔

"کیا بات ہے علیشہ!" انہوں نے بغور

اس کے بگڑے موڈ کو دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں ماما!" سامنے سے آئین مصباح ممانی (عدیل کی ماما) کو دیکھ کر وہ اپنے بگڑے موڈ کو بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی اور انہیں ساتھ لئے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

سوئے ہوئے مصعب کو بیڈ پر لٹا کر وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی، وہ لوگ پچھلے دس سالوں سے اس گھر میں رہ رہی تھیں، پہلے موسیٰ اکیلا رہتا تھا، ڈیڑھ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ اپنی بیوی عنیزہ کو یہاں لے آیا تھا، اس کی باقی فیملی لندن میں رہتی تھی۔

"عنیزہ کتنی خوش قسمت ہیں نا، اتنا بڑا گھر، محبت کرنے والا شوہر، بے تحاشا دولت اور ایک بیٹا بھی اللہ نے دے دیا۔" ٹہلتے ٹہلتے وہ وارڈ روب کے سامنے آ رکی، نادانستہ طور پر اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے کھول دیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس نے اردگرد دیکھا، وہاں اس کے علاوہ کوئی نہ تھا، وہ ہاتھ بڑھا کر کپڑوں کو چھو کر دیکھنے لگی، پھر اس نے ایک ہینگر نکالا بہت قیمتی سوٹ تھا، وہ دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور ڈریس اپنے ساتھ لگایا۔

"واؤ۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"کاش میرے پاس بھی اتنے اچھے کپڑے ہوتے۔" اس نے حسرت سے سوچا اور وہ ڈریس واپس لٹکا دیا، پھر اس نے عنیزہ کے کپڑوں جوتوں سے لے کر پرس، ہینڈ بیگ، جیولری اور میک اپ تک ہر چیز کو دیکھا۔

"ڈائمنڈ سیٹ۔" اس کی آنکھیں چندھیا گئیں جیولری واپس رکھتے ہوئے اس کی نظر میرون کلر کی ڈائری پر پڑی، اس نے وہ باہر نکال لی اور دیکھنے لگی۔

ڈائری میں موسیٰ اور عنیزہ کی کچھ تصویریں پڑی تھیں، جن میں وہ دونوں ساتھ ساتھ تھے، شاید وہ یونیورسٹی کی تصویریں تھی۔

"تو ان کی Love Marrige ہے۔"

وہ خود کلامی انداز میں بڑبڑائی اور تصویریں واپس رکھنے لگی کہ اس کی نظر ایک صفحے پر پڑی، جس پر خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا۔

"I love you Aneeza!

I am nothing without you. Only yours Moosa!"

فروا کے دل کی حالت عجیب سی ہونے لگی، ایسا آپ ایک دم بہت کم وقعت اور بے مایہ سا لگنے لگا، ڈائری میں بہت سارے کارڈز بھی پڑے ہوئے تھے، اس نے ڈائری واپس رکھی اور اٹھ کر مصعب کے پاس آ گئی، اس کا جی چاہا وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے، مگر خود پر جبر کیے وہ بیٹھی رہی۔

☆☆☆

عروبہ سونے کے لئے لیٹی تو آنکھیں بند کرتے ہی ایک اجنبی چہرہ اس کے ذہن کی اسکرین کے پردے پر ابھرا۔

"نام بتاؤ اپنا۔" اس کے بے تکلف اور نڈر انداز کو یاد کرتے ہی اسے جھرجھری آ گئی۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ کھینچی، وہ ایک دم کانپ اٹھی اور پھر اٹھ کر دروازہ کھولا، اپنے سامنے کھڑے عیسیٰ احمد کو دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا۔

"جی!" وہ دروازے میں ایستادہ استفہامیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی، وہ بھی بے خیالی میں اسے دیکھے گیا، پھر جیسے کسی خیال سے چونکا اور سر جھٹک کر گویا ہوا۔

"آپ نیچے آ جائیں، کھانا کھا لیں۔" بہت

اپنائیت سے کہتا ہوا نرمی سے اس سے مخاطب تھا، وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی، اس کا یہ دیکھنا ہی عیسیٰ احمد کو اول روز ہی گھائل کر گیا تھا۔

''اوکے میں آتی ہوں۔'' وہ ایک دم مڑی تھی، عیسیٰ احمد بھی واپس چل دیا تھا، وہ دو منٹ بعد نیچے چلی گئی تھی۔

''ماما آنٹی کی بیٹیاں مجھے بالکل اچھی نہیں لگیں، ہاں عروبہ بہت نائس لڑکی ہے۔'' ڈائننگ ہال کی کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے عیسیٰ احمد کی آواز سنائی دی تھی، وہ فون پر بات کر رہا تھا۔

''وہ بالکل ویسی ہی لڑکی ہے جیسی لڑکیاں مجھے پسند ہیں ماما۔'' ڈائننگ ہال کی طرف بڑھتے اس کے قدم رک گئے تھے۔

''جی ماما آپ اسے دیکھیں تو......''

''کیا میں واپس چلی جاؤں؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''لیکن بابا بھی کھانا کھانے آئیں گے، مجھے نا پا کر شائد برا محسوس کریں۔'' اگلے پل اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''بابا میری وجہ سے فنکشن چھوڑ کر آئے ہیں، مجھے انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ اندر داخل ہو گئی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، عیسیٰ نے فون بند کر دیا۔

''شروع کریں کھانا۔'' عیسیٰ احمد کا انداز ایسا تھا جیسے وہ میزبان اور عروبہ مہمان ہو۔

''بابا تو آ جائیں۔'' وہ قصداً اس کی طرف دیکھنے سے پرہیز کر رہی تھی اور اس کی یہی باتیں عیسیٰ احمد کے دل میں اس کا بلند مقام بنا گئی تھیں۔

''ایک بات پوچھوں عروبہ؟'' عیسیٰ احمد نے محتاط انداز میں کہتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''جی!'' مختصر جواب دے کر وہ باہر کی جانب دیکھنے لگی تھی، اسے بابا کا انتظار تھا۔

''آپ کی ماما، آئی مین آپ کی سگی ماما؟'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی اور عروبہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میری پیدائش کے فوراً بعد ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔'' اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔

''میں بابا کو دیکھتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' عیسیٰ احمد کی بات پر اس نے تیزی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ کی ماما نے انہیں کال کر کے واپس بلا لیا۔'' عروبہ غضنفر کی آنکھوں میں بے یقینی ہلکورے لے رہی تھی۔

''وہ کہہ رہے تھے نویلہ کو ان کے بغیر کھانا کھانے کی عادت نہیں ہے، وہ ضد کر رہی تھی۔'' عیسیٰ احمد نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تیر رہا ہے۔

''عادت تو مجھے بھی نہیں ہے ان کے بغیر کھانا کھانے کی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی، مگر اس کی بڑبڑاہٹ عیسیٰ احمد واضح طور پر سن سکتا تھا، وہ باہر کی جانب بڑھی۔

''رکیں عروبہ!'' وہ اس کے پیچھے آیا، وہ رک گئی، مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

''کھانا تو کھا لیں۔'' اس نے اپنائیت سے کہا۔

''بھوک نہیں ہے مجھے۔'' وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔

''دوسروں کی زیادتیوں کی سزا خود کو مت دیا کریں۔'' وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس وقت اس کے دل کی حالت کیا ہو گی اس لمحے عیسیٰ احمد کے

دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس لڑکی کے تمام دکھ بانٹے، اس کی اداس آنکھوں میں روشنی بھر دے، اس کے بھینچے لبوں پر مسکان بکھیر دے۔

''سزا میں نہیں، وقت مجھے دے رہا ہے۔''

وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

''آپ کو اپنے بابا کے بغیر کھانا کھانے کی عادت نہیں، کیا یہ بات آپ نے انہیں بتائی ہے۔'' وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

''مجھے عادت نہیں اپنی باتیں بتانے کی ہے۔'' اس نے پل بھر کو عیسیٰ احمد کی سمت دیکھا تھا۔

''کہہ کر پیار لینے کی اور پھر کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق ہماری خواہش ہوتی ہے کہ بنا کہے ہی وہ ہمارے دل کی بات سمجھ جائیں۔'' وہ سوچ کر رہ گئی اور عیسیٰ احمد نے آنکھوں کے رستے اس کے دل کی بات تک رسائی حاصل کی تھی۔

''کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں اظہار اور کہہ دینا بہت ضروری ہوتا ہے عروبہ، کبھی کبھی مانگ کر حق لینا پڑتا ہے، ورنہ کوئی دوسرا ہمیشہ ہمارا حق مارتا رہتا ہے اور ہم خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔'' عروبہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے نکل گئی، عیسیٰ احمد خاموش کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

ایمرجنسی کے سامنے ایک پاؤں پر کھڑا موسیٰ علی ارد گرد سے مکمل طور پر بے نیاز تھا، وہ یہ بھی بھول چکا تھا کہ اس وقت وہ اپنا ننھا سا بیٹا لاپرواہ سی فروا کے حوالے کر آیا ہے، اسے یاد تھا تو صرف یہ کہ اس کی زندگی، اس کا چین اور سکون اس وقت موت و حیات کی کشمکش میں ہیں۔

''کتنا بے بس ہوں میں عنیزہ۔'' وہ بے بسی سے سوچ کر رہ گیا۔

''تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، پھر ہم لندن چلے جائیں گے۔'' ہاسپٹل میں اس وقت مکمل خاموشی تھی، اس سناٹے میں گھڑی کی ٹک ٹک اسے زہر لگ رہی تھی، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ گھڑی اس پر ہنس رہی ہو۔

''ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔'' اس کے خوفزدہ نظروں سے گھڑی کی طرف دیکھا، اس کا جی چاہا کوئی چیز مار کر اسے توڑ دے۔

''مگر کیا ایسے وقت تھم جائے گا؟'' کوئی اس کے اندر چلایا، وقت تو ریت کی طرح مٹھیوں سے پھسل رہا تھا اور وہ بے بس کھڑا دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

غضنفر نویلہ کا کہا نہ ٹال سکے مگر عروبہ کو اس طرح گھر چھوڑ کر جانا بھی انہیں مناسب نہ لگ رہا تھا، مگر چونکہ صوفیہ نے بھی کہہ دیا تھا تو اب ان کا جانا ضروری ہو گیا تھا اور وہ عروبہ سے کچھ بھی کہے بغیر، صرف موسیٰ کو بتا کر آ گئے تھے۔

''اکیلے آئے ہیں؟'' ابھی وہ اندر داخل ہوئے ہی تھے کہ سامنے سے آتی صوفیہ پر نظر پڑی، وہ تیر کی سی تیزی سے ان کے قریب آئیں۔

''ہاں۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''عیسیٰ اور عروبہ کو گھر چھوڑ آئے ہیں؟'' وہ حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر بولی تھیں، غضنفر نے صرف ایک خاموش نظر ان کی سمت اچھالی، زبان سے کچھ نہ بولے۔

''حد کرتے ہیں آپ غضنفر، اس جوان لڑکی کو آپ عیسیٰ کے پاس تنہا چھوڑ آئے ہیں۔''

''کیسی فضول بات کر رہی ہو صوفیہ۔'' وہ آواز دبا کر آہستگی سے بولے۔

''فضول نہیں صحیح بات کر رہی ہوں، بھول گئے وہ کس کی بیٹی ہے؟'' انہوں نے طنز کا نشتر چھوڑا، غضنفر علی ضبط کی انتہاؤں پر تھے، لب بھینچے کھڑے دیکھتے رہے۔

''اور خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے، وہ اس عورت کی بیٹی ہے جو اٹھارہ سال پہلے''

''شٹ اپ صوفیہ!'' ان کے صبر اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''آج بھی اس عورت کی چاہت آپ کے دل میں ہے، اس کی بیٹی سے آپ کو محبت ہے، میں اور میری بیٹیاں...... '' ان کی آواز بھرانے لگی تھی۔

''ہمیں کبھی وہ مقام نہیں مل سکے گا۔'' غضنفر بالکل خاموش ہو گئے تھے، صوفیہ کو اندازہ ہی نہ تھا کہ انہوں نے انجانے میں اپنے شوہر کے بہت سے پرانے زخموں کو نوچ کر ان سے کھرنڈ اتار دیا تھا، زخم بھی ایسے جو ناسور بن چکے تھے۔

''بابا آپ آ گئے۔'' نویلہ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

غضنفر جو کسی بے جان لاش کی طرح ٹھہرے تھے، بیٹی کو دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے تھے، ایسے ہی عمر گزری تھی۔

''میں آپ کا ویٹ کر رہی تھی، آ جائیں کھانا کھاتے ہیں۔'' ان کا ہاتھ تھامے وہ مڑ گئی تھی، صوفیہ بھی پیچھے چل دی تھیں، وہ بیوی اور بیٹیوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، مگر ان کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا، صوفیہ صاف محسوس کر سکتی تھیں کہ وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں ہیں۔

اور یہی بات انہیں تکلیف دیتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ نہ ہوتے تھے۔

☆☆☆

گیٹ سے باہر کھڑے ہوئے اسے کافی دیر ہو گئی تھی، خالی خالی نظروں سے وہ سامنے دیکھ رہی تھی، یکایک سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، اس کے ساکت وجود میں جنبش پیدا ہوئی تھی۔

''دروازہ کھولو۔'' اس نے گیٹ کو دھکیلا، مگر وہ بند ہو چکا تھا گیٹ ہی نہیں، اس شخص کے دل کے دروازے بھی اس پر ہمیشہ کے لئے بند ہو چکے تھے۔

''آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے دروازہ کھولیں۔'' وہ زور زور سے دروازے کو دھڑ دھڑانے لگی، اچانک گیٹ کھل گیا، وہ اندر داخل ہونے لگی۔

''رک جائیں بی بی۔'' چوکیدار آگے بڑھا۔

''آپ اندر نہیں آ سکتیں۔'' وہ تھوڑے سے کھلے گیٹ میں ایستادہ تھا۔

''یہ میرا گھر ہے، تم مجھے اندر آنے سے کیسے روک سکتے ہو؟'' وہ جھلملاتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دیں بی بی، مگر صاحب کا حکم نہیں ہے۔'' تاسف سے سر ہلاتے ہوئے اس نے دوبارہ گیٹ بند کر دیا تھا۔

''وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ ابھی تک بے یقین تھی، اس شخص کی محبت کی جڑیں اس کے پورے وجود میں پھیل چکی تھیں، اس کی بے اعتنائی، نفرت اور دوری برداشت کرنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔

ایک مایوس کن، آخری نظر اس گھر پر ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی، ہوا تیز ہو رہی تھی، موسم کے تیور خاصے خطرناک دکھائی دے رہے تھے، دیکھتے ہی

دیکھتے ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوگئی۔

''بس کرو زندگی، بہت نہا لیا بارش میں، اب اندر آ جاؤ، بیمار پڑ جاؤ گی۔'' اسے بارش میں بھیگنا بہت پسند تھا، عجیب سی تنہائی اور اداسی کا احساس دامن گیر ہو جاتا تھا، اپنی کم مائیگی کا احساس اور شدت سے ہونے لگتا تھا۔

مگر اب نہ تو وہ تنہا تھی، نہ بے وقعت و کم مایا، اب وہ کسی کے لئے بہت اہم اور خاص تھی، اس شخص کی محبت نے اسے زمین سے آسمان پر پہنچا دیا تھا، اس کی تنہائیوں کو اپنے پیار کی آنچ سے آباد کر دیا تھا، اب بارش اسے اداس نہیں کرتی تھی۔

''تھوڑی دیر اور۔'' اس نے چہرہ آسمان کی جانب کیا اور ہاتھ بڑھا کر بارش کی بوندوں کو مٹھیوں میں قید کرنے کی کوشش کی۔

''بس بہت ہو گیا۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب بڑھا۔

''تمہیں پتا ہے زندگی۔'' اسے بٹھا کر وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا، ہاتھ ابھی تک اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔

''جب تم مجھ سے زیادہ اہمیت کسی اور چیز کو دیتی ہو تو میں اس سے بہت جیلس ہونے لگتا ہوں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر چپکی گیلی لٹوں کو پیچھے کیا۔

''اچھا!'' وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

''تو آپ بارش سے جیلس ہو گئے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

''ہاں۔'' اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

''اور اگلی بار جب بارش ہوئی تو میں تم کو کمرے میں بند کر دوں گا اور باہر نہیں نکلنے دوں گا۔'' وہ بولا تو اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''اتنی بے اعتباری۔'' وہ اٹھنے لگی، مگر اس نے اسے واپس بٹھا لیا۔

''بے اعتباری نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''محبت کو کھو دینے کے اندیشے ہمیشہ ڈراتے رہتے ہیں، محبت کرنے والا شخص نیند میں بھی آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔'' چند ثانیے وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی اور پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، سو یہ یقین رکھیں کہ میں صرف آپ کی ہوں، آپ کے پاس ہوں۔''

''اور اگر کوئی تمہارا اپنا، کبھی آ گیا تو؟'' دل کے اندیشے اس کی نوک زبان پر آ ہی گئے تھے۔

''جن لوگوں نے مشکل میں میرا ساتھ نہیں دیا، مجھے اب ان کے آنے یا نا آنے سے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

''تم نے جتنے دکھ اٹھائے تھے تم اٹھا چکی، ذلتوں، رسوائیوں اور تنہائیوں کا سفر تمام ہوا، تمہاری منزل میں ہی تھا اور یقین رکھو تم کو میں اتنی محبت دوں گا کہ ماضی کی تلخیوں کو بھول جاؤ گی۔'' وہ اٹھ کر اس کے برابر میں آ بیٹھا اور اپنا بازو اس کے شانوں کے گرد پھیلا دیا، اس لمحے اسے بہت تحفظ کا احساس ہوا، اپنا آپ بہت معتبر لگنے لگا تھا۔

اچانک اسے ٹھوکر لگی تھی، وہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھی، چونک کر ارد گرد دیکھا، بارش بھی تھی، وہ بھیگ بھی رہی تھی، مگر وہ نہیں تھا۔

''آپ کا قصور نہیں ہے، آپ مرد ہیں اور مرد تو زبان سے محبت کرتا ہے، الفاظ کے جادو چلاتا ہے، زبان تو بدل بھی جاتی ہے اور عورت......'' ہوا تیز ہو رہی تھی، موسم کے تیور

خطرناک دکھائی دے رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے بوندا باندی شروع ہو گئی۔

''عورت دل سے محبت کرتی ہے اور دل جب ایک بار کسی کو دے دیتی ہے تو تمام عمر اسی کی پابند رہتی ہے۔'' فضا میں خنکی کا احساس بڑھ گیا تھا، شام کے سرمئی آنچل پر رات اپنے سیاہ بال پھیلانے لگی تو ہر سو تاریکی اور سیاہی پھیل گئی، بالکل ویسی ہی سیاہی جیسی اس کے نصیب پر پھر گئی تھی، سڑک پر آتے جاتے لوگوں کا جم غفیر تھا، بے فکری سے ہنستے ہوئے وہ ہر طرح کے غم اور دکھ سے آزاد نظر آ رہے تھے، جاتے دسمبر کی آخری بارش کو انجوائے کرتے ہر کوئی خوش اور پر جوش نظر آ رہا تھا، اپنے اندر کے سناٹوں اور وحشت سے گھبرا کر اس نے نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی تھی، لوگوں کی گہما گہمی اسے اس کی تنہائی کا احساس شدت سے دلا رہی تھی، وہ سہمی ہوئی نظروں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔

سرما کی یخ بستہ ہوائیں جسم کو منجمند کر رہی تھیں، وہ اس وقت سویٹر اور شال کے بغیر ہلکی پھلکی سی چادر اوڑھے ہوئے تھی، جو کہ اس کو سردی سے بچانے کے لئے ناکافی ثابت ہو رہی تھی، مسلسل چلنے سے ٹانگیں بھی شل ہو چکی تھیں، پیروں کی انگلیاں ٹھنڈک کے باعث برف بن گئی تھیں، انگلی پر لگے زخم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، چلتے چلتے وہ ایک دم رک گئی تھی، آہ۔

☆☆☆

وہ کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی، ساجدہ کی آنکھ کھلی تو پہلی نظر فروا کے بستر پر گئی، جو کہ خالی تھا، وہ مسکرا دیں۔

''چلو شکر ہے آج خود ہی اٹھ گئی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور اس کے واش روم سے نکلنے کا انتظار کرنے لگیں، جب کافی دیر گزر گئی اور وہ نہ آئی تو انہیں تشویش ہونے لگی، وہ اٹھ کر واش روم کے دروازے کے پاس آئیں۔

''فروا!'' انہیں ٹینشن ہونے لگی، ہولے سے دروازہ بجایا، کچھ دیر انتظار کر کے انہوں نے دروازہ کھول دیا، وہ دھک سے رہ گئیں۔

''فروا...... فروا!'' اسے آوازیں دیتی ہوئیں وہ واپس مڑیں۔

''کہاں جا سکتی ہے؟'' انہیں ہول اٹھنے لگے تھے۔

''اتنی صبح صبح کہاں گئی؟'' وہ ہر جگہ اسے دیکھنے کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گئیں، کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

''کہیں!'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند ان کے ذہن میں لپکا اور وہ خوف کے مارے کانپ اٹھیں۔

''نہیں نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ اٹھ کر باہر کی جانب بڑھیں۔

''مجھے موسیٰ سے مدد مانگنی چاہیے۔'' دل میں سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگیں کہ گیٹ میں سے موسیٰ اندر آتا دکھائی دیا وہ اسے سامنے دیکھ کر ہچکچا گئیں۔

''کیسے اور کیا کہوں اس سے۔'' وہ سوچ ہی رہی تھیں کہ موسیٰ سیدھا ان کے پاس آ گیا۔

''السلام علیکم!'' وہ چہرے سے خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''سوری آنٹی، رات آپ لوگوں کو زحمت دی، دراصل عزیزہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اسے ہاسپٹل لے کر جانا پڑا اسی لئے فروا کو معصب کو سنبھالنے کا کہا۔'' اس نے ساری بات بتائی تو ساجدہ کی جان میں جان آئی۔

''معصب آپ کی طرف ہے، کیسا ہے؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف

دیکھا۔

''نہیں فروا اسے ادھر تو نہیں لائی۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا تو موسیٰ اندر کی جانب بڑھا۔

''ادھر ہی ہوگی، دراصل ابھی اس نے نماز بھی پڑھنی ہے تو اس لئے۔'' قصداً بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''میں بھیجتا ہوں۔''

''عنیزہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' اپنی پریشانی میں اس کے متعلق پوچھنا ہی بھول گئی تھیں۔

''کچھ خاص ٹھیک نہیں ہے، دعا کیجئے گا۔'' وہ اندر کی جانب بڑھ گیا، بیڈروم میں قدم رکھا تو تھوڑی دیر تو اسے کچھ دکھائی نہ دیا، اندر ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، آگے بڑھ کر اس نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے اور سامنے موجود منظر دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گیا، فروا مصعب کو بازو کے حلقے میں لئے بڑے سکون سے اس کے بیڈ پر سو رہی تھی۔

''Silly girl۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا اور وارڈ روب کی جانب بڑھ گیا، اسے عنیزہ کے کپڑے نکالنے تھے، وہ جان بوجھ کر شور کر رہا تھا کہ وہ اٹھ جائے، لیکن اس کی نیند اور سکون میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

''فروا!'' بالآخر اسے آواز دینا پڑی، مگر وہ اب بھی نہ جاگی، موسیٰ کو حیرت ہو رہی تھی، کہ کس طرح وہ اس کے بیڈ پر بے فکری سے سو گئی تھی۔

''فروا! آپ کی امی بلا رہی ہیں۔'' اس نے ذرا سا نیچے جھک کر اونچی آواز میں کہا، جواب میں وہ ذرا سا کسمسائی، موسیٰ نے دوبارہ آواز دی، تو اس نے آہستگی سے آنکھیں کھول دیں، اپنے سامنے موسیٰ کو دیکھ کر کچھ دیر تو وہ ناسمجھی کے عالم میں اس کے چہرے کو دیکھنے لگی، پھر جب ہوش آیا تو مصعب کو ہٹا کر بیڈ پر لٹایا اور جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔

''آپ کی امی بلا رہی ہیں۔''

''آئی ایم سوری۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پاؤں میں چپل پہننے لگی۔

''کالج میں ٹیسٹ ہو رہے ہیں، رات دیر تک پڑھنے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوئی، مجھے پتا نہیں چلا کب میری آنکھ لگ گئی۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سی دروازے کی جانب بڑھی، موسیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''یہ مصعب کو تو لیتی جائیں، مجھے واپس ہاسپٹل جانا ہے۔'' اچانک اس نے پکارا، وہ کچھ بھی کہے بناء پلٹی، مصعب کو بیڈ سے اٹھایا اور موسیٰ کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

عروبہ کی آنکھ کھلی تو دھوپ کھڑکی سے چھن کرتی اندر آ رہی تھی، چند ثانیے خاموش لیٹی وہ کھڑکی کے اس پار درخت پر بیٹھی اس کوئل کو دیکھتی رہی جو بہت اداس معلوم ہوتی تھی، آہستگی سے اٹھ کر وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اور بغور اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے پیاری دوست، اداس کیوں ہو؟'' وہ اس سے مخاطب تھی، اس کو قریب محسوس کر کے وہ فوراً اڑ گئی۔

''پرندے بہت سمجھدار ہیں، انسان جیسے ہی ان کے قریب آتے ہیں یہ اڑ جاتے ہیں، کیونکہ شاید یہ انسانوں کی مکار اور خود غرض فطرت سے واقف ہوتے ہیں، جانتے ہیں باتوں میں لگا کر جال میں پھنسا لیں گے۔'' اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی، وہ واپس پلٹی تو نظریں وال کلاک سے جا ٹکرائیں اور وہ اچھل پڑی۔

''سوا بارہ۔'' اس کے لب بے اختیار سرگوشی

کے انداز میں ملے تھے۔

''اتنا سوئی میں۔'' وہ جلدی سے فریش ہو کر نیچے آ گئی، عیسٰی احمد لاؤنج میں بیٹھا میگزین دیکھ رہا تھا۔

''گڈ مارننگ۔'' اسے دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا، جواب میں اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

''باجی ناشتہ لگا دوں، عیسٰی صاحب بھی آپ کا انتظار کر رہے تھے۔'' سائرہ (ملازمہ) نے آ کر اس سے پوچھا تھا، اس نے عیسٰی کی طرف دیکھا۔

''ہاں ناشتہ لگا دو، رات کھانا بھی نہیں کھایا تو مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ بولتی عیسٰی نے جواب دے دیا تھا، سائرہ وہاں سے چلی گئی۔

''آپ کو بھوک لگی تھی تو ناشتہ کر لیتے، اب تو بہت ٹائم ہو گیا۔'' عروبہ کو یہ جان کر شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ اس کے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہے۔

''ویسے آپ بالکل بھی مہمان نواز نہیں ہیں عروبہ!'' اس نے گہری سنجیدگی لہجے میں سموتے ہوئے کہا تو عروبہ غضنفر خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''I mean رات بھی آپ کھانا کھائے بغیر ہی سو گئیں، مجھے بھی بھوکا مارا، اور اب بھی۔'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس کے تاثرات جانچنے کے لئے اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''نہ میں نے رات آپ کو منع کیا تھا کھانا کھانے سے اور نہ اب، آپ پلیز دوبارہ میرے لئے انتظار کی زحمت مت اٹھائیے گا۔'' وہ واپس مڑنے لگی تو عیسٰی احمد کو تو لینے کے دینے پڑ گئے، تیر کی سی تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

''I was just joking، آپ تو برا مان گئیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''نہیں، میں نے برا نہیں منایا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ کیا روزانہ اتنی ہی دیر سے جاگتی ہیں؟'' وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھے تھے، سائرہ نے ناشتہ لگا دیا تھا۔

''نہیں رات میں کافی دیر سے سوئی تھی۔'' عروبہ نے اس کی جانب دیکھے بنا ہی جواب دیا، جبکہ عیسٰی احمد کی نظریں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''انکل آئے تھے اور آپ کے لئے میسج دے کر گئے ہیں کہ آپ آج بارات کے لئے لازمی تیار رہیے گا۔'' عیسٰی احمد کی بات پر اس نے تیزی سے سر اوپر اٹھایا تھا۔

''مگر مجھے نہیں جانا۔'' اس کی آنکھوں میں ایک انجانا خوف، ایک ان کہا درد، عیسٰی احمد صاف پڑھ سکتا تھا، وہ اس کی طرف دیکھے گیا۔

''میرا کل بہت امپورٹنٹ ٹیسٹ ہے، میں نے Prepare کرنا ہے۔'' اس نے جھٹ سے کہا، مبادا عیسٰی احمد اسے زبردستی ساتھ نہ لے جائے۔

''واقعی ٹیسٹ یاد کرنا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوا۔

''جی۔'' اس نے مختصر جواب دیا، عیسٰی احمد مسکرا دیا۔

''مجھے لگا آپ اس شخص کی وجہ سے نہیں جانا چاہتیں۔'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کس شخص؟'' عروبہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''وہی جس کی وجہ سے کل رات آپ فنکشن

چھوڑ کر آ گئیں۔" اس کے اتنے صاف انداز میں کہنے پر وہ لب نیم وا کیے اسے دیکھے گئی، وہ بہت ہوشیار تھا۔

"السلام علیکم!" سلام کی آواز پر اس نے چونک کر سامنے دیکھا تھا، جبکہ عیسیٰ احمد ابھی بھی اس کے سرخ ہوتے چہرے کو فوکس کیے ہوئے تھا۔

"کیسی ہو فروا...... آؤ۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا، مگر فروا غائب دماغی سے عیسیٰ احمد کو دیکھ رہی تھی، نا جانے ایسا کیا تھا اس میں کہ فروا کا دل لمحوں میں اس کی محبت کا اسیر ہوا تھا، اسے خبر ہی نہ ہوئی، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس شخص کو صدیوں سے جانتی ہو، یا پھر شاید اس کی روح صدیوں سے اسی ایک شخص کی تلاش میں تھی۔

"ہیلو۔" عیسیٰ احمد کے بولنے سے اس کی محویت لمحہ بھر کو ٹوٹی تھی، اس نے عروبہ کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"فروا یہ میرے کزن عیسیٰ احمد ہیں، ابھی چند روز پہلے فرانس سے آئے ہیں اور عیسیٰ......" اب اس کا رخ اس کی طرف تھا۔

"یہ میری بیسٹ فرینڈ فروا احسان ہے۔" اس نے دونوں کا تعارف کروایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" عیسیٰ احمد نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی مسکراہٹ کتنی نرم، مہربان اور دوستانہ تھی، فروا اپنے حواس کھونے لگی تھی۔

عروبہ نے اسے چائے بنا کر دی تھی، عیسیٰ احمد خاموشی سے ناشتہ کر رہا تھا، مگر دھیان ان دونوں کی باتوں کی طرف تھا۔

"میم زرینہ نے کل ٹیسٹ لینا ہے اور جو سٹوڈنٹ غیر حاضر ہوئے ان کو......"

"پھانسی پر لٹکا دینا ہے۔" فقرہ عیسیٰ احمد نے مکمل کیا تھا، فروا ہنس دی تھی، جبکہ عروبہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ تو پہلے ہی بہت ڈرپوک ہیں، ٹیسٹ کے خوف سے تمام رات سو نہیں پائیں، آپ مزید تو مت ڈرائیں۔" اس کی بات پر فروا نے الجھ کر عروبہ کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کے لئے کہا۔

"دراصل میں تمہارے فزکس کے نوٹس لینے آئی ہوں۔" اس نے آنے کی وجہ بیان کی۔

"میں لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھی تو ہاتھ چائے کے کپ سے ٹکرا گیا، کپ میں سے چائے چھلکی اور عروبہ کا ہاتھ جل گیا۔

"سی۔" اس کے منہ سے آواز نکلی، عیسیٰ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"ہاتھ دکھائیں عروبہ۔" اس سے پہلے کہ وہ اس کا ہاتھ تھام لیتا عروبہ نے ہاتھ پشت کی طرف کر کے چھپا لیا اور نفی میں سر ہلانے لگی۔

"ڈونٹ بی سلی، آپ کا ہاتھ جلا ہے، ادھر دکھائیں مجھے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑی اور اس کی بند مٹھی کو دوسرے ہاتھ سے کھولا، فروا پلکیں جھپکائے بنا اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

"My God!" عیسیٰ بہت فکر مند نظر آ رہا تھا، عروبہ کا ہاتھ بہت سرخ ہو چکا تھا، اس نے ہاتھ واپس کھینچنا چاہا مگر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

"آپ پلیز فریج میں سے برنال نکال لائیں۔" فروا کی جانب دیکھے بنا وہ بولا تھا، وہ اٹھی اور وہاں سے نکل گئی۔

عیسیٰ احمد پورے دھیان سے عروبہ کے ہاتھ پر برنال لگا رہا تھا، عروبہ سر جھکائے بیٹھی تھی، جبکہ فروا رشک بھری نظروں سے عروبہ کو دیکھتی تو

کبھی عیسیٰ احمد کے دلکش سراپے کو، اس لمحے اس کا شدت سے جی چاہا کہ چائے کا پورا کپ اٹھا کر اپنے ہاتھ پر انڈیل لے اور پھر دیکھے کہ کیا وہ اتنا شاندار شخص اس کے لئے بھی یوں ہی فکرمند ہوتا ہے، مگر شاید محبت اس کے نصیب میں نہیں، اسے ایسا لگا۔

''میں بکس لاتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی، فروا نے صرف ایک خاموش نظر اس پر ڈالی، اسے عروبہ پر غصہ آ رہا تھا، یا شاید وہ رشک اور جلن کی کیفیت میں مبتلا تھی، اسے اپنی کم مائیگی اور بے وقعتی پر رونا آ رہا تھا، وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رہنے دو، میں چلتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چل دی۔

''رکو فروا!'' عروبہ اس کے پیچھے آئی۔

''نوٹس تو لیتی جاؤ۔'' اسے فروا کا یوں ایک دم اٹھ کر چل دینا عجیب سا لگا، وہ سمجھ نہ سکی کہ اسے کیا ہوا ہے۔

''تمہیں بھی تو ٹیسٹ یاد کرنا ہوگا نا، پھر مجھے یاد آیا کہ میرے پاس نوٹس ہیں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ تیزی سے مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی اس سے دور ہوتی گئی، عروبہ حیرت سے اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

''موسیٰ!'' وہ آنکھیں موندے، چیئر پر بیٹھا ہوا تھا جب عنیزہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی، وہ برق رفتاری سے اس کے قریب آیا تھا۔

''کیا بات ہے عنیزہ؟'' وہ اس کے پاس کھڑا، اس کے کمزور اور نحیف وجود کو محبت سے دیکھ رہا تھا، اس کی گلابی رنگت ماند پڑ چکی تھی، چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں، آنکھوں کے گرد حلقے گہرے ہو چکے تھے۔

''مم...... مجھے...... گھر...... جانا ہے۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گی تو ہم گھر چلیں گے۔'' اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے بولا۔

''میں اب ٹھیک نہیں ہو سکتی موسیٰ!'' اس نے آنکھیں موند لیں، موسیٰ کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ عنیزہ۔'' اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ کر اسے خاموش کروانا چاہا۔

''کبوتر مت بنو موسیٰ!'' عنیزہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹایا تھا، موسیٰ علی کے چہرے پر اس وقت شدید کرب تھا۔

''موت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔''

''عنیزہ پلیز۔'' اس نے احتجاجاً اس کی طرف دیکھا۔

''پلیز مجھے بات کرنے دو۔'' اس نے التجائیہ نظروں سے موسیٰ کی طرف دیکھا تھا۔

''اس دنیا کو چھوڑنے کا دل کسی کا نہیں کرتا، کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا، کوئی اپنے پیاروں کو دفنانا نہیں چاہتا، مگر ایسا کرنا پڑتا ہے موسیٰ۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی وہ صاف محسوس کر سکتا تھا، مگر سر جھکائے کھڑا رہا۔

''میرے پاس وقت ختم ہو گیا ہے، موت سے زیادہ خوفناک موت کی چاپ ہوتی ہے، موت کا انتظار بڑا جان لیوا ہوتا ہے اور یہاں ہسپتال کے بستر پر لیٹے ہر لمحہ میں موت کی چاپ سنتی ہوں، عزرائیل کو آنے سے کوئی نہیں روک

سکتا، مگر یہاں ہر دم اس کی موجودگی محسوس ہوتی ہے، میں وقت سے پہلے نہیں مرنا چاہتی موسیٰ مجھے گھر لے جاؤ۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اور یہ آنسو موسیٰ کے دل پر گر رہے تھے، وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھا۔

''میں اپنے گھر، اپنے بیڈروم اور اپنے بستر پر مرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں جب میں مروں تو جو منظر میں آخری مرتبہ دیکھوں اس میں تم اور مصعب میرے ساتھ ہو، میں ہسپتال کے بستر پر ڈاکٹرز کے سامنے نہیں مرنا چاہتی، میری یہ آخری خواہش پوری کر دو موسیٰ۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کانپتے ہوئے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے تھے۔

''ایسا مت کرو میرے ساتھ عنیزہ۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولا تھا۔

''انسان خود کو کیا چیز سمجھتا ہے موسیٰ۔'' وہ چھت کو گھور رہی تھی اور موسیٰ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''حسن دولت، جوانی، اولاد، عہدے اور پتا نہیں کس کس چیز پر غرور کرتا ہے، تکبر اور شان سے پاؤں زمین پر رکھتا ہے، اکڑ سے چلتا ہے، مگر اس کے اختیارات تو بہت کم ہیں، وہ تو بہت بے بس ہے، اپنی مرضی سے ایک لمحہ بھی زیادہ نہیں جی سکتا، ساری زندگی دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے، ایک چیز حاصل کر لی تو نئی کی لگن وہ پا لی تو کسی اور کی دھن، مگر موت کو سامنے دیکھ کر پتا چلتا ہے سب فضول ہے، نظر کا دھوکہ تھا، اصل میں جو سامان کام آنا ہے وہ تو ہاتھ میں ہے ہی نہیں، اور موسیٰ۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

''میرے ہاتھ خالی ہیں، میں نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا، میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔'' وہ ایک دم بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

لوئے لوئے بھرے کڑبے جے تدھ بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نیں ڈرنا

''کاش!'' اس نے موسیٰ کی طرف دیکھا۔

''کاش میرے والدین نمازی پرہیز گار ہوتے، وہ مجھے بھی نماز پڑھنی سکھاتے، کاش موسیٰ آپ نماز پڑھتے ہوتے، آپ نماز کی طرف لگاتے، ہائے وقت گزر گیا، میں نے کچھ نہ کمایا۔'' پچھتاؤں کے زہریلے ناگ اسے چاروں جانب سے ڈس رہے تھے۔

''اللہ بڑا غفور الرحیم ہے عنیزہ۔'' اس نے اسے تسلی دینا چاہی۔

''اللہ جبار (جبر کرنے والا) بھی ہے، قہار (قہر برپا کرنے والا) بھی ہے اور ضار (ضرر پہنچانے والا) بھی، میں نے کسی جگہ پڑھا تھا اور موسیٰ۔'' اچانک سے اسے یاد آیا۔

''میں نے کبھی قرآن پاک نہیں پڑھا، میں نے تمہیں بھی پڑھتے نہیں دیکھا۔'' خوف کے مارے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

''مجھے گھر جانا ہے ابھی اسی وقت۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ہاتھ سے بیر نیولا اتار کر پھینک دیا۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے، مجھے گھر لے جاؤ۔'' وہ بیڈ سے نیچے اترنے لگی تھی، اس پر جنونی کیفیت طاری تھی۔

''عنیزہ پلیز، ڈونٹ بی سلی۔'' موسیٰ نے آگے بڑھ کر پکڑ کر اسے لٹا دیا تھا، وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے، مرنے سے پہلے ایک مرتبہ قرآن پاک پڑھنا ہے، مجھے مت روکو، ایسا نہ ہو میں نماز پڑھے بغیر ہی مر جاؤں۔'' ڈاکٹر

اندر آیا تھا، اس کے ساتھ سسٹر تھی، اس نے عنیزہ کو انجکشن لگا دیا تھا، کچھ ہی دیر میں اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

غضنفر سونے کے لئے لیٹے تھے جب صوفیہ کمرے میں داخل ہوئی، ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔

''سو گئے آپ۔'' انہوں نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ جاگ رہے ہیں۔'' وہ ان کے قدموں کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''تو پھر ایسے رخ موڑے کیوں لیٹے ہوئے ہیں؟'' ان کی بات پر غضنفر علی نے رخ موڑا تھا اور صوفیہ کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں پریشانی واضح تھی۔

''تم نہیں جانتی، تم نے انجانے میں میرے بہت پرانے زخموں سے کھرنڈ اتار دیا ہے، وہ تکلیف ایک مرتبہ پھر محسوس ہونے لگی ہے مجھے۔'' انہوں نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

''میرا مقصد آپ کو تکلیف دینا نہیں تھا، مگر آپ مت بھولیں کہ وہ کس ماں کی بیٹی ہے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ان کی زبان زہر اگلنے سے باز نہ آ رہی تھی۔

''وہ میری بھی تو بیٹی ہے، یہ کیوں بھول جاتی ہو؟'' وہ شکست خوردہ لہجے میں باور کروا رہے تھے، صوفیہ کا غصے اور جلن سے برا حال تھا۔

''اسی لئے تو اس کا خیال ہے مجھے، ورنہ میں اس گل افزاء سے تو شدید نفرت کرتی ہوں، جس نے مجھ سے آپ کو چھینا۔'' غصے اور جوش جذبات میں سچ بات ان کی زبان سے نکل آئی تھی، اور اب وہ پچھتا رہی تھیں۔

''میں تمہارا مشکور ہوں، تم نے میرے ٹوٹے اور بکھرے وجود کو سمیٹا، میری بیٹی کو پالا۔'' انہوں نے ممنون نظروں سے ان کی جانب دیکھا تو صوفیہ کو ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا۔

''بس میری ایک ریکوئسٹ ہے۔'' چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

''میرے سامنے اس کا نام مت لیا کرو۔'' نگاہیں سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ پر گاڑے وہ ملتجی انداز میں بولے تو صوفیہ کا ڈھیروں خون جل گیا۔

''کیوں، یاد آتی ہے اس کی؟'' وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ پائیں، غضنفر علی نے ایک خاموش مگر کاٹ دار نظر ان پر ڈالی اور لیٹ گئے، ان کا جواب نہ دینا صوفیہ کو تپا گیا تھا، ان کے کان ترس گئے تھے کہ غضنفر کبھی تو گل افزاء کو برا بھلا کہیں، اس سے نفرت کا اظہار کریں، مگر ایسا کبھی نہ ہوا اور شاید ایسا کبھی ہوگا بھی نا۔

☆☆☆

''اللہ! فروا تم یہاں چھپی بیٹھی ہو، میں نے پورے کالج میں تمہیں ڈھونڈا۔'' وہ لائبریری میں بیٹھی تھی جب عروبہ اس کو ڈھونڈتی ہوئی وہاں آ گئی تھی۔

''کوئی کام تھا؟'' نگاہیں کتاب پر جمائے، بظاہر سرسری انداز میں پوچھا تو عروبہ حیرت سے اسے دیکھے گئے۔

''کیا مطلب ہے کام؟'' اس نے کتاب بند کر دی۔

''آؤ کینٹین چلتے ہیں، ناول ختم ہونے کی خوشی میں تم کو کچھ کھلانا بھی تو ہے۔'' عروبہ کو فروا

کا موڈ کچھ خراب محسوس ہو رہا تھا، دونوں لائبریری سے باہر آ گئیں۔

''تمہیں نہیں لگتا عروبہ تم نے اپنے قارئین کے ساتھ برا کیا ہے آئی مین دیکھو نا، جو لوگ اتنے عرصے سے تمہارا ناول پڑھ رہے تھے تم نے ان کو کیا اینڈ دیا ہے۔'' وہ دونوں چلتی ہوئی اپنی مخصوص جگہ پر آ گئی تھیں، بیگ رکھ کر وہ بینچ پر بیٹھ گئی تھیں، کھانے کی چیزیں جو کینٹین سے خریدی تھیں وہ کھانے لگیں۔

''فروا میں اپنے Readers کو Fantcy world میں رکھ کر دھوکہ نہیں دینا چاہتی، Reality سے دور لے جا کر بے موت نہیں مارنا چاہتی کہ جب سراسر جھوٹ اور دھوکہ پڑھ کر وہ حقیقت کی دنیا میں آئیں تو Adjust کرنا ان کے لئے مشکل ہو۔'' اس نے اپنا نقطہ نظر اس پر واضح کیا تھا، فروا سر ہلا کر رہ گئی۔

''I think رائٹر کو Optimistic ہونا چاہیے نا کہ Pessimistic۔'' فروا نے کہا۔

''And i think writer shoud be realistic۔'' عروبہ نے بھی اختلاف کیا۔

دونوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے اختلاف تھا، کچھ دیر دونوں خاموشی سے کھاتی رہیں، حسب معمول وہاں کوے آ گئے تھے اور عروبہ اپنے شورامہ میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے انہیں بھی دے رہی تھی۔

''Sorry to say عروبہ تم جیسے Negativity کو Highlight کرنے والے رائٹرز خود کو Realistic کیوں کہتے ہیں؟ کیا Reality ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے؟'' فروا نے فائل لہرائی اور تمام کوے اڑ گئے، اس نے شکر ادا کیا۔

''تم چاہتی ہو میں ایک کہانی لکھتی جس میں بے حد حسین اور مظلوم ہیروئین ہوتی اور دور دیس سے کوئی شہزادہ آتا، اسے دلہن بنا کر لے جاتا اور کہانی ختم، اس سے کیا سیکھتے پڑھنے والے۔'' اس نے سوال اٹھایا۔

''Life is not a bed of rases farwa۔'' اس کی بات پر فروا دھیمے پن سے مسکرا دی۔

''کبھی کبھی حقیقت میں بھی ایسا ہو جاتا ہے عروبہ ڈارلنگ!'' وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔

''اب دیکھو نا تم ایک حسین اور مظلوم لڑکی، دور دیس سے آنے والے عیسیٰ احمد کو تم سے محبت ہو گئی، ہے نا افسانوی سچویشن۔'' وہ شریر انداز میں بولی۔

''محبت، وہ بھی عیسیٰ کو، اور مجھ سے؟'' عروبہ کو اس کی باتوں سے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایسی بات بھی کر سکتی ہے۔

''Are you in your sonses۔'' اس نے خفگی سے فروا کو گھورا، جواب میں وہ ڈھٹائی سے مسکرا دی۔

''تو اس میں غلط کیا ہے، کل جس محبت سے وہ تمہارے ہاتھ پر برنال لگا رہے تھے، ہائے کیا فلمی سچویشن تھی۔'' وہ آنکھیں بند کر کے وہی منظر دوبارہ یاد کرنے لگی، عروبہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''تمہارا دماغ چل گیا ہے، جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں انہیں ہمارے گھر آئے ہوئے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ صفائی دے گئی، کیونکہ اسے اپنا کردار بے حد عزیز تھا۔

''محبت بے اختیاری جذبہ ہے عروبہ۔'' وہ

سامنے دیکھتے ہوئے حسرت سے بولی۔

"مہینوں اور سالوں پر محیط کورس سوچ سمجھ کر کیے جاتے ہیں یار، اور پھر اگر سوچ سمجھ کر کرنے والا کام ہوتا تو کوئی سمجھدار انسان محبت نہ کرتا۔" اس نے بڑے رسان سے کہا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، مگر عیسیٰ کو مجھ سے محبت نہیں ہے، ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا، تم حقیقت کی دنیا میں رہا کرو۔" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا تو فروا بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگی، جیسے تاثرات جانچ رہی ہو۔

"تو تمہیں بھی ان سے محبت نہیں ہے؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے عروبہ کی جانب دیکھا۔

"Not at all میرا دماغ ابھی ٹھیک ہے۔" اس نے کولڈ ڈرنک اٹھا کر لبوں سے لگا لی۔

"اور اگر میں کہوں کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" عروبہ نے تیزی سے اس کی جانب دیکھا تھا، جیسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"تو میں تم سے یہی کہوں گی کہ عیسیٰ احمد کا خیال دل سے نکال دو، کیونکہ میری ماما کبھی بھی میری فرینڈ اور عیسیٰ کو......"

"او کم آن عروبہ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

"وہ محبت ہی کیا جس میں پابندیاں نہ ہوں، ظالم سماج نہ ہو اور آزمائشیں نہ ہوں۔" وہ بے خوف لہجے میں بولی تھی۔

"میں تمہارے لئے دعا کروں گی۔" وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئی تھیں، کلاس کا ٹائم ہو رہا تھا۔

"ویسے دن بدن تمہارے مداحوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اتنی کم ایج میں تم نے بڑا نام کمایا ہے۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں، فروا اس کی زندگی کے ہر راز سے واقف تھی، اس کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ رائٹر ہے وہ کسی کو نہیں بتاتی تھی۔

"میں اس لئے نہیں لکھتی کہ لوگ میرے دیوانے ہو جائیں، مجھے Idealise کرنے لگیں، میں تو بس ان کے غم بانٹنے کی کوشش کرتی ہوں اور مجھے زندگی میں ان سے کچھ نہیں چاہیے بس میری خواہش ہے کہ میرے مرنے پر رونے والوں میں میرے بے شمار قارئین شامل ہوں، وہ میری موت کو شدت سے محسوس کریں، اپنی موت سے میں ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاؤں۔" اس کی بات سن کر فروا دھک سے رہ گئی، ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم رائٹر لوگ بھی نہ پاگل ہوتے ہو، کیسی کیسی عجیب خواہشات پالتے ہو، اب بھلا مرنے کے بعد خواہش پوری ہونے کا کیا فائدہ۔" جواب میں عروبہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کلاس روم میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ سیدھا اپنے بیڈ روم میں آیا تھا، ہاتھ میں تھاما کوٹ صوفے پر اچھالا اور جھک کر پیروں کو جوتے کی قید سے آزاد کروانے لگا۔

"السلام علیکم فارقلیط صاحب!" رمضو بابا دروازہ ناک کر کے اندر آئے تھے۔

"ڈیڈی کہاں ہیں؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ان کی میٹنگ ہے، دیر سے آئیں گے، آپ کے لئے کھانا لگا دوں؟" رمضو بابا نے مودب انداز میں پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"بھوک نہیں ہے، ایک کپ کافی پلا

دیں۔" اس نے کوٹ کی جیب میں سے موبائل نکالا اور مبشر کا نمبر نکالنے لگا، تو ماہ جبیں کا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی، وہ مبشر کو بھول کر اسے کال کرنے لگا۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں۔" آواز سن کر وہ حیران رہ گیا، اس نے دوبارہ کال کی، سہ بارہ، ہر بار کمپیوٹر نے اسے یہی بتایا۔

"تو مس ماہ جبیں آپ مجھے بے وقوف بنا گئیں۔" بظاہر وہ اسے بہت معصوم سی لگی تھی، اس کی ہوشیاری پر وہ ہنس دیا، موبائل سائیڈ پر رکھ کر اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی اور آنکھیں موندلیں۔

"فارقلیط صاحب کافی!" رمضو بابا کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ٹیبل پر رکھ دیں۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا، رمضو بابا نے کپ میز پر رکھا اور الٹے قدموں باہر نکل گئے، کافی میز پر پڑی ٹھنڈی ہوتی رہی اور وہ یہ سوچتا رہا کہ وہ ایک لڑکی اس سے متاثر کیوں نہ ہوئی۔

☆☆☆

"امی!" ساجدہ سبزی بنا رہی تھیں، فروا پاس بیٹھی ٹیسٹ یاد کر رہی تھی، مگر اس کی سوچ کا پنچھی کسی اور سمت پرواز کر رہا تھا۔

"ہوں۔" انہوں نے لمحہ بھر کو نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ناں۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی تو انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا، مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔

"انہیں سب کچھ بہت آسانی سے مل جاتا ہے، وہ چیزیں جن کے لئے دوسرے روتے تڑپتے اور دعائیں مانگتے ہیں، پھر بھی انہیں نہیں ملتیں، ان لوگوں کو بنا مانگے مل جاتی ہیں، آئی مین انہیں نہ انتظار کرنا پڑتا ہے کسی چیز کے لئے اور نہ صبر کی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں موجود حسرت و یاس اور الفاظ کی سختی پر وہ پہلے تو حیران ہوئیں پھر خود کو سنبھال کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"اللہ کی قسم بہت اچھی ہے، اس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔" بظاہر اپنا دھیان سبزی کی طرف رکھتے ہوئے وہ سرسری انداز میں کہنے لگیں۔

"مگر کچھ لوگوں کو سب کچھ کیوں مل جاتا ہے امی؟" وہ ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اس میں بھی اللہ کی مصلحت ہوتی ہے بیٹا اور پھر جسے جتنا زیادہ نوازا جاتا ہے اس پر اتنی ہی زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں، کیا وہ رشتہ داروں کے حقوق پورے کرتا ہے، ہمسایوں کا خیال رکھتا ہے، غریبوں مسکینوں کی مدد کرتا ہے۔" انہوں نے مدبرانہ انداز میں کہا، جانتی تھیں ذرا سی سختی اس کے لئے بری ثابت ہو سکتی ہے۔

"مگر پھر بھی امی وہ لائف کو انجوائے تو کر لیتے ہیں نا، آئی مین آپ عنیزہ باجی کو دیکھیں ان کی وارڈ روب میں ایک سے بڑھ کر ایک ڈریس ہے، ڈائمنڈ جیولری اف امی آپ دیکھیں تو دیکھتی رہ جائیں۔" اس کی آنکھوں میں لالچ کی چمک دیکھ کر انہیں اپنی تربیت پر افسوس ہونے لگا تھا۔

"تم عنیزہ کو خوش قسمت کہہ رہی ہو؟" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔

"عین جوانی میں اتنے خوفناک مرض میں مبتلا ہے، ایک گردہ مکمل خراب ہو چکا ہے اور دوسرا ستر فیصد۔" انہوں نے اسے تفصیل بتائی۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" اسے بہت

افسوس ہوا۔

''موسیٰ آیا تھا، تم کالج تھی، مجھے دعا کے لئے کہا، ساتھ ہی عزیزہ کا پیغام دیا کہ مجھے ملنا چاہتی ہے، میں نے کہا میں رات کو آؤں گی۔''
ان کی بات سن کر وہ افسردہ ہوگئی، انہیں یہاں رہتے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا اور موسیٰ نے ہمیشہ انہیں اپنے گھر کے افراد کی طرح سمجھا، وہ ان سے کرایہ بھی نہیں لینا چاہتا تھا مگر ساجدہ کی انا یہ گوارا نہ کرتی تھی اور ہر مہینے کی یکم کرایہ اسے دیتی تھی، اس بار تو دو ماہ ہوگئے کرایہ بھی نہیں دیا۔

''خوشیاں روپے پیسے کپڑے جوتے اور ڈائمنڈ سیٹ سے مشروط نہیں ہیں میرے بچے، سکھ سکون عزت اور محبت میسر آجائے تو فقیر کی جھونپڑی میں بھی سکون ہے۔'' انہوں نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا، جانتی تھیں کم عمر اور نادان ہے۔

''یہ سب بھی فلسفیانہ باتیں ہیں امی اور فلسفے سے پیٹ نہیں بھرتا، آپ کبھی نہ عروبہ جیسی باتیں کرتی ہیں، وہ بھی آپ کی طرح سمجھاتی رہتی ہے مجھے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

''اب یہ ٹینڈے کھا کر تو میں اللہ کا ہرگز شکر ادا نہیں کروں گی۔'' وہ کتاب بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چائے پئیں گی؟'' وہ کچن کی جانب بڑھتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''رہنے دو، کھانا کھائیں گے تم پڑھو۔'' انہوں نے اسے روکا۔

''کھانے میں تو جیسے بریانی اور کوفتے ہیں۔'' منہ بسورتی ہوئی وہ کچن میں گئی اور دو منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی۔

''چائے کی پتی نہیں ہے امی۔'' اس کا موڈ بری طرح آف ہوا تھا۔

''اسی لئے میں کہتی ہوں کہ فلسفے سے پیٹ نہیں بھرتا۔'' اس رات وہ کھانا کھائے بغیر سوگئی تھی۔

☆☆☆

چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور دھرتی پر روشنی بکھیر رہا تھا، فضا میں رات کی رانی کی خوشبو مہک رہی تھی، غضنفر ٹیرس پر کھڑے تھے۔

''مجھے رات کی رانی کی خوشبو بہت پسند ہے۔'' وہ اپنی ستواں ناک کو سکوڑ کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتار رہی تھی۔

''اور مجھے تم۔'' وہ سنجیدگی سے بولے۔

''غضنفر!'' اس نے آنکھیں نکالیں، جواب میں وہ ہنس دیے۔

''ہمیشہ ایسے ہی رہنا، سادہ اور معصوم۔'' بغور اس کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چند ثانیے خاموشی سے اس کے تیکھے مغرور مردانہ نقوش کو دیکھتی رہی۔

''کبھی کبھی آپ کو کھو دینے کے موسم مجھے بہت ستاتے ہیں غضنفر!'' اس نے جھک کر ایک پھول توڑا اور اس کے کوٹ کی جیب میں لگا دیا۔

ہوا سرسراتی ہوئی ان کی کھڑکی پر دستک دینے لگی تو بہت سے پرانے زخم تازہ ہونے لگے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔

''تو یہ طے شدہ اک ہے گل افزاء کے میں تم کو بھول نہیں پایا، نفرت تو بہت دور کی بات، کتنی عجیب سی بات ہے کہ میں تم سے بچھڑ کر بھی زندہ ہوں، کیوں گل افزاء کیسے؟'' وہ آج بھی ان کی تنہائیوں میں دبے پاؤں چلی آتی تھی، وقت نے انہیں بتا دیا تھا کہ جن کے لئے دل میں ایک مرتبہ

[illegible] جائے، پھر لاکھ نفرت کے بیج اس شخص کے نام کے بوئے جائیں، فصل محبتوں اور پھولوں کی ہی اگتی ہے۔

''کاش! تم آکر دیکھو گل افزاء یہ دل آج بھی تمہارے نام پر دھڑک رہا ہے، محفل ہو یا تنہائی یہ صرف تمہارے نام کی مالا جپتا ہے، ایک بار آکر دیکھو۔''

سرِ خامہ، سرِ محفل
سرِ بازار می رقصم......!!!
سرِ ہستی، سرِ مقتل
دیوانہ وار می رقصم......!!!
خدا جانے کہ
تیرے ہجر میں
دلدار می رقصم......!!!
دلِ ناداں سنبھل جائے
جو کہو دیدار می رقصم......!!!

☆☆☆

موسم نے انگڑائی لی تھی، گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا، ٹھنڈی اور مستانی ہوائیں چل رہی تھیں، عروبہ ٹیرس پر بیٹھی پڑھ رہی تھی، عیسٰی احمد اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گیا، اس نے کتاب سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

''سمجھ نہیں آتی، آپ مغرور ہیں، خود پسند یا پھر مجھ سے خوفزدہ۔'' عروبہ نے پل بھر کو نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ نگاہیں جھکا لیں۔

''یعنی کہ حد ہو گئی بے مروتی اور بد لحاظی کی۔'' اس نے آگے بڑھ کر کتاب اس کے ہاتھ سے پکڑ کر بند کر دی۔

''میرا پیپر ہے کتاب واپس کریں۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا جس پر عیسٰی احمد مسکرا دیا۔

''تھینک گاڈ میں تو Expect کر رہا تھا آپ کہیں گی ماما آ جائیں گی، جائیں پلیز۔'' اس کی نقل اتار کر بولا تو وہ ہنس دی، مگر سامنے سے آتی ماما کو دیکھ کر اس کی ہنسی فوراً سمٹ گئی۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے عروبہ، میری ماما نیکسٹ ویک پاکستان آ رہی ہیں، اور میں......''

''عیسٰی تمہارے انکل بلا رہے ہیں تمہیں۔''

ان کے آ جانے سے وہ خاموش ہو گیا اور بات ادھوری رہ گئی، وہ سست روی سے چلتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا، جبکہ عروبہ نے ان کی طرف دیکھا۔

''آئیں ماما، بیٹھیں۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ تم سے؟'' چبھتی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تیکھے پن سے بولیں۔

''کچھ خاص نہیں، بس یہ بتایا کہ میری ماما نیکسٹ ویک آ رہی ہیں۔'' اس نے سچ بتا دیا، جواب میں ان کا غصے سے برا حال تھا۔

''تو اتنی دوستی ہو گئی تم سے کہ نہ مجھے بتایا نہ میری بیٹیوں کو، سیدھا تمہارے پاس آیا اور کیا کہہ رہا تھا؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہی، بالکل یہی ادائیں تمہاری ماں کی ہوا کرتی تھیں، اسی معصومیت اور بھولپن کے جال میں اس نے غضنفر کو پھنسایا اور آج تک میں اس کی سزا بھگت رہی ہوں، میری بات یاد رکھنا، عیسٰی احمد کبھی تمہارا نہیں ہو سکتا، اس کو روکنے کے لئے مجھے جو بھی کرنا پڑا میں کروں گی، آخری حد تک جاؤں گی، ماضی کی طرح خاموش تماشائی نہیں بنوں گی۔'' انہوں نے وارن کرنے کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔

''آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں ماما،

میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ پلیز بے فکر رہیں میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔'' اس لمحے اچانک اس پر ادراک ہوا کہ اس کا دل اس فیصلے پر کس قدر شور مچا رہا ہے، مگر اس کے دل کو عادت تھی، ڈانٹ کھا کر خاموش ہو جانے کی۔

''میری بات یاد رکھنا، دوبارہ میں نہیں سمجھاؤں گی، ورنہ نتائج بہت سنگین نکلیں گے۔'' اس پر ایک آخری کاٹ دار نگاہ ڈال کر واپس مڑ گئیں، وہ گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

''موسیٰ!'' وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی، مگر موسیٰ جانتا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے، معصب اس کے بازو پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا، کمرے میں سناٹا تھا، وہی بیڈروم جس میں ان دونوں کے شوخی اور شرارت بھرے قہقہے گونجتے تھے۔

''ہوں۔'' اس نے عنیزہ کے کمزور وجود کو دکھ بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''میری اس وقت حالت پتا ہے کیسی ہے؟'' اس نے آہستہ آواز میں کہا، موسیٰ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا، کیا واقعی یہ وہی عنیزہ ہے جس کے حسن کے یونیورسٹی میں چرچے تھے۔

''ذہن پر زور مت دو عنیزہ۔'' وہ اسے بولنے سے باز رکھنا چاہتا تھا، اس کی باتوں سے اسے وحشت ہوتی تھی۔

''میری حالت اس طالب علم جیسی ہے، جو کہ سارا سال کھیل کود میں گزار دیتا ہے اور پھر..... اور پھر امتحان میں خالی پیپر سامنے رکھے سوالات کو گھور رہا ہوتا ہے، شاید کسی کا جواب آ جائے، ارد گرد دیکھتا ہے، کوئی دوسرا ساتھی بتا دے، مگر کمرہ امتحان میں ہمیشہ نفسا نفسی ہوتی ہے۔'' وہ تھک گئی تھی اور خاموش ہو گئی تھی۔

''اب موسیٰ میرے امتحان کا وقت ختم ہو رہا ہے اور میرا پیپر خالی ہے پاسنگ مارک بھی نہیں آئیں گے میں کیا کروں موسیٰ، پلیز مجھے بتاؤ، میں ایسے نہیں مرنا چاہتی۔''

''فار گاڈ سیک عنیزہ۔'' دروازے پر دستک ہوئی تھی، موسیٰ نے دروازے کی سمت دیکھا۔

''یس۔'' دروازہ کھلا اور ساجدہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتیں عنیزہ کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔

''السلام علیکم!'' شائستگی سے سلام کر کے انہوں نے مسکرا کر عنیزہ کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''بیٹھیں آنٹی پلیز۔'' موسیٰ نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ بیٹا۔'' وہ بیٹھ گئیں۔

''فروا نہیں آئی؟'' عنیزہ نے دریافت کیا،

''سو گئی ہے وہ، کل آئے گی۔'' وہ بات بنا گئیں۔

''ہاں۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی اور چھت کی لڑیوں کو گھورنے لگی۔

''جب جوانی، صحت دولت اور شہرت پاس ہو تو انسان میں بہت اکڑ آ جاتی ہے، پتا نہیں خود کو کیا سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ آنٹی......'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''انسان کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی، موسیٰ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''طبیعت کیسی ہے بیٹا؟'' انہوں نے بات بدلی۔

''میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے آنٹی۔'' وہ مایوس کن لہجے میں بولی۔

''ایسا نہیں کہتے بچے۔'' انہوں نے فوراً اسے ٹوکا، وہ لمحہ بھر کو خاموش رہی، جیسے سوچ رہی

ہو کہ بات کیسے کرے ان سے، کس طرح شروع کرے۔

''میں نے اپنی امی کا دل دکھایا، مجھے ان کی بد دعا لگ گئی۔'' وہ بہت کمزور ہو گئی تھی، چہرہ بالکل بے رونق لگ رہا تھا، اس کا حال بالکل ایسا تھا جیسے کوئی شاندار عمارت زلزلے کے باعث تباہ ہو جاتی ہے۔

''ماں اپنے بچے کو کبھی بد دعا نہیں دیتی، دے ہی نہیں سکتی۔'' انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا، وہ یقین و بے یقینی سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''آپ سے ایک بات شیئر کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے، بہت مضطرب دکھائی دے رہی تھی، ساجدہ اس کی بے چینی کو بھانپ گئی تھیں۔

''ضرور بیٹا!'' وہ ہمہ تن گوش تھیں، نظریں اس پر جمائے بیٹھی تھیں۔

''آنٹی میں نے......'' اتنا کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا، سر ان کے سینے پر رکھے وہ زار و قطار رو رہی تھی، بہت دیر رونے سے جب دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو ہمت مجتمع کر کے وہ پھر سے گویا ہوئی۔

''میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی آنٹی، زندگی بھر کبھی قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگایا اللہ پاک مجھے کیسے معاف کرے گا، میں اس کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گی۔'' اس کا گلا پھر سے رندھنے لگا تھا۔

''بیٹا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔'' وہ بولیں تو ان کے لہجے میں بے پناہ سکون تھا، عنیزہ کو ان پر رشک آیا۔

''معافی مانگنے والے کو کبھی دھتکارتا نہیں ہے، اگر کوئی ایک قدم چل کر اس کے پاس آتا ہے تو وہ دس قدم خود اس کے قریب ہو جاتا ہے، وہ بڑا غفور رحیم ہے۔'' ان کی باتیں اس کے اندر کی بے چینی کو مزید بڑھا رہی تھیں۔

''کیا میں اب نماز پڑھ سکتی ہوں؟'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

''کیوں نہیں، اللہ کی طرف سے توبہ کے دروازے آخری سانس تک کھلے رہتے ہیں بیٹا۔'' ان کی بات سے اسے یک گونہ سکون کا احساس ہوا تھا۔

''اور قرآن پاک۔'' اس نے اگلا سوال کیا۔

''ضرور بیٹا، اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔'' ان کے کہنے سے اسے کچھ کچھ تسلی ہوئی تھی۔

اور پھر ساجدہ روزانہ فروا اور موسیٰ کے جانے کے بعد اس کے پاس آ جاتیں، اسے نماز اور قرآن پاک پڑھاتیں، وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی تھی، کمزوری کی وجہ سے اس کی ٹانگیں کانپتی تھیں، مگر وہ پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھتی تھی بیٹھ کر اور قرآن پاک بھی، جونہی وہ نماز یا قرآن پڑھنے لگتی سکون کی لہریں اس کے اندر اٹھنے لگتی۔

☆☆☆

''علیشہ کچھ خبر ہے تمہیں، یہ عروبہ تو بہت چالاک نکلی اور دیکھنا ایک دن یہ عیسیٰ کو لے اڑے گی۔'' وہ سخت غصے میں دکھائی دے رہی تھیں۔

''تو ہمیں کیا؟'' اس نے شانے اچکائے۔

''میں تمہاری اور عیسیٰ کی شادی کروانا چاہتی ہوں۔''

''فار گاڈ سیک ماما!'' علیشہ تو جیسے تڑپ اٹھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''میں...... میں تو Commited ہوں عدیل سے۔'' اپنی بات کہنے کا اس سے اچھا کوئی اور موقع نہ تھا۔

''اوہ۔'' انہوں نے سر جھکا۔

''تم باپ بیٹیاں ہمیشہ مجھے مایوس ہی کرنا۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''آج آفس سے جلدی آ جایئے گا۔'' علیزہ نے موسیٰ کو تیار ہوتے دیکھ کر کہا، موسیٰ دیکھ رہا تھا کہ اس کی حالت کافی سنبھل رہی تھی، کل اس کا دوبارہ چیک اپ ہونا تھا۔

''میں جاتا ہی نہیں۔'' وہ واپس پلٹا۔

''نہیں، آپ جائیں پلیز۔'' اس نے اسے منع کر دیا۔

''تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا، ہمارے گھر میں پھر سے خوشیاں لوٹ آئیں گی۔'' کچھ دیر بعد وہ آفس چلا گیا تھا، عنیزہ نے سوئے ہوئے معصب کو حسرت زدہ نظروں سے دیکھا تھا، وہ کافی شرارتی ہو رہا تھا، اس نے آگے بڑھ کر اسے بوسہ دیا، ساجدہ آنٹی آج نہیں آئی تھیں، وہ وضو کر کے قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی، اب اس کا آخری سہارا یہی تھا، وہ زیادہ سے زیادہ تسبیحات پڑھتی، ہر وقت یہ سوچتی رہتی کہ وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جو ایسے گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں جہاں اسلامی تعلیمات کو ہر چیز پر فوقیت دی جاتی ہے، اس کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دینا، میں جانتی ہوں بہت گناہگار ہوں، سیاہ کار ہوں، مگر میرے اللہ، اگر بچہ گندہ ہو جائے تو ماں اسے پھینکتی تو نہیں، صاف کر کے پھر سے گلے لگا لیتی ہے اور تو تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے اپنے بندوں سے۔''

بہت سارا رو چکنے کے بعد دل کچھ پرسکون محسوس ہو رہا تھا، وہ قرآن پاک رکھ کر لیٹ گئی، دوپہر میں فروا آ گئی۔

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کہہ رہی تھیں شام میں آئیں گی آپ کی طرف۔'' فروا سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گئی تھی، عنیزہ خاموشی سے اس کے فریش چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے آپ سے سوری کہنا تھا عنیزہ باجی۔'' اس نے بمشکل الفاظ کو ترتیب دیتے ہوئے کچھ ڈرے ہوئے انداز میں عنیزہ کی سمت دیکھا تھا۔

''سوری؟'' عنیزہ کو اس کی بات سے اچنبھا ہوا تھا۔

''مگر کس لئے؟''

''آپ کی غیر موجودگی میں، میں نے آپ کی جیولری کو کھول کر دیکھا تھا۔'' نگاہیں جھکائے وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

''اس میں سوری کی کیا بات، تم میری چھوٹی بہن کے جیسی ہو، بلکہ اگر تمہیں کچھ پسند بھی آیا ہے تو لے لو۔'' فروا کی آنکھیں ورطہ حیرت سے پھیل گئیں، وہ بے یقینی سے عنیزہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''امی میری جان نکال دیں گی۔''

''تم جیولری اٹھا کر لاؤ۔'' فروا کچھ جھجکتی ہوئی اٹھی اور باکس اٹھا لائی۔

''لے لو جو پسند ہے۔'' فروا نے وہی ڈائمنڈ سیٹ اٹھا لیا۔

''اس محبت اور خلوص سے مہنگا نہیں جو تم نے اور آنٹی نے مجھے دی۔'' اس نے زبردستی وہ سیٹ فروا کو دے دیا۔

اس شام موسیٰ اس کے لئے پھول لے کر آیا، وہ پھیکے پن سے مسکرادی۔

"مجھ سے آج ایک وعدہ کریں موسیٰ۔" اس کا ہاتھ اپنے کمزور ہاتھ میں تھامے وہ گویا ہوئی۔

"آپ نماز پڑھا کریں اور......" وہ خاموش ہوگئی، موسیٰ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا، مگر ہنوز چپ تھا، اس کے پاس الفاظ جیسے ختم ہوتے جارہے تھے، کہتا بھی تو کیا۔

"اور مصعب جب سات سال کا ہو جائے گا تو اسے نماز پڑھائیں گے۔" موسیٰ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا، اسی وقت ساجدہ آ گئی تھیں، انہیں دیکھ کر عنیزہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا، وہ موسیٰ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے آج آپ سے کچھ مانگنا ہے آنٹی۔" اس نے آس بھری نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھا تھا، انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو کہیں تو فروا کی شادی کرنی ہے نا۔" موسیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اسے عنیزہ کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"موسیٰ کے پاس وہ سب ہے جو ایک لڑکی کے......"

"اسٹاپ اٹ عنیزہ!" موسیٰ زور سے چلایا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟" شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"ایم سوری آنٹی۔" اس نے حیران بیٹھی ہوئی ساجدہ آنٹی سے معذرت کی تھی۔

"بیماری کی وجہ سے اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہے شاید۔" اسے عنیزہ سے ایسی حماقت کی توقع نہ تھی۔

"سارا دن پتا نہیں کیا سوچتی رہتی ہے۔" اسے ساجدہ آنٹی سے بھی شرم محسوس ہو رہی تھی کہ وہ کیا سوچیں گی، فروا ان کی اکلوتی بیٹی ہے، وہ کیسے اسے ایک شادی شدہ، ایک بچے کے باپ سے بیاہ سکتی ہیں۔

"آنٹی میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑ رہی ہوں، پلیز مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹائیں، فروا یہاں بہت خوش رہے گی، کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی اسے۔" اس نے ملتجی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش پوری کر دیں، میں سکون سے مر سکوں گی، مجھے پتا ہے فروا کی تربیت آپ نے کی ہے، وہ بہت اچھی اور سمجھدار ہوگی، وہ ایڈجسٹ ہو جائے گی۔" ساجدہ کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، انہیں سمجھ نہ آ رہی تھی کیا کہیں۔

"مجھے منظور ہے، اگر موسیٰ کو اعتراض نہ ہو۔" وہ بدقت تمام بول پائیں، عنیزہ کا چہرہ کھل اٹھا تھا، جبکہ موسیٰ کی حالت ایسی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"میں چاہتی ہوں کل ان کا نکاح ہو جائے۔" موسیٰ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا، عنیزہ نے ساجدہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومے اور آنکھوں سے لگا لئے۔

☆☆☆

صوفیہ اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھیں تو نویلہ کے روم کی جلتی لائیٹ دیکھ کر چونک اٹھیں۔

"یہ تو جلدی سو جاتی ہے، اب تک کیوں جاگ رہی ہے۔" وہ اس کے کمرے میں آ گئیں، اندر جو منظر انہوں نے دیکھا وہ ان کا دل دہلانے کو کافی تھا، نویلہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"نویلہ! میری جان، کیا ہوا؟" انہیں سامنے دیکھ کر وہ ایک دم چپ ہوگئی، انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں

لے کر پیار سے استفسار کیا۔
''عیسیٰ...... نے...... مجھے......'' اتنا کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی۔
''کیا کہا عیسیٰ نے؟'' ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
''انہوں نے مجھے ڈانٹا، کہا آئندہ میرے روم میں نہ آنا۔'' آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں میں بہہ رہے تھے، صوفیہ کا غصے سے برا حال تھا۔
''تم اس کے کمرے میں کیوں گئی تھی؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ نگاہیں جھکا گئی۔
''کیا تم عیسیٰ میں انٹرسٹڈ ہو؟'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لپکا تھا۔
''تم بے فکر ہو جاؤ نویلہ، میں سب سنبھال لوں گی، بس میری جان۔'' اس کا سر سینے سے لگائے، اس کی پشت سہلاتے ہوئے وہ گہری سوچ میں مستغرق تھیں، گل افزاء نے انہیں ہرایا تھا، اس ہار کا بدلہ وہ اس کی بیٹی سے لینا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

امی گہری نیند سو رہی تھیں، فروا کتاب رکھ کر اٹھی اور دبے پاؤں چلتی ہوئی الماری کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس میں سے وہ سیٹ نکالا جو عنیزہ نے اسے دیا تھا، اسے لے کر وہ باہر آ گئی اور دیوار پر لگے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر پہننے لگی جس میں صرف چہرہ اور بمشکل گردن نظر آتی تھی۔
''واؤ۔'' اچانک عیسیٰ احمد اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔
''کتنی حسین لگ رہی ہو تم۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا، فروا دم سادھے کھڑی تھی۔
''تم بہت خوبصورت ہو اور بہت اچھی بھی تمہیں تو کسی محل میں ہونا چاہیے، کیا تم میرا ساتھ قبول کرو گی؟'' وہ اس کا الوژوون تھا وہ بناء پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی، اسے عیسیٰ احمد سے بے پناہ محبت ہو چکی تھی۔
''ہاں، مجھے آپ کا ساتھ قبول ہے عیسیٰ احمد۔'' اس نے جذب سے کہا، ایک دم وہ چونک کر مڑی تھی، پیچھے عیسیٰ احمد نہیں تھا، وہ اِدھر اُدھر اسے ڈھونڈنے لگی، مگر وہ کہیں نہ تھا۔
''ملنے سے پہلے ہی بچھڑنے لگے ہو، کتنے ظالم ہو عیسیٰ احمد۔'' اس نے بے دلی سے سیٹ اتارا اور واپس الماری میں رکھ دیا، سب کچھ ایک دم فضول اور بے معنی لگ رہا تھا، اپنا آپ بھی۔

☆☆☆

اس کے سینے میں اچانک درد اٹھا تھا، وہ سوتے میں کراہ کر جاگ اٹھی تھی، درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔
''موسیٰ!'' اس نے گھبرا کر اسے آواز دی، وہ جاگ گیا تھا، تیزی سے اس کے قریب آیا، عنیزہ کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا، موسیٰ نے لائیٹ آن کی۔
''عنیزہ...... مم...... میں ڈاکٹر کو کال......''
''موسیٰ ٹائم نہیں ہے۔'' اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''میری بات...... سنیں۔'' موسیٰ نفی میں سر ہلانے لگا۔
''مجھ سے وعدہ کرو تم فروا سے شادی کرو گے۔'' وہ یقین دہانی چاہتی تھی، موسیٰ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم سے ناراض ہو کر جاؤں؟'' اس کا سانس پھولنے لگا تھا، موسیٰ کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا عنیزہ مت کرو ایسی باتیں، تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"موسیٰ میں جا رہی ہوں، کہو تم...... فروا...... سے...... شادی۔"

"نہیں عنیزہ!" موسیٰ رونے والا ہو گیا تھا۔

"یہ ظلم مت کرو مجھ پر۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا، مگر عنیزہ پر صرف ایک ہی دھن سوار تھی۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں سکون سے مروں، تو کہہ دو، تم فروا سے......"

"اوکے میں کرلوں گا اس سے شادی، مگر تم ایسا مت کہو۔"

"موسیٰ یہ دنیا نظر کا دھوکہ ہے، جو وقت ہے اس کا فائدہ ضرور اٹھانا، آخرت کے لئے تیاری کرنا، اور......" وہ رو دی تھی، اسے روتے دیکھ کر موسیٰ کی آنکھیں بھی نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں تھیں۔

"موت اس کائنات کی، سب سے بڑی حقیقت ہے، مصعب کو...... میری کمی...... محسوس نہ ہونے دینا۔" کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے مصعب کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"فروا...... اس...... کے...... لئے...... بہترین...... ماں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی تھی، موسیٰ تیزی سے سائیڈ ٹیبل کی طرف لپکا، گلاس میں پانی انڈیلا اور گلاس اس کے منہ سے لگا دیا۔

"دن گزر گیا، شام ہو رہی ہے، اندھیرا، پھیل...... رہا...... ہے موسیٰ...... میری قبر پر آ کر...... قرآن...... پاک...... پڑھا...... کرنا۔" موسیٰ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی، وہ بے بسی سے آنسو بہا رہا تھا، بات اس کے اختیار سے نکل چکی تھی، دور کہیں اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی، عنیزہ کے منہ سے ایک سسکی برآمد ہوئی، موسیٰ علی دم سادھے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اللہ!" عنیزہ موسیٰ کے منہ سے آخری لفظ نکلا اور اس کی نبضیں تھمنے لگیں، موسیٰ بت بنا تقدیر کے سامنے بے بس کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں موجود عنیزہ کا ہاتھ ٹھنڈا ہونے لگا تھا، موسیٰ احمد کی دھڑکنیں تھمنے لگی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ)

نہیں ہم کو شکایت اب کسی سے
بس اپنے آپ سے روٹھے ہوئے ہیں
بظاہر خوش ہیں لیکن سچ بتائیں
ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں

صاحبہ کے چلے جانے کے بعد سے اس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا تھا، ٹاسک کے دوران وہ نیچے چلی آتی اور پھر ٹاسک ختم ہوتے ہی واپس اپنے کمرے میں گھس جاتی، دو دن ایسے ہی گزر گئے، الحان نے خود سے اسے بلوانے کی کوشش تک نہ کی، ٹاسک اور کھانے کے دوران وہ نظر بھر کر دیکھ لیتا، پھر نظر ملتے ہی وہ نظریں چرا جاتا، یہ سلسلہ دو دنوں تک مسلسل چلتا رہا، آج وہ لوگ ڈنر سے فری ہو کر کافی کا دور چلا ہی رہے تھے کہ خرم نے پرجوش انداز میں اپنی اینٹری دی۔

''سرپرائز!''

ناولٹ

''واٹ؟''

تابہ، مسکان اور آشلے کی شکل دیکھنے والی تھی وہ یقیناً حیران تھیں کہ صرف دو دن بعد اگلی ایلیمینیشن کیسے آسکتی ہے، الحان بھی حیران کن نگاہوں سے خرم کی جانب دیکھنے لگا، خرم شریر مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے اپنے مخصوص انداز میں گویا تھا۔

''ویل! لیڈیز پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں آج یہاں ایلیمینیشن کا سرپرائز نہیں بلکہ ایک سپیشل سرپرائز لے کر حاضر ہوا ہوں، گیس واٹ؟'' تینوں لڑکیاں سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں، مانیہ ان سب سے انجان، اپنا کپ منہ سے لگا بیٹھی تھی۔

''سب سے پہلے آپ چاروں لیڈیز کو کامیابی کے اتنا قریب آنے پر بہت بہت مبارک ہو۔''

چھٹی اور آخری قسط

ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"شیور۔" کیمرہ مین ریکارڈنگ کرتا ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں داخل ہونے لگا، مانہ نے کریڈل پہ سے ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کیا، دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

"زرین! ہائے کیسی ہو؟" زرین کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی، دوسری جانب زرین، شاپنگ بیگز گاڑی میں رکھتی خوشگوار لہجے میں گویا ہوئی۔

"مانہ! ایک دن کے لئے گئی تھیں تم، دو مہینے ہو چلے ہیں، کیسی ہو میری جان؟ سب ٹھیک ٹھاک ہے ناں؟"

"ہاں ٹھیک ہوں، سب ٹھیک ہے، تم مجھ سے ملنے آسکتی ہو؟"

"مانہ! میں اس وقت برمینگھم میں ہوں، میری کزن کی شادی ہے، ہم لوگ کل ہی یہاں آئے ہیں، ایک ہفتہ یہیں رکنے والے ہیں، ایک منٹ۔" اس نے کچھ یاد آتے ہی حیرانگی کا مظاہرہ کیا۔

"تم اینگیجڈ ہو گئیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟" مانہ چند ثانیے خاموش رہی، پھر بولی۔

"ایک ٹاسک سمجھ لو، چار فائنلسٹ اپنی اپنی فیملیز سے ملوائیں گی الحان کو۔"

"اوہ......" زرین سوچ میں پڑ گئی۔

"الحان نے کب وزٹ کرنا ہے تمہیں؟"

"شاید کل یا پھر پرسوں، ابھی اطلاع نہیں ملی۔"

"میں آجاتی ہوں مانہ، ڈونٹ وری۔"

"نہیں نہیں تم نہیں آؤ، میں سب سنبھال لوں گی۔"

"مانہ!"

"لِس او کے زرین میں بیچ میں سنبھال لوں گی، تم اپنی کزن کی شادی انجوائے کرو، اچھا یہ بتاؤ، لاسٹ پبلشنگ کا ریسپانس کیسا رہا؟" وہ اپنی بک کے حوالے سے بات کرنے لگی، زرین مسکرادی۔

"سپرب، تم یقین نہیں کرو گی مانہ 2000 کاپیز ایک ہی دن میں سیل ہو گئیں۔"

"رئیلی؟" مانہ کو اچنبھا ہوا۔

"ہاں میری جان، سچ میں، تمہارے ناولز کی دھوم تو اب دور دور تک پھیلتی دکھائی دے رہی ہے، سبھی لوگ بہت پسند کر رہے ہیں تمہارا ناول۔" زرین نے خوشی کا اظہار کیا، مانہ ہلکے سے مسکرادی۔

"اچھا یہ بتاؤ، تم اب الحان سے کیا کہو گی؟"

"کس بارے میں؟"

"فیملی کے بارے میں۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے، بہر حال میں مینج کر لوں گی، ڈونٹ وری اور ہاں آنٹی انکل کو میرا سلام دینا۔"

"ضرور۔"

"چلو تم انجوائے کرو، تم آجاؤ گی تو ملاقات کریں گے۔"

"انشاء اللہ، ٹیک کیئر۔" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی وہ لمبی سانس کھینچتی کچن میں چلی آئی، وہ لنچ بنانے میں مصروف تھی کہ ارسلان (کیمرہ مین) کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اوکے میڈم! مجھے اب اجازت دیں۔"

"کیوں؟" مانہ حیرانی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"جتنی ریکارڈنگ ہو سکتی تھی، وہ میں نے

کر لی، آپ کے گھر والے یہاں موجود نہیں، ورنہ ان سب کا انٹرویو کر لیتا۔'' اس نے گھر پر نگاہ دوڑاتے ہی اپنا کیمرہ سنبھالا، مانہ خاموش ہو کھڑی ہوئی۔

''ہاں ابھی مجھے کال پر بتایا گیا کہ الحان آپ کے یہاں پرسوں وزٹ کرنے آئیں گے، تو پھر میں بھی اب پرسوں ہی حاضری دوں گا، اجازت دیجیے۔'' وہ جانے لگا۔

''میں لنچ بنا رہی تھی۔''

''تھینک یو میڈم! فی الحال مجھے طلب نہیں، چلتا ہوں۔'' وہ جا چکا تھا، مانہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے لاک لگا دیا، دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی اب وہ کچھ سوچتے سوچتے لب بھینچ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن الحان سب سے پہلے مسکان کے یہاں گیا، کیمرہ مین الحان کی تیاری سے لے کر اس کی ڈرائیونگ کے دوران تک ریکارڈنگ کرتا رہا، مسکان اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی، بے چینی سے اس کا انتظار کرتی دکھائی دی، مسکان کا کیمرہ مین بھی ریکارڈنگ میں مصروف تھا، الحان چہرے پر مسکان سجائے آگے بڑھا۔

''ہیلو۔'' الحان نے مصنوعی خوشی کا اظہار کیا۔

''میری فیملی سے ملنے کے لئے تیار ہو؟'' مسکان نے شرارت سے پوچھا، الحان کندھے اچکا کر رہ گیا۔

وہ الحان کا ہاتھ تھامتی دونوں کیمرہ مین سمیت گھر کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گئی، الحان اچٹتی نگاہ اس کے گھر کے در و دیوار پر دوڑاتا آگے ہی آگے بڑھتا رہا، ڈرائینگ روم میں پہنچتے ہی الحان یکا یک چونک اٹھا۔

''الحان! یہ ہیں میرے بھائی۔'' مسکان نے اپنے چھ باڈی بلڈر بھائیوں کا تعارف کرایا۔

''یہ میرے اماں ابا اور اماں ابا، بھائی، یہ ہے الحان ابراہیم!'' مسکان بے حد شاداں تھی، الحان کا حلق خشک ہونے کو آیا تھا، مسکان کے بھائی اپنی جسامت کے بنا پر اچھے خاصے مضبوط اور وحشی دکھائی دیتے تھے، الحان خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتا، اپنے ساتھ موجود ان دونوں کیمرہ مین کی جانب دیکھنے لگا۔

''بیٹھو بیٹا!'' مسکان کے ابا نے اس کے لئے جگہ بنائی، وہ گلہ کھنکارتا، مسکان کے بھائیوں کی گھورتی نگاہوں کو اگنور کرتا اس کے ابا جان کے برابر میں براجمان ہو گیا، سبھی لوگ باتوں میں مشغول ہو گئے، کیمرہ مین اپنا کام کرتے رہے، الحان بظاہر مسکراتا ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا، پھر لنچ کرنے کے بعد وہ سب کو بائے بولتا دل ہی دل میں شکر ادا کرتا گھر کے مین دروازے تک چلا آیا۔

''الحان! یہ چار گھنٹے کتنی جلدی بیت گئے ناں؟'' مسکان افسردگی سے بولی۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ جیسے میں چالیس سال بعد کسی جیل سے رہا ہو کر باہر نکل رہا ہوں۔'' الحان نے دل ہی دل میں سوچا، بظاہر وہ مسکرا دیا۔

''ہوں۔'' وہ اثبات میں سر ہلانے لگا تھا۔

''چلو Ranch میں ملاقات ہو گی تم سے، اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔'' الحان مسکراتا ہوا کار میں آ بیٹھا، دونوں کیمرہ مین الحان کے ساتھ کار میں سوار ہو چکے تھے۔

☆☆☆

ہوٹل میں ایک گھنٹہ کے ریسٹ کے بعد وہ ایک بار پھر سے نک سک سا تیار ہوا تابئہ کے گھر

جا پہنچا، کیمرہ مین اس کے ساتھ تھا اور تابہ کا کیمرہ مین الگ ریکارڈنگ میں مصروف دیکھائی دیا، تابہ اسے خوشی خوشی رسیو کرتی گھر کے اندرونی حصہ میں چلی آئی، تابہ کے دادا، دادی لاؤنج میں بیٹھے الحان کا انتظار کرتے دیکھائی دیئے تھے، وہ دونوں بے حد ضعیف تھے۔

''دو سال پہلے ایک کار ایکسیڈنٹ میں میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہوگئی، تب سے میں اپنے دادا دادی کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔'' تابہ نے افسردگی سے بتایا، الحان بھی تاسف کا اظہار کرتا دادا دادی کی جانب دیکھنے لگا۔

''تم دونوں کی ملاقات کہاں پر ہوئی بیٹا؟'' تابہ کی دادی اپنے موٹے شیشے والے چشمے سے الحان کو دیکھتیں کانپتی آواز میں گویا ہوئیں۔

''ایک شو میں، ریئلٹی شو میں۔'' الحان نے جلدی سے جواب دیا۔

''کیسا شو؟'' وہ انکوائری کرنے لگیں۔

''ریئلٹی شو دادی جی۔'' اب دادی جان مختلف سوال کر رہی تھیں، ڈنر کے بعد وہ وہاں سے بھی نکل آیا۔

''اب تھیں آشلے ایک بار پھر سے تحمل کا مظاہرہ کرنا ہے مجھے، اچھی طرح اپنا موڈ خراب کرنے کے بعد اپنی مانو کے یہاں جاؤں گا، اسے دیکھتے ہی موڈ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا، اس لئے مانو کو سب سے آخر میں وزٹ کرنے کا پلان بنایا تھا۔'' وہ دل ہی دل میں سوچتا، لندن کی کھلی صاف شفاف سڑک پر گاڑی دوڑاتا ہوٹل کی جانب روانہ ہوگیا۔

☆☆☆

الحان آج رات کا ڈنر، مانہ کے یہاں کرنے والا تھا، اسے اچھے سے ڈنر کی تیاری کرنا تھی، تبھی وہ گروسری کے لئے مارکیٹ مختلف چیزیں لینے کے بعد وہ بل کلیئر کرنے کے لئے لائن میں کھڑی تھی۔

''وہ دیکھو مانہ!'' کہ اسے عقب سے کسی عورت کی آواز سنائی دی، وہ پلٹ کر آواز کی سمت دیکھنے لگی، دو خواتین ایک ساتھ خوشی کا اظہار کرتیں، اپنی جانب بڑھتی دیکھائی دیں، اسے لگا کہ شاید وہ دونوں اس کے مصنفہ ہونے کی حیثیت سے اسے پہچانتی ہیں۔

''ہائے مانو؟'' عورت نے خوشی کا اظہار کیا، مانہ (مانو) پکارے جانے پر یکایک چونک اٹھی، پھر دھیمے سے مسکرادی، اس نے دھیمے لہجے میں ہیلو کہا۔

''الحان کہاں ہے؟'' وہ دونوں متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''کل کے ایپی سوڈ میں الحان نے مسکان اور تابہ کو وزٹ کیا تھا، آج وہ تمہیں وزٹ کرنے والا تھا ناں؟'' وہ لڑکی پوچھنے لگی، مانہ خاموش ہو کھڑی ہوئی۔

''اوہ..... لگتا ہے پہلے وہ آشلے کو وزٹ کرنے گیا ہے۔'' اس لڑکی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔

''ایکسکیوزمی!'' مانہ ایکسکیوز کرتی جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

''ارے بات تو سنو!'' وہ دونوں ماں بیٹی حیرانگی سے اسے دور جاتا دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

الحان آشلے کے گھر پر موجود تھا، آشلے کے موم ڈیڈ اور دونوں چھوٹی بہنیں الحان کو گھیرے اس سے باتیں کرنے میں مشغول تھیں، آشلے نک سک سی تیار ہوئی اس طرح سے الحان کے ساتھ براجمان تھی، جیسے کہ الحان اسی کی ملکیت تھا۔

''آؤ الحان میں تمہیں اپنا گھر دیکھاتی

ہوں۔'' آشلے ایک ادا سے اٹھتی، دھیمے لہجے میں
بولتی الحان سے مخاطب ہوئی۔
''شیور۔'' اس کے قدم سے قدم ملاتا اس
کے گھر کا وزٹ کرنے لگا، الحان خاموشی سے اس
کے ساتھ ساتھ چلتا گھر پر نگاہ دوڑاتے ساتھ ہی
چپکے سے اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نگاہ دوڑاتا
آشلے اب اسے لئے اپنے کمرے میں چلی آئی،
کیمرہ مین ساتھ ساتھ چلتا ریکارڈنگ میں
مصروف تھا۔
''یہ میرا کمرہ ہے۔'' اس نے خوشی کا اظہار
کیا، الحان اپنے مخصوص انداز میں مسکرا دیا۔
''نائس!''
''اچھا بیٹھو، میں تمہیں اپنی البم دیکھاتی
ہوں۔'' آشلے نے اس کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا
اور جلدی سے چلتی وارڈ روب کی جانب قدم
بڑھانے لگی، وہ اب ایک بڑی سی خوبصورت البم
تھامے الحان کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھی، آدھ
گھنٹہ تک تصویروں کا سلسلہ چلتا رہا، الحان اکتا
گیا، آشلے مسلسل اپنی تعریف کیے چلی جا رہی تھی،
الحان نے لمبی سانس کھینچی۔
''لنچ ریڈی ہے؟'' الحان نے سنجیدگی کا
مظاہرہ کیا، وہ اب جلد از جلد یہاں سے بھاگ
جانا چاہتا تھا، آشلے نے قہقہہ لگایا۔
''چلو لنچ کرتے ہیں۔'' الحان نے دل ہی
دل میں شکر ادا کیا، وہ دونوں کیمرہ مین سمیت
کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں چلے آئے،
لنچ واقعی تیار تھا، لنچ سے فری ہوتے ہی وہ واپس
جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔
''بہترین لنچ کے لئے شکریہ۔'' الحان اب
اس کی فیملی سے مخاطب تھا، وہ سبھی مسکرانے لگے۔
''اوکے سی یو بائے۔'' الحان آنکھیں
پھیلاتا، لمبی سکون بھری سانس کھینچتا پورچ میں چلا
آیا، کار میں بیٹھتے ہی اس نے کار سڑک کی جانب
دوڑائی۔
''اف جان چھوٹ گئی۔'' اس نے دل ہی
دل میں ہم کلامی کی، اب وہ سکون کی سانس لیتا،
چہرے پر پرسکون مسکراہٹ بکھیرے پرسکون
انداز میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
ہوٹل پہنچتے ہی اس نے بنا ریسٹ کیے وارڈ
روب کا جائزہ لیا پھر بلیک شرٹ اور گرے پینٹ
ہاتھ میں لئے شیشے کے سامنے آ کھڑا ہوا، آئینے
میں اپنا عکس دیکھا وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ مسکرا
دیا، پھر کپڑے چینج کیے آئینے میں اپنی فائنل لک
دیکھا، وہ دلنشین مسکراہٹ لبوں پر سجائے ٹیبل پر
سے والٹ، موبائل اور کار کی چابی اٹھاتا کمرے
سے باہر نکل گیا۔
دوسری جانب مانہ، ڈنر کی تیاری کے لئے
کچن میں کھڑی مصروف انداز میں ڈنر کی تیاری
میں لگی تھی کہ اپارٹمنٹ کی بیل نے اس کی ساری
توجہ اپنی جانب مبذول کرالی، اس نے پلٹ کر
دیکھا اور پھر جلدی سے چلتی دروازے تک آئی۔
مانہ نے دروازہ کھول دیا، کیمرہ مین کیمرہ
ہاتھ میں تھامے، اس کی رف حالت اور میلے
کپڑوں کی جانب دیکھنے لگا۔
''میڈم! وہ لوگ نکل چکے ہیں، کسی بھی وقت
یہاں پر پہنچتے ہی ہوں گے، آپ چینج کر لیجیے۔''
''ہاں بس کھانا بھی تقریباً تیار ہے، میں کر
لیتی ہوں۔'' مانہ مصروف انداز میں بولتی، چلتی
ہوئی کچن تک آئی، کھانے پر فائنل نگاہ دوڑاتی وہ
اپنے کمرے میں داخل ہوگئی، تقریباً آدھا گھنٹہ
بعد وہ شاور لے کر بلیک ٹائٹس پر بلیک لانگ
شرٹ پہنتی، شیشے میں اپنا جائزہ لینے لگی، بال
سنوارنے کے بعد وہ شفون کا دوپٹہ گلے میں
ڈالتی، سٹنگ روم میں چلی آئی، وہ ابھی صوفہ پر

بیٹھی ہی تھی کہ گھر کی اطلاعی بیل بج اٹھی، مانہ اچھل کر کھڑی ہوئی، اس کا دل زوروں سے دھڑکتا محسوس ہوا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' ارسلان کیمرہ مین اٹھ کر دروازے تک پہنچا، تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک انویلپ ہاتھ میں تھامے واپس چلا آیا۔

''یہ کوئی لیٹر ہے شاید۔'' مانہ کے ہاتھ میں انویلپ تھما تا وہ واپس صوفہ پر جا بیٹھا۔

''پبلشر کا لیٹر ہے۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ لیٹر سائیڈ پر رکھتی ایک بار پھر سے خود کو نارمل پوز کرنے کی غرض سے ایک گہری لمبی سانس کھینچنے لگی۔

☆☆☆

الحان نے راستے میں رک کر ایک بہت خوبصورت بڑا سا بکے خریدا، وہ بہت خوش اور ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہا تھا، بلڈنگ کے پارکنگ ایئریا میں کار روکتا، وہ بکے سنبھالتا کیمرہ مین سمیت کار سے باہر نکلا، اس نے نظر اٹھا کر بلڈنگ پر نظر دوڑائی، بلڈنگ کافی پرانی معلوم ہوتی تھی لیکن پھر بھی صاف ستھری دکھائی دیتی تھی۔

''وہ دیکھو الحان ابراہیم!'' ایک لڑکی نے الحان پر نظر پڑتے ہی چلاتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا، الحان اس کی جانب دیکھتا ہلکے سے مسکرا دیا۔

''سر! اس طرف جانا ہے۔'' کیمرہ مین اشارہ کرتا الحان سے مخاطب تھا۔

''وہ لوگ آ گئے۔'' مانہ کا گلہ خشک ہونے لگا، نجانے وہ اتنا گھبرا کیوں رہی تھی، اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی، دروازے پر کسی نے دستک دی، اسے لگا جیسے اس پل اس کا دل دھڑکنا بند ہو جائے گا، وہ لمبا سانس کھینچتی، اٹھ کھڑی ہوئی، دروازے کا پٹ نہایت مودبانہ انداز میں آہستگی سے وا ہوا، الحان نہایت آہستگی اور مہذبانہ انداز میں بکے تھامے اندر داخل ہوا، مانہ اپنے خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتی اندر داخل ہوتے الحان کی جانب بڑھی۔

نظریں ملتے ہی الحان کا دل بے قابو ہو گیا، اسے لگا جیسے اس کا دل سینے سے اچھل کر باہر نکل آئے گا، بکے اس کی جانب بڑھاتا وہ پسندیدگی کی نگاہ سے سر تا پا اس کا جائزہ لینے لگا، بکے تھامتی وہ الحان کے ساتھ آئے ریکارڈنگ کرتے کیمرہ مین پر نگاہ دوڑانے لگی۔

''آیئے۔'' صوفہ کی جانب اشارہ کرتی وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی، الحان اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا پا رہا تھا، اس نے پہلی بار مانہ کو اس ڈریسنگ میں ملبوس دیکھا تھا، مانہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی، نظریں جھکاتی وہ گلہ کھنکارنے لگی، الحان ہوش میں آیا، پھر ارد گرد نگاہ دوڑاتا وہ صوفہ پر براجمان ہوا، دونوں کیمرہ مین ریکارڈنگ کرتے دکھائی دیئے۔

مانہ بکے سائیڈ میں رکھتی سیدھی ہو بیٹھی، الحان نے اس پر نگاہ دوڑائی، وہ کافی نروس دکھائی دے رہی تھی، الحان نگاہوں کا زاویہ بدلے اِدھر اُدھر دیکھتا دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''گھر والے؟''

''نہیں ہیں۔'' اس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی، الحان سوالیہ حیران نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا، پھر اسے شاید یاد آیا، وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''میرا مطلب، تمہاری نانی ماں؟''

''شی از نو مور۔'' مانہ بنا تاثر سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی تھی، الحان اب باقاعدہ طور پر حیران دکھائی دینے لگا۔

''آئی ایم سوری۔''

''اٹس اوکے۔'' مانہ نظریں جھکا بیٹھی، الحان لب بھینچنے لگا، پھر بولا۔

''تو پھر تم یہاں کس کے ساتھ رہتی ہو؟''

''اکیلی؟'' مانہ بے ساختہ بولی، الحان خاموش ہو بیٹھا، وہ اسے کرید کر اس کے زخموں کو تازہ ہرگز نہ کرنا چاہتا تھا، وہ کافی دیر یونہی خاموش بیٹھا رہا۔

''گائز! ہم لوگ یہاں مزید ریکارڈنگ نہیں کریں گے اور جو ریکارڈنگ کی جا چکی ہے، وہ ان ایئر نہیں جائے گی۔'' الحان ان دونوں کیمرہ مین سے مخاطب تھا۔

''میں عاشر سے بات کر لیتا ہوں، وہ کچھ نہ کچھ مینج کرے گا اس لئے پلیز۔'' دونوں کیمرہ مین اگلے ہی پل اپنے اپنے کیمراز آف کرتے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، مانہ الگ حیران دکھائی دی، الحان بول رہا تھا۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے، ہم لوگ ابھی اسی وقت یہاں سے واپس جائیں گے۔''

''مگر...... ڈنر؟'' مانہ صرف اتنا ہی بول پائی، الحان خوشگوار انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''ڈونٹ وری میڈم! آپ کا بنایا گیا ڈنر ہم ویسٹ نہیں ہونے دیں گے۔'' وہ اٹھ کر کچن کی جانب بڑھا، مانہ اس کے پیچھے لپکی۔

''ہم یہ ڈنر دو حصوں میں پیک کیا۔'' ایک حصہ کیمرہ مین کی جانب بڑھانے لگا۔

''یہ لو بھائی، یہ آپ دونوں کا حصہ۔'' ٹفن ان دونوں کی جانب بڑھاتا اب وہ دوسرے ٹفن کو سنبھال کھڑا ہوا۔

''اور یہ مانو کا اور میرا حصہ۔'' مانہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''چلیں؟'' الحان پوچھ رہا تھا۔

''ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟'' مانہ نے حیرانگی کا مظاہرہ کیا۔

''چلو...... میں بتاتا ہوں۔'' الحان باہر کی جانب بڑھنے لگا۔

''لیکن!''

''چلو ناں۔'' الحان اس کا ہاتھ تھامتا اسے کھینچتا کیمرہ مین سمیت دروازے سے باہر نکل آیا۔

''مجھے اپارٹمنٹ لاک تو کرنے دیں۔'' مانہ ہاتھ چھڑاتی اندر داخل ہو گئی، کچھ دیر بعد وہ اپارٹمنٹ لاک کرتی وہ ان تینوں سمیت ایلے ویٹر کی جانب بڑھ گئی، نیچے لوگوں کا ہجوم تھا۔

''شٹ۔'' الحان اپنا سر تھام کر رہ گیا، پھر مانہ کے گرد گھیراؤ کرتا وہ بچتا بچاتا پارکنگ ایئریا میں کھڑی اپنی کار کے نزدیک چلا آیا، سبھی لوگوں کا ہجوم الحان کو ایک نظر دیکھ لینے کو بے چین تھا اور اس ہجوم میں زیادہ تر لڑکیاں اور عورتیں دیکھائی دیتی تھیں، ہر ایک کی زبان پر الحان کا ہی نام رقص کرتا سنائی دیا، سبھی لوگ اپنے اپنے موبائل تھامے ان دونوں کی وڈیو بناتے دیکھائی دیئے، بمشکل چاروں گاڑی میں سوار ہوئے تھے، سڑک پر آتے ہی اس نے سکون کی سانس لی۔

مانہ خاموش بیٹھی باہر سڑک پر دوڑتی گاڑیوں کی جانب دیکھتی رہی، الحان نے اس پر نگاہ دوڑائی، پھر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا، سورج غروب ہو چکا تھا، آسمان پر تنی کالی چادر اب واضح طور پر دیکھائی دینے لگی، کچھ دور جاتے ہی الحان نے ان دونوں کیمرہ مین کو ڈراپ کر دیا، وہ دونوں کار سے نکلتے اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے، مانہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگی تھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' الحان نے حیرانگی

سے اس کی جانب دیکھا۔

''مجھے آپ کے ساتھ اکیلے کہیں نہیں جانا۔'' مانہ بنا اس کی جانب دیکھتی ناراضی کا اظہار کرنے لگی۔

''ڈونٹ وری مانو، میں تمہیں کڈنیپ نہیں کر رہا، تمہارے ساتھ کچھ وقت بیتانا چاہتا ہوں، اپنا مائنڈ ریلیکس کرنا چاہتا ہوں بس۔''

''پر مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔''

''اچھا او کے دروازہ بند کرو۔'' الحان نے اس کی جانب جھک کر دروازہ بند کیا، مانہ اپنے آپ میں سمٹ بیٹھی تھی، الحان نے لاک لگا دیا، مانہ گھورتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی، الحان دوبارہ سے کار ڈرائیو کرنے لگا۔

''اب لڑتی رہو جی بھر کر، میں نے تمہیں قید کر لیا ہے، اب نہ تم کہیں بھاگ سکتی ہو، نہ مجھ سے منہ پھیر سکتی ہو۔'' الحان شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے اپنی جانب گھورتے دیکھ، شرارت سے ایک آنکھ دباتا سامنے دوڑتی گاڑیوں کی جانب دیکھنے لگا۔

پھر وہ ایک نظر اس پر دوڑاتا شیریں لہجے میں گویا ہوا۔

''تم مجھے یوں گھور رہی ہو جیسے میں نے کوئی گناہ کیا ہو، تم سے کوئی غلط بات کہہ دی ہو، حالانکہ تم مجھ سے جو سلوک کر رہی ہو، وہ کوئی بھی مرد برداشت نہیں کرتا اور انتقام پر اتر آتا ہے۔''

وہ اب شرارت پر آمادہ تھا، مانہ اسے گھورتی سامنے دوڑتی گاڑیوں پر نظر ٹکا بیٹھی۔

''اف یہ غصہ۔'' الحان مسکراتا رہ گیا، ان دونوں کے بیچ کافی دیر خاموشی راج کرتی رہی، الحان نے نظر گھما کر خاموش بیٹھی مانہ پر نگاہ دوڑائی، پھر وہ سامنے دیکھنے لگا۔

''پچھلے دو دن بہت مشکل سے گزارے ہیں میں نے، اس پل کا انتظار کرتا رہا اور پھر اسی پل کو سوچ کر دل کو سکون آ جاتا، تمہارا میرے آس پاس موجود ہونا، میرے دل کو سکون دیتا ہے، بہت سکون ملتا ہے تمہیں دیکھ کر۔'' وہ بہت دھیمے لہجے اور محبت بھرے انداز میں گویا تھا، مانہ خاموش رہی، الحان نے ایک گہری لمبی سانس کھینچی۔

''تمہیں شاید میرے جذبات کا اظہار اور محبت کا دعوا اس لئے ناگوار گزرتا ہے کیونکہ میں تم سے اس شو میں ملا ہوں، جہاں تمہیں لگتا ہے کہ سب کچھ کیمرہ کے لئے کیا جا رہا ہے، لیکن تمہارے لئے ایسا کچھ نہیں ہے مانو، ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ باقی تمام لڑکیوں کی تعریفیں ان سے ملنا جلنا، یہ سب میں یقیناً اس شو کے لئے کر رہا ہوں، کیونکہ مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑ رہا ہے، لیکن یقین جانو، تم سے جو کچھ میں کہتا ہوں، کیمرہ کے سامنے یا پھر آف کیمرہ، وہ میں دل سے کہتا ہوں، مجھے تم سے محبت ہے مانو! دل و جان سے محبت ہے، تمہارے بغیر اک لمحہ گزارنا محال ہو جاتا ہے میرا۔'' اس کے لہجے میں کچھ تھا، بے پناہ پیار، محبت، انتظار، یقین، التجاء، سچائی، مانہ نے محسوس کیا وہ خاموش بیٹھی باہر دوڑتی گاڑیاں دیکھتی رہی، الحان بول رہا تھا۔

''تم میری نظر میں بہت اعلیٰ اور بہت بلند مقام رکھتی ہو، تمہیں مجھے قبول کرنے کے لئے ایک طویل عرصہ بھی چاہیے تو میں انتظار کر سکتا ہوں مانو، میں دل کو سمجھاؤں گا کہ منزل کی جھلک نظر آنے کے باوجود منزل ابھی دور ہے، میں نہ صرف تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں، عزت کرتا ہوں، بلکہ میرے دل میں تمہاری جو جگہ ہے، اس کے آس پاس بھی مرتے دم تک کوئی نہ آ سکے گا۔'' وہ امید بھری نگاہ سے مانہ کی جانب

دیکھنے لگا، وہ ساکت بیٹھی تھی، بالکل ساکت، ایسے جیسے اس کی روح پرواز کر چکی ہو، الحان پھر سے سامنے دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔

"تم میرے لئے چراغ راہ ہو، جہاں تمہاری روشنی کی حد ختم ہوتی ہے، وہیں میری منزل کی حدود شروع ہوتی ہیں اور میرا دل کہتا ہے کہ میری منزل اب بہت ہی قریب ہے۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا، ایک گہری لمبی سانس کھینچی، کوئی جواب نہ پا کر وہ دوبارہ بولا۔

"تم اپنے بابا کی وجہ سے ہر مرد کو ایک ہی کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتیں مانو، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔" اس کے لہجے میں دکھ تھا، تکلیف تھی۔

"میں آپ کو کسی سے پیچ نہیں کر رہی الحان، نہ کرتی ہوں، نہ کبھی کیا، مجھے بس اپنی قسمت سے ڈر لگتا ہے، خوف آتا ہے کہ کہیں میری قسمت کا برا سایہ آپ کو بھی نہ لے ڈوبے۔" مانہ کے لہجے میں خوف تھا، الحان نے ایک سائیڈ پر گاڑی روک دی، وہ اب اس کی جانب مڑا اور بولا۔

"تم اپنے بابا کی غلطیوں کا الزام اپنی قسمت کو نہیں دے سکتیں، تمہاری قسمت کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے مانو، تمہاری قسمت بہت اچھی ہے، ایک بار اپنے پاسٹ سے باہر نکل کر دیکھو، میری محبت محسوس کر کے تو دیکھو، میں وعدہ کرتا ہوں مر جاؤں گا لیکن تمہاری مجھ پر یقین کی شمعیں کبھی بجھنے نہیں دوں گا، ٹرسٹ می۔" مانہ نگاہیں اٹھا کر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، الحان کی آنکھیں چمک رہی تھیں، وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا، مانہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتی نظریں جھکا بیٹھی۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنے دل کی آواز کو سمجھنے میں غلطی کی ہو۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی، اگلے ہی پل الحان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پر رکھ دیا، مانہ یکایک چونک اٹھی، الحان بول رہا تھا۔

"کچھ محسوس ہو رہا ہے تمہیں؟" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا پوچھ رہا تھا، مانہ نظریں چرا گئی، الحان کا دل ایف سولہ کی سی تیزی سے دوڑتا محسوس ہوا۔

"بولو؟" اس نے پھر پوچھا، مانہ خاموش رہی۔

"میرے دل کی دھڑکنوں میں چھپی ہوئی آواز کو محسوس کرو، بار بار محسوس کرو، تاکہ خود تمہارے دل سے اس کا جواب آئے۔" وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے بیٹھا تھا، خنکی کی لہر نے ان دونوں کے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، مانہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا، اس کا حلق خشک ہوا جاتا تھا، وہ آنکھیں میچتی اپنے لب بھینچ بیٹھی، الحان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"میں نے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ سے تمہیں مانگا ہے مانو، میری محبت سچی ہے، میری محبت پاکیزہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں مجھ پر یقین ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو، اپنے دل و دماغ سے سب ڈر سب خوف نکال پھینکو، میں تم سے دور نہیں جانے والا، میری جان قید ہے تم میں، تم سے دور گیا، تو مر جاؤں گا اتنا یاد رکھنا۔" اس کے لہجے میں سرور تھا، مانہ نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی، الحان بھی گردن گھمائے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"بس ایک خواہش ہے کہ تم سے ایسی محبت نبھاؤں میں بھلے رہوں نہ رہوں، تمہیں میری وفا یاد رہے۔" مانہ کی آنکھوں میں نمی تھی، وہ کچھ بول

نہ پائی، اس کے آنسو آنکھوں کی کھڑکی سے خودکشی کرنے لگے، الحان نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے چن لیا۔

''مجھے معلوم تھا، تم بھلے کچھ کہو نہ کہو، تمہاری آنکھیں سب بول دیتی ہیں۔'' وہ سرگوشی کرنے لگا، مانہ نظریں چرا گئی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' مانہ دھیمے سے بولی۔

''اس لئے رو رہی ہو؟'' الحان نے حیران ہونے کی ایکٹینگ کی، مانہ ہلکے سے مسکرا دی۔

''میں تمہیں ہمیشہ ایسے ہی ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے سرگوشی کی، مانہ نظریں جھکا بیٹھی، الحان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ پکڑ کر کان کے پیچھے اڑستے ہوئے پھر سے سرگوشی کی۔

''آئی لو یو۔'' مانہ جھینپ سی گئی، اس کی گوری رنگت میں گلابیاں اتر آئیں، الحان مسکرا دیا۔

''یہاں نزدیک ایک پارک ہے، چلو وہاں چل کر کھانا کھاتے ہیں، ایٹ لیسٹ وہاں لوگوں کے ہجوم کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔'' الحان سیدھا ہو بیٹھا تھا، اگلے چند منٹوں میں وہ دونوں پارک کے ایک بینچ پر موجود تھے، مانہ ٹفن کھولنے لگی تھی، الحان اس کے برابر میں بیٹھا آسمان پر نگاہ دوڑانے لگا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں واک کرنے لگے تھے، رات گہری ہوتی چلی جا رہی تھی، خنکی بڑھ چکی تھی، مانہ اپنے دونوں ہاتھ شال میں لپیٹے الحان کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''میں پندرہ سال کی تھی الحان، جب میری نانی ماں مجھے یتیم خانے سے لینے آئیں، دس سال میں نے اپنوں کا انتظار کرتے کرتے یتیم خانے میں گزار دیئے، میرے بابا جان کبھی ملنے بھی نہ آئے، انہوں نے میری نانی ماں کو میرے یتیم خانے میں ہونے کی خبر تک نہ دی، نجانے نانی ماں کو کیسے خبر ہوئی اور وہ مجھے لینے پہلی فلائٹ سے پاکستان دوڑی چلی آئیں۔'' مانہ درد کی سی کیفیت چہرے پر سجائے بول رہی تھی، الحان بڑی خاموشی سے چلتا اس کی داستان سن رہا تھا، وہ اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی، زرین کے بعد الحان پہلا شخص تھا جو اس کے پاسٹ سے واقف ہو رہا تھا۔

''پھر وہ مجھے یہاں لے آئیں، میری نانی ماں نے مجھے سہارا دیا، میں ان کا سہارا بنی انہوں نے بہت کچھ کیا میرے لئے الحان، میں پھر سے جینے لگی، خوش رہنے لگی، لیکن بھول گئی تھی کہ خوشی مجھے راس نہیں آتی، موت میری نانی ماں، میرے آخری سہارے کو بھی مجھ سے چھین کر لے گئی۔'' وہ رندھی آواز سے بولتی آنسو بہانے لگی، الحان خاموش کھڑا رہا، اس نے اسے رونے دیا، وہ جی بھر کر روتی رہی، جب تھک چکی تو آنسو صاف کرتی نم نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

''اب بہت ڈر لگتا ہے، خوش ہونے سے ڈر لگتا ہے۔'' آنسو لڑھکتے اس کے رخسار پر آن ٹھہرے، الحان اس کی آنکھوں میں جھانکتا اس کے آنسو چننے لگا۔

''میں تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تمہارا دامن کم پڑ جائے گا، ناز کرو گی تم خود پر، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' الحان نے تھوڑا جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دے ڈالا، مانہ آنکھیں موند کر رہ گئی، الحان اس کے چہرے پر کھیلتیں شرارتی

بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستا براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''تمہاری ان آنکھوں کی قسم، ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔'' مانہ نظریں جھکا گئی، الحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور واپس جاتے راستے کی جانب قدم دھرنے لگا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ چاروں لڑکیاں Ranch واپس لوٹ آئی تھیں، الحان بھی آ گیا تھا اس دن کوئی ٹاسک نہ ہوا تھا، کریو ایڈیٹنگ کے کام میں مصروف تھا، عاشر زمان ہمیشہ کی طرح ڈھیروں کاغذات سامنے رکھے ایڈیٹنگ کے سٹاف کے ساتھ مصروف رہا، ڈنر کا ٹائم ہو چلا تھا، کیمرہ مین اپنے کاموں میں مصروف تھے، تابہ، مسکان اور آشلے کھانے کے دوران، الحان کے اپنے اپنے گھروں کے وزٹ کے ذکر کو چھیڑے ہوئے تھیں، جبکہ مانہ ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے الحان کی نظروں کو محسوس کرتی خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف رہی، الحان بہت خوش تھا اور بہت اداس بھی، کل رات ایلیمینیشن کی رات تھی اور الحان کے وعدے کے مطابق وہ کل رات مانہ کو ایلیمینیٹ کرنے والا تھا وہ اسے ایلیمینیٹ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ مجبور تھا، مانہ سے کیا گیا وعدہ اسے ہر حال میں پورا کرنا تھا۔

الحان اپنی کافی کا مگ تھامے چوب محل سے باہر چلا آیا، مانہ اصطبل کے قریب کھڑی دکھائی دی، وہ دور دور نظریں دوڑاتی نجانے کہاں کی دنیا میں کھوئی سی تھی، الحان اس کے قریب چلا آیا، قدموں کی چاپ قریب سے قریب تر محسوس کرتی وہ پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگی، وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر بولا۔

''کل ایلیمینیشن کی رات ہے۔''

''جانتی ہوں۔'' مانہ دھیمے لہجے میں بولتی آسمان پر نگاہ دوڑانے لگی۔

''آئی وش کہ میں اپنا پرامس توڑ دیتا، تمہیں نہیں جانے دیتا، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، تم سے کیا گیا وعدہ میں ضرور پورا کروں گا، تمہارا مجھ پر یقین، میں گنوانا نہیں چاہتا۔'' وہ افسردگی سے بولا، مانہ اس کی جانب دیکھتی مسکرانے لگی۔

''تمہارے بغیر یہ دو ہفتے کیسے گزریں گے مانو، میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر، جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں تمہیں سن نہ لوں میرے دن کا آغاز ہی نہیں ہوتا، آئی ایم ہیلپ لیس۔'' وہ منہ لٹکا کھڑا ہوا۔

''الحان! مانہ! اگلے ایک منٹ میں شو لائیو آن ائیر جانے والا ہے، کم فاسٹ۔'' خرم نے آواز لگائی، الحان یکا یک چونک اٹھا۔

''واٹ؟'' خرم پر نگاہ دوڑاتا وہ خوفزدہ نگاہوں سے مانہ کی جانب دیکھنے لگا، وہ خود حیرانی کا مجسمہ بنی اسے دیکھتی رہی، وہ دونوں تیزی سے چلتے چوب محل پہنچے ہی تھے کہ وہاں کا نظارہ الحان پر بلاسٹ کرتا چلا گیا، تابہ، مسکان اور آشلے منہ بسورے ایک لائن میں کھڑی تھیں، عاشر سکرین کے سامنے بیٹھا سارا سیٹ اپ دیکھنے میں مصروف تھا اور خرم ایلیمینیشن کی شروعات کر چکا تھا، وہ بول رہا تھا۔

''مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کل کی رات کی جانے والی ایلیمینیشن آج کی رات کی جا رہی ہے، آئی ایم سوری لیڈیز، یہ میری جاب ہے اس لئے پلیز تو ہارڈ فیلنگز۔'' خرم مہذبانہ انداز میں بولتا، چوب محل کے دروازے میں حیران کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگا، مانہ قطار میں جا کھڑی ہوئی تھی اس کا دل باقی لڑکیوں کی طرح آج پہلی بار ایلیمینیشن کے خوف

سے زوروں سے دھڑکتا محسوس ہوا تھا، الحان نڈھال قدموں سے چلتا پھولوں کی ٹرالی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''آر یو ریڈی الحان؟'' خرم پوچھ رہا تھا، الحان نے اپنا گلہ کھنکارا پھر گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''I hate doing this۔'' وہ صرف اتنا کہہ پایا، اس کے پاس چوبیس گھنٹے تھے اور یوں اچانک اس سے چوبیس گھنٹے چھین جانے پر اس کا موڈ سخت خراب ہو چلا تھا، اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھیں، خرم خاموشی سے چلتا کیمرہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا، الحان نے ٹرالی پر رکھے تین گلابوں پر نظر دوڑائی اس نے ایک گلاب اٹھایا اور ساتھ ہی ایک لمبی سانس کھینچی۔

''آشلے!'' اپنا نام پکارے جانے پر آشلے کی آنکھیں بھرائیں، وہ آنکھوں میں نمی لئے تیزی سے چلتی الحان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو الحان!'' وہ خوشی کا اظہار کرتی، پھول تھامتی، مس فاطمہ کے برابر جا کھڑی ہوئی، الحان نے دوسرا گلاب اٹھایا۔

''مسکان!'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا، مسکان خوشی سے اچھل پڑی، الحان سے گلاب تھامتی وہ چمکتی نگاہوں سمیت آشلے کے برابر میں جا کھڑی ہوئی، الحان نے مانہ پر نگاہ دوڑائی، نظریں ملتے ہی وہ نظریں جھکا کھڑی ہوئی، الحان نے آخری گلاب اٹھایا۔

''تائبہ!'' تائبہ گلاب تھامتی مسکان اور آشلے کے برابر جا کھڑی ہوئی، تائبہ کا نام پکارنے کے بعد الحان ایک بوجھل سی سانس خارج کرتا تاسف بھری نگاہوں سے مانہ کی جانب دیکھنے لگا، اسے سب کچھ چکراتا محسوس ہوا، اس نے پاس پڑی پھولوں کی ٹرالی کا سہارا لیا، وہاں موجود سبھی لوگ حیران تھے، سبھی حیرانگی کے عالم میں مانہ اور الحان کی جانب دیکھنے لگے، عاشر زمان سکرین پر سے نظریں ہٹائے سکتے کے سے عالم میں ان دونوں کی جانب دیکھے گیا، مانہ اکیلی کھڑی، مسکراہٹ لبوں پر سجائے الحان کی جانب دیکھنے لگی، خرم کے چہرے کے نقوش پر حیرانی واضح طور پر عیاں تھی، وہ چلتا ہوا الحان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''آئی ایم سوری مانہ!'' خرم بے یقینی کے عالم میں الحان کی جانب دیکھنے لگا، الحان کی آنکھوں میں نمی تھی، مسکان تیزی سے چلتی مانہ سے جا لپٹی، مانہ نے مسکرا کر اسے الوداع کہا اور پھر تیز تیز قدم بڑھاتی اپنے کمرے میں چلی آئی، اس کی سانسیں بوجھل ہو رہی تھیں، اس کے لئے یہ شو اہم ہرگز نہ تھا، اس کے لئے وہ شخص اہم تھا جو نیچے خاصا افسردہ کھڑا دکھائی دیا تھا، اسے جانا ہی تھا، الحان کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے واپس آنے کے لئے اسے اس شو سے جانا ضروری تھا، وہ اپنا سامان پیک کرتی نیچے چلی آئی، الحان اسے باہر تک چھوڑنے آیا۔

''میرا انتظار کرنا، میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔''

''آئی پرامس!'' مانہ اس کی بے چینی پر مسکرا دی۔

''آئی ول مس یو الحان!'' وہ سرگوشی کرتی، آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ سجائے تیزی سے پلٹی اور وین میں جا بیٹھی، وین جا چکی تھی، الحان کافی دیر اسی جگہ پر کھڑا رہا، کافی دیر گزر جانے کے بعد وہ نڈھال قدموں سے چلتا اصطبل کی جانب بڑھنے لگا، اپنے گھوڑے کے پاس پہنچتے ہی وہ اس کے چہرے کو سہلاتا ایک درد

بھری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ الحان موڈی اور چڑچڑا ہوتا چلا جا رہا تھا، کیمراز آن ہوتے ہی وہ بمشکل چہرے پر مسکراہٹ سجا لیتا اور کیمراز آف ہوتے ہی اپنے کمرے کا رخ کر لیتا، تینوں لڑکیوں کے ساتھ الگ الگ ڈیٹ کے دوران وہ کھویا کھویا رہتا، عاشر اس کی حالت سے واقف تھا، اس نے مانہ کو ایلیمینیٹ کر دینے کی وجہ بھی الحان سے پوچھ لی تھی، شو اپنے آخری مراحل میں داخل ہونے کو تھا، چند دن باقی تھے اور یہ چند دن اس کے لئے کئی صدیوں کے برابر محسوس ہوتے تھے۔

☆☆☆

مانہ کا آج مصنفہ کی بحیثیت سے پہلا انٹرویو لائیو آن ائیر جانے والا تھا، برینڈا کی مہربانی سے تمام لوگوں کو مانہ کے میمانہ انان ہونے کا سیکریٹ اس کے ایلیمینیٹ ہوتے ہی پتا چل گیا تھا، مانہ کے ایلیمینیٹ ہوتے ہی تمام چینلز مانہ کا انٹرویو کرنے کو بے چین تھے، لیکن مانہ نے اسی چینل کو پہلے ترجیح دی، جس چینل پر یہ ریئلٹی شو آن ائیر جا رہا تھا، مانہ کی بیسٹ فرینڈ زرین اس کے ساتھ ڈریسنگ روم میں موجود تھی، باہر سب لوگوں کی اپنی اپنی رائے تھی کوئی کچھ کہہ رہا تھا تو کوئی کچھ، ڈریسنگ روم میں آواز صاف سنائی دے رہی تھی، کسی نے کہا۔

''اچھا کیا الحان نے، مجھے بہت خوشی ہے کہ آخر کار اس نے وہ کر دکھایا جو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔'' ایک نے کہا۔

''مجھے آشلے بہت پسند ہے، کتنے اچھے لگتے ہیں دونوں ایک ساتھ، دونوں ایک ساتھ ہیرو، ہیروئن لگتے ہیں، آئی وش کہ الحان آشلے کو اپنی جیون ساتھی سلیکٹ کرے۔'' جتنے منہ اتنی باتیں، مانہ بجھی بجھی سے نظریں جھکائے لوگوں کی باتیں سن رہی تھی، زرین اٹھ کر اس کے نزدیک چلی آئی، اس نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھا۔

''تم ان لوگوں کی باتوں پر دھیان نہیں دو مانو، یہ لوگ تو ایسے ہی بکواس کرتے رہتے ہیں۔'' وہ اسے تسلی دینے کو بولی، مانہ نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھتی مسکرا دی۔

''آئی نو، میں ٹھیک ہوں، ڈونٹ وری۔''

''دیٹس لائک آ گڈ گرل، چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ، آج بحیثیت مصنفہ تمہارا پہلا انٹرویو لائیو آن ائیر جانے والا ہے، میں تو بہت ایکسائیٹڈ ہوں مانہ، تمہیں کیسا فیل ہو رہا ہے؟'' وہ پر جوش انداز میں بولی، مانہ مسکرا دی۔

''مس مانہ! شو آن آئیر جانے والا ہے، آپ آ جائیے۔'' کریو کا ایک ممبر مسکراتا ہوا ڈریسنگ روم میں داخل ہوا تھا، مانہ جھٹ سے کھڑی ہو گئی اور وہ خود کو نارمل کرنے لگی۔

''لیڈیز اینڈ جینٹل مین لیٹس ویلکم میمانہ انان۔'' ایک خوبصورت اور نامور مورننگ شو کی ہوسٹ اپنے پرجوش انداز میں میمانہ انان کا استقبال کرنے لگی، سٹیج پر موجود لائیو آڈینس نے اپنی بھرپور تالیوں سے اس کا استقبال کرتی دیکھائی دی، مانہ مسکرا رہی تھی، تالیوں کی گونج تھمتے ہی ہوسٹ شیریں لہجہ میں گویا ہوئی۔

''میمانہ انان عرف مانہ! آپ کے ناولز بہت کمال کے ہیں، ایک بار ریڈینگ سٹارٹ کر لی جائے تو ناول ادھورا چھوڑنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔''

''تھینکس!'' مانہ مسکرا دی۔

''میں نے آپ کا ناول پڑھا ہے، اینڈ آئی ہوپ کہ آپ مجھے میری کاپی پر اپنا آٹو گراف

ضرور دیں گئیں۔'' مانہ ہلکے سے ہنس دی۔
''سو! آپ کا نیکسٹ ناول کب آرہا ہے
؟ ہم نے سنا ہے کہا آپ اپنے نئے ناول کی شروعات کر چکی ہیں۔''
''جی انشاءاللہ جلد۔''
''تو کیا آپ کے اس ناول میں الحان ابراہیم بھی موجود ہیں؟'' ہوسٹ ایک شریری سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اصل پوائنٹ پر چلی آئی تھی، لائیو آڈینس نے بھی ایک ساتھ ہوٹینگ کی تھی، مانہ کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔
''یہ فی الحال ایک سیکرٹ ہے، میں ابھی اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔''
''او کے، اس رئیلٹی شو، آنے کا خیال آپ کو کیسے آیا؟ مطلب، کیا آپ کو بھی سچے پیار کی تلاش تھی؟'' ہوسٹ پوچھ رہی تھی۔
''نہیں...... میں ایکسپرینس کے لئے آئی تھی، میں جاننا چاہتی تھی کہ کیمراز کے پیچھے کی لائف کیسی ہوتی ہے اور جو لوگ اس طرح کے رئیلٹی شوز میں حصہ لیتے ہیں، ان کی فیلنگز کیا ہوتی ہیں۔''
''تو کیا ہم سب لوگ یہ سمجھیں کہ آپ کی اس شو میں آنے کی وجہ آپ کا آنے والا ناول ہے؟''
''جی...... کہہ سکتے ہیں۔''
''او کے بطور یہ بتائیے یہ شو آپ کے لئے کیسا رہا، میرا مطلب کہ بہت سے لوگ اس شو کو دیکھتے ہیں، پسند کرتے ہیں اور سپیشلی الحان ابراہیم تو لاکھوں دلوں کی دھڑکن بن چکے ہیں، آپ مجھے یہ بتائیے کہ شو میں موجودہ لڑکیوں کی پرسنل فیلنگز کیسی رہیں؟''
''بہت مشکل ہوتا ہے سب کچھ فیس کرنا، باقی لوگوں کے لئے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''
''اچھا جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ الحان ابراہیم لاکھوں دلوں کی دھڑکن بن چکے ہیں، آپ مجھے یہ بتائیے کہ الحان ابراہیم ایز آ پرسن کیسے ہیں؟''
''الحان!'' مانہ کچھ سوچنے لگی، پھر خوبصورت سی مسکراہٹ لبوں پر سجاتی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔
''ہاں شو کے سٹارٹ میں مجھے لگا کہ وہ تھوڑے کھلنڈر ٹائپ کے انسان ہیں، نان سیریس، لیکن میں غلط تھی، وہ ایسے بالکل نہیں، بہت میچور اور سمجھ دار، بہت کیئرنگ اور...... اور۔''
''اور......!'' مانہ کے الفاظ حلق میں اٹک کر رہ گئے۔
''اور...... Are uoy in love with Alhan?'' وہ کن اکھیوں سے مانہ کی جانب دیکھتی رہی تھی، مانہ یکا یک چونک اٹھی، اس کی گوری رنگت میں گلابیاں اترتی چلی گئیں، وہ کچھ بول نہ پائی، ہوسٹ اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔
''آپ کے اس سوال کا جواب میں اپنی نئی بک کی لانچنگ پر دوں گی۔'' مانہ دھیمے لہجے میں بولی اور پھر چند ادھر اُدھر کے سوالوں کے بعد انٹرویو کا اختتام خوشگوار انداز میں ہوا۔

☆☆☆

صاحبہ مانہ سے ملنے آئی تھی، مانہ اسے اپنے گھر کی دہلیز پر دیکھتے ہی کھل اٹھی، وہ اس کے لئے چائے بنا کر لائی، چائے کا کپ اٹھاتی صاحبہ مصروف انداز میں گویا ہوئی۔
''تم نے کل رات کا شو دیکھا؟''
''نہیں۔'' مانہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
''کل رات کا شو تمہیں دیکھنا چاہیے تھا، کل

رات الحان نے تابعہ کو ایلیمینیٹ کیا ہے، اب مسکان اور آنشلے باقی رہ گئی ہیں۔"
مانہ نے کوئی ری ایکشن نہ دیا۔
"یار کیا مسئلہ ہے، یہاں تم روبوٹ بنی ہو، وہاں الحان کتنی بری حالت ہے بیچارے کی، تم دیکھو تو ایک بار، مجھے ترس آرہا تھا بیچارے پر۔"
مانہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔
"مجھے عاشر نے سب بتا دیا ہے، تمہاری اور الحان کی ڈیل کے بارے میں، تم دونوں عجیب ہو یار!"
"اچھا تم ہماری چھوڑو، اپنی بتاؤ، گھر والوں کا کیا ری ایکشن تھا؟"
"کس بارے میں؟"
"عاشر زمان کے بارے میں۔" صاحبہ جھینپ سی گئی۔
"وہ لوگ میری خوشی میں خوش ہیں مانہ!"
"دیٹس گڈ، تمہاری عاشر سے بات ہوتی ہے؟"
"ہاں...... لیکن بہت مشکل سے...... عاشر کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، شو آخری مراحل پر ہے، آخری ہفتہ شروع ہو چکا ہے، عاشر پر کام کا برڈن بہت ہے، اچھے سے اچھے ٹاسک کی تیاری، انتظامات میں تھک جاتے ہیں عاشر، دیکھو...... اسی چکر میں جاگ جاگ کر میرے ڈارک سرکلز بھی گہرے ہو گئے ہیں۔" صاحبہ منہ بسور بیٹھی تھی، مانہ مسکرانے لگی۔
"پیار کرنا اتنا آسان ہوتا تو کیا ہی بات تھی۔" صاحبہ کپ ٹیبل پر رکھتی مانہ کی جانب دیکھنے لگی۔
"ہاں انتظار کا دوسرا نام پیار ہے اور پیار کا دوسرا نام انتظار، اچھا لگتا ہے انتظار کرنا، اس انتظار کی جو فیلنگز ہوتی ہیں، بہت خوبصورت ہوتی ہیں، میں نے یہ شو، ایسے ہی شوق شوق میں جوائن کر لیا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ شو میری زندگی بدل دے گا، سچے پیار پر مجھے ہمیشہ سے یقین تھا، لیکن میں اتنی خوش نصیب ہوں گی کہ عاشر جیسے بہترین انسان مجھے اس قدر چاہنے لگیں گے، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا اور تم دیکھو، تم اس شو میں صرف ایکسپرینس کے لئے آئی تھیں، صرف اپنے ناول کی کہانی کے لئے اور دیکھو، اللہ نے تمہاری اپنی ایک خوبصورت سی کہانی بنا ڈالی، پتا ہی نہیں چلتا اور پلک جھپکتے ہی ہماری تمام کی تمام زندگی بدل جاتی ہے۔" صاحبہ ایک خوبصورت احساس میں گم بولے چلی جارہی تھی، مانہ اثبات میں سر ہلاتی، کچھ سوچتے ہوئے مسکرا دی۔

☆☆☆

مانہ دن رات ایک کیے اپنے ناول میں گم ہو کر رہ گئی تھی، جبکہ دوسری جانب الحان اس سے ملنے، اس کو دیکھنے اور سننے کو بے چین تھا۔
یہ آخری چھ دن اس نے چھ صدیوں کے برابر گزارے تھے، آج کی رات Ranch میں گزاری جانے والی آخری رات تھی، کل رات فائنلی، شو کی آخری قسط لائیو آن ائیر جانے کے بعد وہ اس وسیع خوبصورت جیل سے رہا ہو کر اپنی دنیا میں واپس لوٹ جانے والا تھا، ہاں مانہ اس کی دنیا تھی، ان چند مہینوں میں وہ کتنا بدل گیا تھا، اسے خود اپنا یہ بدلاؤ بہت بھانے لگا تھا، خنک ہوا کو لمبی گہری سانس کھینچ کر وہ اپنے اندر اتارتا، خوبصورت مسکراہٹ لبوں پر بکھیرئے کل ہونے والی اپنی رہائی کے بارے میں سوچتا وہ بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا، عاشر چوب محل کے دروازے میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا، اگلے پل وہ قدم بڑھاتا اس کے نزدیک چلا آیا۔

''ہیلو الحان!'' الحان نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتے عاشر کی جانب دیکھا۔

''مجنوں صاحب! آپ سوئے نہیں؟'' عاشر نے اس کے قریب آتے ہی اسے چھیڑا، الحان مسکرانے لگا۔

''خوشی کی رات کون پاگل سوتا ہے؟''

''خوشی کی رات؟'' عاشر سمجھا نہیں۔

''کل میں اس جیل سے رہا ہو کر اپنی مانو سے ملنے والا ہوں۔'' عاشر کھلکھلا کر ہنس دیا، عاشر اب الحان کے ساتھ ساتھ واک کرنے لگا تھا۔

''تمہیں آج میں ایک بات بتاؤں؟'' عاشر کے بولنے پر الحان سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''جب تم نے مجھے کال کی اور کہا، کہ تم میرے اس شو کے Bachelor بننے کے خواہش مند ہو تو سچ پوچھو، تو میں بہت بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا، اونیسٹلی میرا دل نہیں مان رہا تھا تمہارے ساتھ یہ شو کرنے کو، کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ تم ابھی تک وہی پہلے والے الحان ابراہیم ہو، جس کی زندگی میں پیار کی، سچے پیار کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔'' اس نے سچے پیار پر زور دیتے ہوئے کہا، الحان خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

''لیکن تمہی مجھے بیسٹ آپشن بھی لگے، کیونکہ تمہارے Island اور اس Ranch پر کی جانے والی ریکارڈنگ آن ایئر جاتے ہی میرے شو کی دھوم مچ جانے والی تھی، اونیسٹلی یار میں نے بالکل ایسا ہی سوچا تھا، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری ڈائریکشن سے زیادہ تم بذات خود میرے شو کو آسمان کی بلندیوں تک لے جاؤ گے، آج پوری دنیا میرے اس شو کے گن گاتی سنائی اور دیکھائی دیتی ہے، صرف تمہاری وجہ سے اور ہاں ایک اور بات تم نے مجھے غلط ثابت کر دیا، تم اب پہلے سے الحان ابراہیم نہیں رہے، بہت میچور اور سمجھدار انسان بن گئے ہیں آپ جناب، میں تمہارے اس بہترین اور پوزیٹو بدلاؤ پر تمہیں داد دینا چاہتا ہوں اور اس داد کے تم حقدار بھی ہو، آئی ایم ریئلی پراؤڈ آف یو الحان ابراہیم صاحب!'' عاشر بے حد شاداں دیکھائی دے رہا تھا، الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ مسکرا دیا۔

''اور میرے اس بدلاؤ کی وجہ صرف ایک ہستی ہے، تھینکس ٹو یو عاشر، تم اگر یہ شو سٹارٹ نہیں کرتے تم اگر اس زبردستی اس شو کا حصہ نہیں بناتے، تو شاید میں کبھی اس سے مل ہی نہیں پاتا، شاید ہم آج بھی اجنبی ہوتے، میں پوری زندگی تمہارا مشکور رہوں گا سیریسلی۔'' الحان ممنون نگاہوں سے اسے دیکھتا اس کا شکریہ ادا کرنے لگا، عاشر مسکراتے ہوئے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھتا، اس کے ساتھ قدم بہ قدم چلتا چوب محل میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

دن کا آغاز ہو چکا تھا، سورج کی شرارتی کرنیں دبے قدموں کمرے کی کھڑکی سے چھلانگ لگاتیں مانہ کے بستر پر چلی آئی تھیں، مانہ کسمساتی ہوئی اٹھ بیٹھی، نیند سے بوجھل آنکھیں واکیے وہ موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھنے لگی، پھر نڈھال قدموں سے واش روم میں چلی آئی، بریک فاسٹ کی تیاری کے دوران وہ نیوز پیپر پر نگاہ دوڑاتی رہی، ناشتہ سے فری ہو کر پین سنبھالتی اپنے ناول کی دنیا میں کھو سی گئی، جب لکھ لکھ کر تھک چکی تو انگڑائی لیتی اٹھی اور کچن میں چلی آئی ڈنر کے لئے، آسمان پر کالی چادر بچھ چکی تھی، دن اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا، وہ ڈنر بنانے میں مصروف تھی کہ موبائل پر ہوتی بپ نے اس کی

ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی، وہ جلدی سے ہاتھ صاف کرتی موبائل کان سے لگائے کال رسیو کی۔

''ہیلو!''

''ہیلو مانہ، جلدی سے اپنا ٹی وی آن کرو۔''
صاحبہ کی تیز اور پھرتیلی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''کیوں؟'' مانہ نے حیرانگی کا اظہار کیا۔

''ارے آن کرو ناں، شو کی آخری اپی سوڈ لائیو آن ائیر جانے والی ہے، بس ایک منٹ باقی رہ گیا ہے۔'' صاحبہ بے ساختہ بولی۔

''یار مجھے نہیں دیکھنا یہ شو۔'' وہ انکار کرنے لگی۔

''مانہ! الحان چاہتا ہے کہ تم آج کی اپی سوڈ لازمی دیکھو، اس نے اسپیشلی مجھ سے فون پر بات کی، تمہیں میسج دینے کے لئے، جلدی سے ٹی وی آن کرو اور ہاں فون بند نہیں کرنا میں فون پر ہی ہوں۔''

''او کے۔'' مانہ کچھ سوچتی، جلدی سے چلتی ٹی وی لاؤنج تک پہنچی، ریموٹ اٹھاتے ہی اس نے ٹی وی آن کیا۔

''آخر ایسا کیا خاص ہونے والا ہے آج کے اپی سوڈ میں؟''

''معلوم نہیں، الحان چاہتا ہے کہ تم آج کا شو ضرور دیکھو، اگر الحان ایسا چاہ رہا ہے، تو لازمی کوئی خاص اور بڑی بات ہے، بس تم فون بند نہیں کرنا، ہم دونوں یہ شو ساتھ میں دیکھنے والی ہیں، اوہ لیس شو از آن۔'' صاحبہ ایک دم سے چلا اٹھی، مانہ کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی، شو کا لوگو سکرین پر تھا، مانہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی وہیں کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

الحان ابراہیم اپنی دلکش شخصیت سمیت ٹی وی کی سکرین پر موجود تھا، مانہ اسے دیکھتے ہی ایک لمبی گہری سانس خارج کرنے لگی، نجانے وہ اتنا گھبرا کیوں رہی تھی، خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتی وہ سکرین پر نظریں جما بیٹھی، الحان ٹرالی کے سامنے موجود تھا، ٹرالی پر ایک گلاب اور ایک خوبصورت ڈبیا جگمگاتی دیکھائی دے رہی تھی، مسکان اور آشلے میکسی میں ملبوس، خوبصورت، ہیر سٹائل بنائے، نیچرل میک کیے، چہروں پر معصومیت اور خوف کے سائے سجائے نظریں جھکائے کھڑی تھیں، الحان چہرے پر گہری سنجیدگی سجائے دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''کچھ بھی کہنے سے پہلے میں آپ دونوں سے اور اپنے تمام دیکھنے والوں سے اپنی زندگی کا ایک سچ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا۔

ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم اپنے گھر کے لاؤنج میں موجود ٹی وی سکرین کے سامنے بیٹھے اپنے بیٹے کو لائیو دیکھ رہے تھے، مسز ابراہیم خاصی پریشان دیکھائی دے رہی تھیں، ابراہیم صاحب ماتھے پر شکن ڈالے بیٹھے تھے، وہ یقینی طور پر الحان سے ناراض تھے، ہمیشہ کی طرح۔

الحان نے ایک بار پھر سے بولنا شروع کیا۔

''میں نے یہ شو اپنے بیسٹ فرینڈ کے ساتھ لگائی گئی ایک شرط پر جوائن کیا تھا۔'' وہ رک رک کر گویا تھا۔

آشلے اور مسکان اس کے آخری جملے پر یکا یک چونک اٹھی تھیں، وہ اک دوجے کی جانب دیکھتیں اب سوالیہ نگاہوں سے الحان کی جانب دیکھنے لگیں، ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم بھی حیران دیکھائی دینے لگے، کبیر الگ اپنے گھر پر ٹی وی سکرین کے سامنے موجود تھا، پریشانی کی حالت میں وہ اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔

''کیا کر رہا ہے الحان؟'' وہ اپنے لب بھینچنے لگا، مانہ بھی حیرانی سے سکرین کی جانب دیکھنے لگی، الحان بول رہا تھا۔

''چند مہینے یہ شو سٹارٹ ہونے سے پہلے تک مجھے پیار لفظ پر بھروسہ نہیں تھا، محبت میرے لئے ایک بیکار، فالتو اور ٹائم پاس جیسی چیز تھی، میں نے یہ شو صرف اس لئے جوائن کیا تھا کیونکہ میں اپنے دوست کو ثابت کر کے دیکھانا چاہتا تھا کہ محبت جیسی بیکار سی چیز میری زندگی میں کبھی انٹری نہیں دے سکتی، میں نے اس سے شرط لگائی تھی کہ میں اس شو میں آ کر پچیس لیڈیز کو ان کی خوبصورتی کے باوجود، ان کی سنسیرٹی کے باوجود رد کر دوں گا، کیونکہ مجھے کسی سے پیار نہیں ہو سکتا اور میرا خود پر اٹل یقین تھا، مجھے یقین تھا کہ میں اپنے دوست کے ساتھ لگائی جانے والی یہ شرط یقینی طور پر جیت جاؤں گا، لیکن میں نہیں جانتا تھا، بالکل نہیں جانتا تھا کہ پیار اپنے آپ کو ثابت کرنے کے لئے مجھے اتنی گہری مات دے دے گا، میں نے محبت کو للکارا تھا اور آج اسی پیار نے مجھے اپنا دیوانہ بنا کر رکھ دیا ہے، محبت بہت پیاری چیز ہے، اگر دل سے محسوس کی جائے تو، محبت میں وہ طاقت ہے کہ پل بھر میں پتھر کو موم کر دے، ایک پل میں تمام کی تمام دنیا تمام کی تمام زندگی بدل کر رہ جاتی ہے۔'' مسکان اور آشلے جھینپ سی گئیں، انہیں لگا کہ شاید ان دونوں میں سے کوئی ایک الحان کے بدلنے کی وجہ ہے۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے میری اصل زندگی کی شروعات پیار سے آشنا ہونے کے بعد سے ہوئی ہے۔''

مسز ابراہیم پیار بھری نگاہوں سے سکرین کے اس پار کھڑے الحان کی جانب دیکھنے لگیں، ابراہیم صاحب حیرانی سے سکرین پر متوجہ تھے، کبیر نے سکون کا سانس لیا، مانہ کے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئیں۔

''لیکن...... میں امتحان لازمی سی بات ہے، میں نے بھی امتحان دیا ہے، میں اس سے کہتا رہا، اسے یقین دلاتا رہا کہ مجھے اس سے پیار ہے، لیکن اس نے مجھ پر یقین نہیں کیا، مجھ جیسے انسان پر یقین کر لینا یقیناً ایک مشکل عمل ہے، میں دل سے اقرار کرتا ہوں۔'' مسکان اور آشلے حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

''میں نے اسے جانے دیا، کیونکہ وہ جانا چاہتی تھی، میں نے اس کے ساتھ ایک ڈیل کی تھی، کہ اگر ٹاپ فور تک اسے مجھ سے محبت نہ ہوئی اور اگر ٹاپ فور تک اس نے اپنی محبت کا اظہار نہ کیا، تو میں اسے ٹاپ فور کے بعد ایلیمینیٹ کر دوں گا، اس نے مجھ سے اظہار محبت نہیں کیا، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، دل و جان سے کرتی ہے، وہ منہ سے کچھ کہے نہ کہے، اس کی آنکھیں مجھے سب کہہ دیتی ہیں، اس کی آنکھیں مجھ سے باتیں کرتی ہیں، میں نے اس کا یقین جیتنے کے لئے اپنا وعدہ پورا کیا، میں جانتا ہوں اسے مجھ پر یقین ہے، لیکن محبت میں آزمائش ضروری ہے، جدائی ضروری ہے، یہ دو ہفتے میں نے اس کے بغیر کس طرح گزارے ہیں، یہ صرف میں جانتا ہوں، یا میرا اللہ جانتا ہے۔'' آشلے غصہ سے پھنکارتی نظر آئی۔

''بس وہ لڑکی جس نے میری انا کو مات دے دی، مجھے سچی محبت سے آشنا کرنے والی، مجھے نئی زندگی دینے والی، کوئی اور نہیں، میری مانو ہے، بس I am in love with her!'' الحان نے ٹی وی سکرین پر دیکھتے ہوئے اپنی محبت کا اظہار کیا، مانہ آنسو بہانے لگی تھی، پھر وہ روتے روتے مسکرا دی تھی، کتنا سکون

تھا اس کے دل میں، وہ ممنون نگاہوں سے سکرین پر موجود الحان کی جانب دیکھنے لگی، کبیر بھی نم بھری نگاہوں سے مسکراتا خوشی کا اظہار کرنے لگا تھا۔

''یس میرا شیر؟'' وہ دونوں ہاتھ زور سے آپس میں مارتا سکرین کی جانب دیکھنے لگا۔

مسز ابراہیم بھی آنسو بہاتیں ماتا بھری نگاہوں سے سکرین کی جانب متوجہ تھیں، ابراہیم صاحب پرسکون مسکراہٹ لبوں پر سجائے فخر سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

آشلے غصہ میں تھی جبکہ مسکان خاصی نادم دکھائی دے رہی تھی۔

''مسکان!'' مسکان اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میں تم سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں، کہ جنہیں تم اپنا دوست کہتی ہو، ان سے پیار کرنا بھی سیکھو، آئی آلسو وش کہ تمہیں زندگی میں بہترین جیون ساتھی ملے، آئی وش یو آل دی ویری بیسٹ۔'' الحان نے اپنی نگاہیں غصہ میں بل کھاتی آشلے پر ٹکا دیں، وہ اب آشلے سے مخاطب تھا۔

''آشلے، آئی لائک یو، تم یقیناً بہت خوبصورت ہو، سمجھدار بھی ہو۔'' آشلے اس کی جانب دیکھتی مصنوعی مسکراہٹ مسکرانے لگی۔

''تم دوسروں کے لئے اپنی اظہار رائے چھپاتی نہیں، بلکہ منہ پر کہہ دیتی ہو، مجھے تمہاری یہ عادت پسند ہے تم منافق نہیں ہو، بس تھوڑی سی کڑواہٹ ہے تم میں، تم صرف اپنی تعریف سننا پسند کرتی ہو اور صرف اپنے بارے میں بات کرنا پسند کرتی ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے اور جس پیار کی تلاش میں تم یہاں تک آئی ہو، اگر غور سے اپنے اردگرد دیکھ سکو تو تمہیں وہ پیار اپنے آس پاس ہی دکھائی دے گا، کوئی اگر تم سے اظہار محبت کرتا ہے تو اس کی ریسپیکٹ کرنا سیکھو، سچی محبت بار بار ہمارے در پر دستک نہیں دیتی، کوئی تم سے سچی محبت کا دعویٰ کرے تو قبول کرنا سیکھو، اسے جانے مت دو، کبھی کبھی بہت دیر ہو جاتی ہے اور انسان کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔'' آشلے نادم انداز میں سر جھکائے کھڑی تھی۔

''آئی ہوپ یو انڈرسٹینڈ، اینڈ آئی وش یو آل دی ویری بیسٹ۔'' الحان اب ان دونوں اور اردگرد لگے کیمراز کی جانب دیکھتا خوشگوار انداز میں مخاطب ہوا۔

''میں نے یہ شو بہت انجوائے کیا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہاں کسی کو ہرٹ نہیں کیا، بہت سی یادیں بہت سے خوشگوار لمحات لئے جا رہا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ اس شو نے مجھے بدل دیا، اس شو نے مجھے میری زندگی سے ملا دیا، یہ آخری گلاب اور یہ انگوٹھی......'' الحان نے سامنے رکھی ٹرالی پر سے گلاب اور ڈبیا اٹھائی، الحان اب کیمرہ میں دیکھتے ہوئے مخاطب ہوا، اس کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ رقص کرتی دکھائی دی۔

''مانو! اگر تم یہ شو دیکھ رہی ہو، تو تم سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ میں یہ پھول اور رنگ لئے تمہارے پاس آ رہا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہیں اپنا بنانے۔'' وہ ایک ادا سے مسکراتا ہوا چوب محل سے باہر نکل گیا، سکرین پر شو کا لوگو بلنک کرنے لگا تھا، مانہ آنکھوں میں نمی بھرے سکرین کی جانب دیکھتی رہی۔

''مبارک ہو مانہ! الحان آ رہا ہے تمہارے پاس، جلدی سے تیار ہو جاؤ لڑکی اور اچھے سے اس کا استقبال کرنا۔'' صاحبہ کی خوشی میں لپٹی آواز مانہ کی سماعت سے ٹکرائی، مانہ یکا یک چونک اٹھی، صاحبہ ابھی تک فون پر موجود تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے الحان ابھی آئیں گے یہاں؟'' وہ بے یقینی کے عالم میں پوچھنے لگی۔

''آف کورس وہ ابھی آئے گا تمہارے پاس، تم نے اس کا دیوانہ پن نہیں دیکھا، ماشاء اللہ سے بہت لگی ہو مانہ تم، میری دعا ہے کہ تم دونوں ہمیشہ شادو آباد رہو، تم دونوں کو کبھی کسی کی نظر نہیں لگے آمین۔'' مانہ خاموش بیٹھی رہی، اسے شاید اپنی قسمت پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''چلو میں فون رکھتی ہوں، آپ اپنے الحان صاحب کے استقبال کی تیاریاں کریں میڈم، ٹیک کیئر اللہ حافظ۔'' فون ڈسکنیکٹ ہوگیا، مانہ موبائل سائیڈ پر رکھتی مچلتے دل کے ساتھ بیٹھی تھی۔

☆☆☆

مانہ بے چینی سے دروازے کی جانب دیکھتی ادھر سے ادھر چکی کاٹ رہی تھی، رات کافی گہری ہوگئی تھی، وہ ابھی تک نہیں آیا تھا، نیچے پارکنگ ایئریا میں لوگوں کا ہجوم تھا، سبھی بے چینی سے الحان کی راہ دیکھتے دیکھائی دیئے تھے، الحان کی مانہ کے اپارٹمنٹ آکر اس کو پروپوز کرنے کی اطلاع نے ہر طرف دھوم مچادی تھی، سبھی الحان کے گن گاتے دیکھائی دے رہے تھے، مزید ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد کالی مرسڈیز بلڈنگ میں داخل ہوئی، گاڑی دیکھتے ہی ایک شور برپا ہوگیا، ایک کیمرہ مین الحان کے ساتھ تھا، وہ اسے لانے پر رضا مند نہ تھا، لیکن عاشر کی پرزور فرمائش کے آگے الحان کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

مانہ بے چینی سے لب بھینچتی لمبے لمبے سانس کھینچتی خود کو نارمل کرنے کی غرض سے صوفہ پر جا بیٹھی تھی، اسی پل گھر کی اطلاعی گھنٹی گونج اٹھی، وہ خشک ہوتے حلق سمیت دروازے کی جانب دیکھنے لگی، اگلے ہی پل دروازہ کھل گیا، الحان اس کے سامنے کھڑا تھا، مانہ کو دیکھتے ہی الحان کی آنکھیں چمکنے لگیں، مانہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی، الحان اندر داخل ہوا، کیمرہ مین پیچھے پیچھے تھا، وہ اپنی لائیو ریکارڈنگ میں مصروف تھا، الحان ایک گلاب آگے بڑھائے اس کے سامنے جھک کر بیٹھا، مانہ لبوں پر ہاتھ رکھے، نم بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''ایک پتھر کو موم کرنے والی، ایک بھٹکے ہوئے کو راہ راست پر لانے والی، ایک کھلنڈر انسان کو محبت سے آشنا کرنے والی، اے جان عزیز، کیا تم اس ناچیز کی محبت کا چھوٹا سا نذرانہ قبول کرتے ہوئے اپنی تمام زندگی میرے نام کرکے مجھے شرف یابی سے نواز سکتی ہو؟'' وہ ایک لمحے کو رکا، پھر بولا۔

''Will you marry me?''

اس کی آنکھوں میں چمک تھی، مانہ کے آنسو بہہ نکلے، وہ روتی نگاہوں اور مسکراتے لبوں سمیت الحان کی جانب دیکھتی اس کے ہاتھوں سے پھول تھامتی ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیئے اپنے قدموں پہ کھڑا کرنے لگی، الحان نے کھڑے ہوتے ہی اس کی پیشانی پر بوسہ دیا، کیمرہ مین نے سیٹی بجائی، اسی پل ابراہیم صاحب اور مسز ابراہیم اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تھے، مسز ابراہیم ممتا بھری نگاہوں سے الحان اور مانہ کو دیکھتیں ان دونوں سے جا لپٹی تھیں، الحان دروازے میں کھڑے ابراہیم صاحب کی جانب دیکھنے لگا، ابراہیم صاحب کی آنکھوں میں فخر تھا، نمی تھی، الحان تیز تیز قدم اٹھاتا، ابراہیم صاحب سے جا لپٹا، ابراہیم صاحب فخر سے اسے تھپکی دیتے مانہ کے پاس چلے آئے، انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی آمادگی کا اظہار کیا، الحان

خوشی سے اچھل پڑا، اس نے جلدی سے اپنی جیب ٹٹولی ایک جیب سے ڈبیا نکالتا، وہ مسکراتا ہوا آنسو بہاتی مانہ کی جانب دیکھنے لگا، الحان نے جلدی سے رنگ باہر نکالی اور مانہ کا بائیاں ہاتھ تھامتے ہی تیسری انگلی میں انگوٹھی پہنا دی، کیمرہ مین نے ایک بار پھر سے وسلینگ کی، ابراہیم صاحب اپنی مکمل فیملی کے گرد اپنی باہیں پھیلائے، فخر سے مسکرانے لگے، الحان نے مانہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا، مانہ اس پل خود کو دنیا جہاں کی خوبصورت اور مکمل لڑکی تصور کرنے لگی تھی۔

اور میرا یقین جیت گیا
اس کی ضد ہار گئی

الحان بڑے فخر سے مانہ کی جانب دیکھنے لگا اور مانہ اپنی نم بھری نگاہوں میں بے شمار خوبصورت خواب سموئے اپنی کل کائنات کی جانب دیکھے چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے ایک ہفتے میں مانہ کی فرمائش پہ نکاح بڑی سادگی سے کیا گیا، الحان اور اس کے پیرنٹس مانہ کی خوشی مین خوش تھے، خوشیاں مانہ کی جھولی میں آن گری تھیں، الحان نے صرف وعدے نہیں کیے تھے، وہ اپنے کیے تمام وعدے پورے کرتا چلا گیا، مانہ اسے دیکھ دیکھ کر اپنے رب کے حضور شکر کرتی نہ تھکتی، خوشیاں اس پر مہربان تھیں، ایک لمبی مسافت کے بعد اسے جینے کا حق مل گیا تھا۔

شادی کے تین مہینوں بعد اس نے اپنا ناول ''ان لمحوں کے دامن میں'' پبلش کر دیا، الحان نے اس کے ناول پبلش ہونے کی خوشی میں ایک گرینڈ پارٹی دی تھی، چینل کے لوگوں کے ساتھ ساتھ کافی نامور اور بڑی بڑی ہستیاں اس پارٹی پر مدعو تھیں، سبھی مانہ کے ناول کے گن گاتے نظر آئے، یہ ناول اس شو سے متعلق تھا، مانہ نے اپنی اور الحان کی کہانی لکھ ڈالی تھی، سبھی اس ناول کو پڑھنے کے لئے بے تاب دیکھائی دیتے تھے، مانہ اپنی کامیابی پر آسمان پر نگاہ دوڑاتی اللہ کے حضور شکر ادا کرتی چلی گئی۔

اللہ جو کہتا ہے کہ اے بندے، خبردار میری رحمت سے مایوس ہر گز نہ ہونا۔

پارٹی سے واپسی پر وہ الحان پیلس میں موجود اپنے اور الحان کے کمرے میں رکھی خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی، اپنی جیولری اتار رہی تھی، الحان ابھی ابھی کپڑے چینج کیے نائٹ ڈریس میں ملبوس واش روم سے باہر نکلا تھا، مانہ جیولری اتارنے میں مصروف تھی، الحان دبے قدموں چلتا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا، اپنی دونوں باہیں اس کے گرد لپیٹتا وہ اسے اپنی باہوں کی قید میں لے کھڑا ہوا، مانہ دھیمے سے مسکرا دی، اس کی آنکھوں میں نجانے کتنے طلسم آباد ہو گئے، الحان کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔

''آئی لو یو سو مچ، I love you so much۔'' الحان نے اس کے کان میں سرگوشی کی، مانہ کی گلابی رنگت میں مزید گلابیاں اترتی چلی گئیں، الحان اب مسحور کن انداز میں اس کے کھلے بالوں کی خوشبو، لمبا سانس کھینچ کر اپنے اندر اتارنے لگا تھا۔

''آئی لو یو ٹو، I love you too۔''
مانہ نے جواباً آنکھیں موندتے ہی سرگوشی کی۔

''کتنا سکون ملتا ہے، جب تمہارے لبوں سے یہ چار لفظ سنتا ہوں۔'' وہ سرگوشی کرتا ہوا بولا، الحان نے اپنی ٹھوڑی کو اس کے سر سے لگا دیا، مانہ نے آسودگی سے آنکھیں موند لیں، چاند مسکراتا ہوا اپنی روشنی ان پر نچھاور کرنے لگا۔

کوئی مجھے بتا دے ایک لمحے کو بڑا کیسے کرتے ہیں
کہ مجھے اس ایک لمحے میں ساری زندگی گزارنی ہے

☆☆☆

سات سال بعد:۔

ایک ننھا چھ سالہ معصوم فرشتہ ابراہیم ولا کے بڑے سے لان میں بھاگ رہا تھا، اس کی سفید شرٹ گیلی مٹی کی وجہ سے خراب دکھائی دے رہی تھی، وہ اپنی ننھی منی آنکھوں میں حیرت سموئے لان میں پورچ کے درمیان پنک ہیٹ اور رائیڈنگ ڈریس میں ملبوس کھڑی پانچ سالہ پری کی جانب دیکھنے لگا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اس کے نزدیک دوڑا چلا آیا، اس کے قریب آتے ہی اس نے معصومیت سے پوچھا، ننھی پری اپنے رائیڈنگ ڈریس پر اتراتی فخر سے اپنا ہیٹ درست کرتی ایک ادا مگر معصومیت سے جواباً بولی۔

''میں رائیڈنگ کے لئے جا رہی ہوں، جو تم سے نہیں ہوتی ہونہہ۔'' وہ اپنی چن اوپر کو اوٹھاتی، خود پر اترانے لگی۔

''میں سائیکل بہت اچھی چلاتا ہوں، سمجھی تم؟'' ننھے فرشتے کو ہلکا سا غصہ آ گیا۔

''میں سائیکل کی بات نہیں کر رہی۔'' وہ پری ایک دم چلا اٹھی۔

''میں Horse Riding کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے اپنی ننھی سی شہادت کی انگلی اٹھا کر لان میں کھڑے الحان کے سفید گھوڑے کی جانب اشارہ کیا۔

''تمہیں Horse Riding نہیں آتی آنیہ۔'' ننھا فرشتہ طنز کرنے لگا اور طنز کرتے ہی وہ ڈرتے ہوئے دو قدم دور ہٹ کھڑا ہوا، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ سامنے کھڑی ننھی پری آنیہ ہمیشہ کی طرح غصے میں پھنکارتی اس پر جمپ لگا کر اسے پیٹنا شروع کر دیے گی، لیکن آنیہ نے ایسا نہ کیا، بلکہ وہ تیوری چڑھاتی، غصہ کے عالم میں اپنے فیس پر بکھری بالوں کی لٹوں کو بے دردی سے رگڑتی، فیس سے پیچھے ہٹانے لگی۔

''میں تمہیں رائیڈنگ کر کے دکھاؤں گی، دیکھو مجھے میں کیسے رائیڈنگ کرتی ہوں۔''

''تم کسی بڑے کی مدد کے بغیر رائیڈنگ نہیں کر سکتیں۔'' اس نے پھر سے زبان کھولی۔

''میں بڑی ہو گئی ہوں، میں رائیڈنگ کر سکتی ہوں۔'' وہ اترا کر بولی، الحان ابھی ابھی آفس سے واپس لوٹا تھا۔

گاڑی سے باہر نکلتے ہی اس نے آنیہ کی بات سن لی تھی، تبھی وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجاتا اس کے قریب چلا آیا۔

''نہیں آپ بڑی نہیں ہوئیں میری جان، آپ میری ننھی سی پری ہو۔''

''نہیں بابا، میں بڑی ہو گئی ہوں۔'' اس ننھی پری نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں اٹھا کر زور سے زمین پر مارا، وہ چلا رہی تھی۔

''اور بہت جلد میری شادی بھی ہونے والی ہے۔'' وہ الحان کی جانب دیکھتی غصہ سے بولی تھی، الحان زمین پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گرتے گرتے بچا، اسے اس ننھی پری کی بات سن کر یقینی طور پر چکر آنے لگے تھے۔

''شادی؟ کس سے؟'' وہ حیرانگی کا اظہار کرنے لگا۔

''عماد سے۔'' وہ زور سے چلائی۔

آنیہ سے دو قدم دور کھڑا بچہ یکا یک چونک اٹھا، وہ ایک دم اچھل پڑا، اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے، وہ اپنے بچاؤ کے لئے چیخا۔

کوئی مجھے بتا دے ایک لمحے کو بڑا کیسے کرتے ہیں
کہ مجھے اس ایک لمحے میں ساری زندگی گزارنی ہے

☆☆☆

سات سال بعد:۔

ایک ننھا چھ سالہ معصوم فرشتہ ابراہیم ولا کے بڑے سے لان میں بھاگ رہا تھا، اس کی سفید شرٹ گیلی مٹی کی وجہ سے خراب دکھائی دے رہی تھی، وہ اپنی ننھی منی آنکھوں میں حیرت سموئے لان میں پورچ کے درمیان پنک ہیٹ اور رائیڈنگ ڈریس میں ملبوس کھڑی پانچ سالہ پری کی جانب دیکھنے لگا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اس کے نزدیک دوڑا چلا آیا، اس کے قریب آتے ہی اس نے معصومیت سے پوچھا، ننھی پری اپنے رائیڈنگ ڈریس پر اتراتی فخر سے اپنا ہیٹ درست کرتی ایک ادا مگر معصومیت سے جواباً بولی۔

''میں رائیڈنگ کے لئے جا رہی ہوں، جو تم سے نہیں ہوتی ہونہہ۔'' وہ اپنی چن اوپر کو اٹھاتی، خود پر اترانے لگی۔

''میں سائیکل بہت اچھی چلاتا ہوں، سمجھی تم؟'' ننھے فرشتے کو ہلکا سا غصہ آ گیا۔

''میں سائیکل کی بات نہیں کر رہی۔'' وہ پری ایک دم چلا اٹھی۔

''میں Horse Riding کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے اپنی ننھی سی شہادت کی انگلی اٹھا کر لان میں کھڑے الحان کے سفید گھوڑے کی جانب اشارہ کیا۔

''تمہیں Horse Riding نہیں آتی آنیہ۔'' ننھا فرشتہ طنز کرنے لگا اور طنز کرتے ہی وہ ڈرتے ہوئے دو قدم دور ہٹ کھڑا ہوا، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ سامنے کھڑی ننھی پری آنیہ ہمیشہ کی طرح غصے میں پھنکارتی اس پر جمپ لگا کر اسے پیٹنا شروع کر دے گی، لیکن آنیہ نے ایسا نہ کیا، بلکہ وہ تیوری چڑھاتی، غصہ کے عالم میں اپنے فیس پر بکھری بالوں کی لٹوں کے بے دردی سے رگڑتی، فیس سے پیچھے ہٹانے لگی۔

''میں تمہیں رائیڈنگ کر کے دیکھاؤں گی، دیکھو مجھے میں کیسے رائیڈنگ کرتی ہوں۔''

''تم کسی بڑے کی مدد کے بغیر رائیڈنگ نہیں کر سکتیں۔'' اس نے پھر سے زبان کھولی۔

''میں بڑی ہو گئی ہوں، میں رائیڈنگ کر سکتی ہوں۔'' وہ اترا کر بولی، الحان ابھی ابھی آفس سے واپس لوٹا تھا۔

گاڑی سے باہر نکلتے ہی اس نے آنیہ کی بات سن لی تھی، تبھی وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجاتا اس کے قریب چلا آیا۔

''نہیں آپ بڑی نہیں ہوئیں میری جان، آپ میری ننھی سی پری ہو۔''

''نہیں بابا، میں بڑی ہو گئی ہوں۔'' اس ننھی پری نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک پاؤں اٹھا کر زور سے زمین پر مارا، وہ چلا رہی تھی۔

''اور بہت جلد میری شادی بھی ہونے والی ہے۔'' وہ الحان کی جانب دیکھتی غصہ سے بولی تھی، الحان زمین پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گرتے گرتے بچا، اسے اس ننھی پری کی بات سن کر یقینی طور پر چکر آنے لگے تھے۔

''شادی؟ کس سے؟'' وہ حیرانگی کا اظہار کرنے لگا۔

''عماد سے۔'' وہ زور سے چلائی۔

آنیہ سے دو قدم دور کھڑا بچہ یکا یک چونک اٹھا، وہ ایک دم اچھل پڑا، اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے، وہ اپنے بچاؤ کے لئے چیخا۔

"No!"۔

"کیا مطلب No؟" آنیہ اب اس کی جانب متوجہ ہوئی، وہ چلائی تھی۔

"میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ ڈرتے ہوئے دو قدم اور پیچھے ہٹا۔

"کیوں؟" وہ پھر سے چلائی۔

"کیونکہ تم بہت چھوٹی ہو اور میں تم سے بہت بڑا ہوں، میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔"

"تم بڑے نہیں ہو، تم چھ سال کے ہو، میں پانچ سال کی ہوں۔" اس بار ننھی آنیہ کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دکھائی دیئے، الحان قہقہہ لگا دینے کو بیقرار تھا، لیکن اس نے ننھی پری کے غصہ کے ڈر سے خود کو یہ گستاخی کرنے سے باز رکھا۔

"آئی ڈونٹ کیئر، میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔" ننھا فرشتہ عماد غصہ میں پھنکارتا دوڑتا ہوا محل کے اندرونی حصہ میں داخل ہو گیا۔

"بابا!" وہ الحان کی جانب دیکھتی بری طرح سے رو دی، ایسے جیسے کوئی اس کی من پسند چاکلیٹ یا کھلونا اس سے چھین کر بھاگ گیا ہو۔

"سویٹ ہارٹ، آپ کسی کو خود سے شادی کرنے کے لئے فورس نہیں کر سکتیں۔" الحان پیار بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا، اس کے آنسو پونچھنے لگا، آنیہ گڑیا کی طرح پلکیں جھپکانے لگی۔

"لیکن آپ نے ماما کو خود سے شادی کے لئے فورس کیا تھا ناں؟" اس کی رندھی آواز میں کہا گیا جملہ سنتے ہی الحان کی مسکراہٹ پلک جھپکتے غائب ہوتی دکھائی دی۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

"کبیر انکل، عماد کی ماما، میری ماما، دادی، دادو سب بول رہے تھے، اس کا مطلب آپ نے ماما کو فورس کیا ناں؟" وہ گڑیا کی طرح پلکیں جھپکاتی، رک رک کر الحان کو ڈیٹیل بتانے لگی، الحان اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

"آپ کی ماما بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔" آنیہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"عماد بھی مجھ سے شادی کرے گا پھر۔" ننھی آنکھوں میں پھر سے آنسو تیرنے لگے، الحان اسے اپنی بانہوں میں دبوچتا، اس کے رخسار پر بوسہ دیتا، اسے گود میں اٹھاتا محل کے اندر داخل ہو گیا، اندر بیٹھے سبھی لوگ چائے پینے میں مصروف تھے، الحان کے اندر داخل ہوتے ہی سب لوگ اس کی جانب متوجہ ہوئے، الحان کی بانہوں میں آنسو بہاتی آنیہ کو دیکھتے ہی مانہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی، وہ الحان کی جانب دوڑی۔

"کیا ہوا آنیہ؟" آنیہ الحان سے دور ہٹتی مانہ کی بانہوں میں چلی آئی۔

"کیا ہوا ہے میری جان، آپ رائیڈنگ کے لئے گئی تھیں ناں، کیا ہوا؟" الحان اس کے نزدیک چلا آیا۔

"آنیہ کہتی ہے کہ اسے عماد سے شادی کرنی ہے۔" الحان نے مانہ کے کان میں سرگوشی کی، مانہ ایک دم مسکرا دی، وہ اسے پیار سے تھپکتی ممتا بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

"اوہ میری جان جاؤ اوپر جا کر چینج کر لو، شاباش۔" آنیہ اس کی بانہوں میں مچلنے لگی، ضد کرنے لگی۔

"جاؤ ناں میری جان، جاؤ جلدی سے چینج کر کے واپس آؤ۔"

"مجھے صاحبہ آنٹی کے گھر جانا ہے۔" وہ سوں سوں کرتی سرگوشی کرنے لگی۔

"صاحبہ آنٹی عاشر انکل کے ساتھ پاکستان گئی ہیں آنیہ، اگلے ہفتے واپس آئیں گی تم ہم

سب ان سے ملنے جائیں گے۔'' وہ اسے پیار سے سمجھانے لگی۔

''پھر مجھے زرین آنٹی کے گھر جانا ہے۔''

''زرین آنٹی ماما کی بک کے ساتھ بزی ہیں بیٹا، آپ کو معلوم ہے ناں؟'' مانہ نے اسے نیچے اتار دیا۔

''چلو جاؤ شاباش چینج کر کے جلدی سے واپس آؤ، اور ہاں اب آپ عماد کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گیں اوکے۔'' آنیہ غصہ بھری نگاہوں سے کبیر کی گود میں کھیلتے عماد کی جانب دیکھتی سر جھٹکتی دوڑتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگنے لگی، اس کے جاتے ہی مانہ کھلکھلا کر ہنس دی، الحان لمبی سانس کھینچتا کبیر اور اپنی فیملی کے بیچ آ بیٹھا، ابراہیم صاحب مسکراتے ہوئے الحان کی جانب دیکھنے لگے۔

''کیا ہوا؟ کیوں رو رہی تھی ہماری آنیہ؟''

''جناب عالیہ شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' الحان نے حیرانگی کا اظہار کیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ سبھی لوگ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''کس سے؟'' مسز ابراہیم مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''عماد صاحب سے۔''

''کیا؟''

''ہاہاہاہا۔'' یک آواز قہقہے کی گونج سنائی دی، سبھی لوگ آنیہ کی فرمائش پر دل کھول کر ہنس دیئے تھے۔

عماد کبیر کی گود میں بیٹھ چلا اٹھا۔

''میں آنیہ سے شادی نہیں کروں گا۔''

''کیوں نہیں؟'' اس بار کبیر بولا۔

''کیونکہ وہ مجھے مارتی ہے، میرے بال کھینچتی......'' اس بار تینوں مردوں کا قہقہہ ہوا میں بلند ہوا، عماد منہ بسور کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

''الحان کیا ہو گیا ہے آپ کو، آنیہ چھوٹی بچی ہے، اور بچے ایسی باتیں کر دیتے ہیں، آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہیں؟''

اس رات الحان نائٹ ڈریس میں ملبوس، بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی، ہاتھوں کا مساج کرتی مانہ سے صبح والا قصہ چھیڑ بیٹھا، وہ خاصا سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا، مانہ مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے لگی تھی۔

''وہ صرف پانچ سال کی ہے اور ابھی سے شادی کی بات؟''

''ہاں وہ پانچ سال کی ہے اور وہ اپنی لائف میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو وہ سوچ رہی ہے وہ سب ابھی سے ممکن ہو جائے گا۔''

''تو مطلب کہ تمہیں اس کی شادی والی بات نے بالکل سرپرائز نہیں کیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا، مانہ مسکراتی ہوئی بیڈ پر اس کے برابر میں آ بیٹھی۔

''بیٹیوں کی مائیں ان کی پیدائش پر بھی ان کی شادی کے خواب دیکھنے لگتی ہیں۔''

''مانو وہ صرف پانچ سال کی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے الحان کہ آپ کی بیٹی پانچ سال کی ہے، لیکن ایک نہ ایک دن ہم نے اس کی شادی تو کرنی ہی ہے۔'' الحان سوچ میں پڑ گیا، پھر بولا۔

''نہیں...... میں آنیہ کو خود سے جدا نہیں کر سکتا، میں اسے خود سے دور ہرگز نہیں جانے دوں گا۔'' وہ بچوں کی طرح منہ بسورنے لگا، مانہ کھلکھلا کر مسکرا دی۔

''جب وہ بڑی ہو جائے گی، تو وہ سب کچھ

کرے گی جو وہ چاہتی ہے، آپ اسے نہیں روک سکتے، وہ آپ ہی کی بیٹی ہے، آپ کی طرح ضدی۔" مانہ نے سرگوشی کی، پھر وہ مسکرانے لگی، الحان اسے گھورنے لگا۔

"آئی لو یو۔" مانہ نے مسکراتے ہوئے پھر سے سرگوشی کی، الحان ایک دم مسکرا دیا۔

"آئی لو یو ٹو۔" اس نے مانہ کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر سکون تھا، الحان فخر سے مسکرا دیا، پھر مانہ کو آہستگی سے کھینچ کر اپنی بانہوں میں قید کرتا اس کی پیشانی پر بوسہ دیتا، آنکھیں موند گیا، مانہ کسمسائی اس کے سینے پر سر ٹکاتی نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆☆☆

زندگی کتنی حسین تھی، زندگی جب چاہے جہاں چاہے شروع ہو سکتی ہے، منزل اپنے آپ قدموں تلے چلی آتی ہے، منزل حاصل کرنے کا کوئی خاص فارمولا نہیں ہے، یہ منزل کا اپنا کمال ہے کہ وہ اپنے مسافروں کو اپنے حضور طلب کرتی رہتی ہے، خود ہی ان میں ذوق پیدا کرتی ہے، خود ہی سفر کا انتظام کرتی ہے اور خود ہی ہمسفری کے فرائض ادا کرتی ہے اور کسی بھی وقت کسی بھی نقطے پر اپنے مسافروں کو خوش آمدید کہتی ہے، پھر انسان زمین پر رہتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ آسمانوں پر رہ رہا ہے، انسان پر کبھی راستہ بند نہیں ہوتا، یہ بات یاد رکھی جائے کہ ہر دیوار کے اندر دروازہ ہے جس میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں، مایوسیوں کی دیواروں میں اس کی رحمت امید کے دروازے کھولتی رہتی ہے، انتظار ترک نہ کیا جائے تو رحمت یقیناً ہوتی ہے، امید کا چراغ جلتا ہے، وہ وقت جس کا بے چینی سے ہم انتظار کرتے ہیں، ایک نہ ایک دن ضرور آتا ہے، مایوسیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں، چراغاں ہوتا ہے، پتھر موم ہو جاتے ہیں، دل محبت سے معمور ہو جاتے ہیں، پیشانیاں سجدوں سے سرفراز ہو جاتی ہیں۔

زندگی کو زندہ رہنے کا استحقاق مل جاتا ہے، بس چلتے چلیں، منزلیں خود سلام کریں گی، دنیا کے خلاف فریاد نہ کریں، کوشش کریں کہ کوئی آپ کے خلاف فریاد نہ کرے، دوسروں کو خوش کرنے سے خوشی اپنے آپ میسر ہو جایا کرتی ہے اور یہی جینے کا جواز ہے، محبت بہت بڑا کرشمہ ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے۔

مانہ کی زندگی جس قدر دشوار تھی اب اس قدر حسین ہو گئی تھی، اس نے صبر کیا تھا اور اللہ نے اس کے صبر کے عوض اسے الحان ابراہیم جیسے خوبصورت تحفے سے نوازا تھا، جسے دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہوتی اپنے رب کا شکر بجا لاتی تھی۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

اکتیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیرا ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آکر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندارا سے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بتیسویں قسط
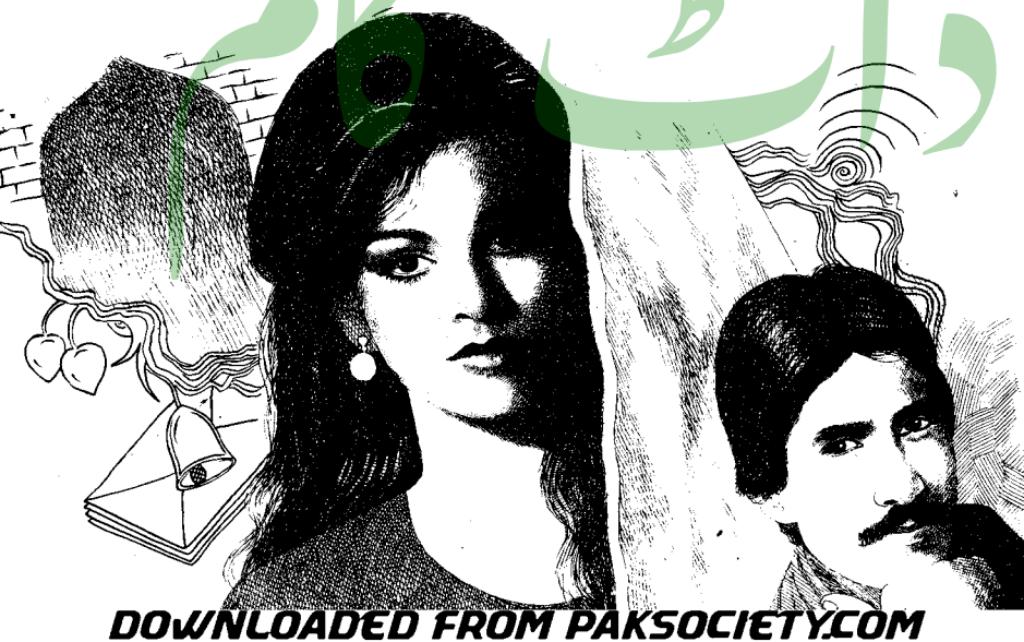
سباخانہ کی کال آئی تھی۔
''بے وفا تمہارے جیسے ہوتے ہیں، آخر لالہ تمہیں کہاں لے گیا؟''
بہت دیر شکوے گلے کرنے کے بعد وہ جلد ہی مطلب کی بات پر آگئی تھی۔
حمت نے گہرا سانس بھرا، پھر کومے کی طرف دیکھا تھا، وہ اس سے اشارے کے ساتھ پوچھ رہی تھی کہ کس کا فون ہے؟ اس نے بتایا ''میری کزن کا۔''
''اچھا، تو تمہاری کزن بھی کوئی ہے؟''
''ہاں، نا۔'' حمت نے سر ہلا کر جواب دیا تھا پھر فون کی طرف متوجہ ہوگئی، وہ دونوں مقامی زبان میں بات کر رہی تھیں اور کومے کو مقامی زبان کی سمجھ بوجھ نہیں تھی، سو جلد ہی بیزار ہوگئی تھی۔
''تم سناؤ، سب کچھ کیسا جا رہا؟ بی جاناں اور بابا جان کیسے ہیں؟''
''ان کو کیا ہونا ہے؟ ویسے کے ویسے ہیں۔'' سباخانہ نے بیزاریت سے جواب دیا تھا، جب سے شاہوار لالہ نے رشتے سے انکار کیا تھا، تب سے سباخانہ بابا جان اور بی جاناں سے بھی خفا تھی۔
''کہاں گیا ان کا رعب اور دبدبہ؟ جب گن پوائنٹ پہ رشتے کرواتے اور تڑواتے تھے، اب ہماری باری آئی تو ان کے سارے سکے ہی کھوٹے ہوگئے۔'' اس کا شکوہ غصے میں ڈھل گیا تھا، حمت نے گہرا سانس بھرا۔
''اب ان کا بھی اس معاملے میں قصور کہاں ہے؟ جب شاہوار لالہ کو ہی کسی اور لڑکی سے محبت۔'' حمت بولتے بولتے لمحہ بھر کے لئے رک گئی تھی، شاید اسے احساس ہوا تھا وہ پھر سے سباخانہ کے زخموں کو ہرا کر رہی ہے۔
''ہاں ہمارے خانوں کو باہر کی لڑکیوں سے عشق و عاشقی کرنے کا جنون ہے اگر گھر کی لڑکی کسی باہر کے لڑکوں کو پسند کرلے تو اسے نیل بر کی طرح گھر بدر کر کے سزا دی جاتی ہے۔'' اپنے دکھ میں گھر کر اب سباخانہ کو نیل بر بھی حق بجانب لگنے لگی تھی۔
''کہتی تو تم ٹھیک ہو۔'' حمت نے گہرا سانس بھرا تھا، کومے بیزار ہو کر اپنے ناخنوں پہ لگی پالش کرچنے لگی تھی، شاید وہ حمت کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔
''تم جلدی سے واپس آجاؤ، لالہ جانے کون سی خدمتیں کروا رہا ہے تم سے۔'' کچھ دیر بعد سباخانہ نے خود ہی بات بدل دی تھی۔
''انشاء اللہ جلدی آنے والی ہوں، تم فکر نہ کرو، اگر دل زیادہ گھبرا رہا ہے تو میں صندیر لالہ سے کہتی ہوں، تمہیں بھی یہاں لے آئیں۔'' حمت اپنے انداز میں بول رہی تھی کہ اچانک کومے نے سر اٹھا کر حمت کی طرف دیکھا تھا، وہ بہت عجیب انداز میں چونکی تھی، حمت کا اس کی طرف دھیان نہیں تھا ورنہ ضرور ٹھٹک جاتی، کیونکہ کومے کے تاثرات بہت چونکا دینے والے تھے، اس نے فون بند کیا تو اچانک کومے بول اٹھی۔
''تم نے اپنی گفتگو کے بیچ صندیر لالہ کہا نا؟ یہ کون ہیں؟'' جس انداز میں کومے نے سوال کیا تھا، حمت کو چونکتے دیر نہیں لگی تھی اور ساتھ ہی اسے صندیر لالہ کی تنبیہ بھی یاد آگئی تھی۔
''اس کے سامنے میرا نام لینے سے احتیاط کرنا۔'' اور حمت اتنی تو سمجھدار تھی کہ اسے کومے کے

سامنے محتاط ہو جانا تھا اب۔
''اچھا مجھے یاد نہیں۔'' حمت نے گول سا جواب دیا۔
''تو یہ صندیر لالہ کون ہیں؟'' کومے نے اب کہ چبھتے لہجے میں پوچھا تھا۔
''میرے تایا زاد بھائی ہیں، وہی تو تمہیں یہاں لائے، جب تم زخمی حالت میں تھی۔'' حمت نے ملائمت سے جواب دیا تھا۔
''تمہارے شاہوار لالہ کی شکل نا کچھ کچھ میرے ایک جاننے والے سے ملتی ہے۔''
کچھ دیر بعد کومے نے ذرا ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے بتایا تھا، تصور میں ایک دم ہی صندیر خان کی بارعب شخصیت سما گئی تھی اور ساتھ ہی اس کے دل نے ایک بیٹ بھی مس کی، ایک بھولا سا تعلق دل کو بے چینی لاحق کر گیا تھا۔
اور پھر ساتھ ہی اسے شدت سے احساس ہوا، کہ صندیر خان وہی جابر انسان ہے جس نے اس کے بھائی پر قاتلانہ حملہ کروایا تھا، سو صندیر خان کے لئے نرم پڑتے جذبات خود بخود سرد ہو چکے تھے اور دل پر ایک لاتعلقی کی دھند چھانے لگی تھی۔
''یہ فون ادھر کرو، میں اپنے گھر تو بات کروں، اتنے دن سے لاپتہ پڑی ہوں، وہ لوگ تو مجھے گمشدہ یا مردہ سمجھ چکے ہوں گے۔'' وہ فون کی طرف بڑھتی ایک دم رک سی گئی تھی
''یہ منحوس فون وون وے کس نے کروایا ہے؟'' کومے نے کافی دفعہ سے پوچھا سوال ایک مرتبہ پھر پوچھ لیا تھا اور اس سوال میں جھنجھلاہٹ اور غصہ صاف دکھائی دیتا تھا۔
''شاید لالہ نے۔'' حمت گڑبڑا سی گئی تھی۔
''مگر کیوں؟'' وہ تلخ ہونے لگی تھی۔
''تمہارا لالہ ہے کدھر، وہ سامنے کیوں نہیں آتا۔'' اب اس پہ مخصوص غصہ سوار ہو چکا تھا، ایک تو طویل بیماری، اوپر سے اجنبی لوگ، علاقہ گھر والوں سے دوری، وہ شدید چڑچڑاہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔
''لالہ کسی ضروری کام کے سلسلے میں ملک سے باہر ہیں، جیسے ہی آئیں گے آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آئیں گے، لالہ کے آنے تک ہم سب لوگ ان کے حکم کے پابند ہیں۔'' حمت نے اسے رسانیت سے جواب دیا تھا۔
''اور اگر تمہارا لالہ پورا سال ہی نہ آئے؟'' کومے نے غصے میں جھنجھلا کر کہا۔
''ایسا کبھی ہوا نہیں، کاروباری معاملات کے لئے لالہ کا باہر کے ملکوں میں آنا جانا لگا رہتا ہے، مگر وہ ایک سال کے لئے کبھی کہیں نہیں جاتے۔''
''تو تب تک میں اسی قید میں رہوں گی۔'' وہ رو دینے کو تھی۔
''تم قید نہیں ہو اچھی لڑکی۔'' حمت نے پیار سے کہا۔
''قیدیوں کی قید ایسی تو نہیں ہوتی، تمہیں تو بہت اچھے مہمان والا پروٹوکول ملتا ہے، اچھے ڈاکٹر گھر چیک اپ کے لئے آتے ہیں، بہترین، دوائی، بہتر رہائش، اچھی خوراک، قیدیوں کو ایسی سہولیات تو نہیں دی جاتی ہیں نا؟'' کومے اس کے جتانے پر شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

''اور تم یہ مت سمجھو میں تمہیں جتا رہی ہوں۔'' اسے شرمندہ دیکھ کر حمت نے مزید کہا تھا۔

''تو جس نے مجھ پر احسان کیا ہے وہ سامنے آتا کیوں نہیں؟'' کومے نے جھنجلاہٹ کی اصل وجہ بتائی تھی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے، لالہ کو دیکھنا تو ایک معجزہ ہے، خوش نصیب لوگ ان کا دیدار کرتے ہیں۔'' حمت کا انداز شرارت بھرا تھا۔

''تو پھر میں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔'' کومے نے گہرا سانس بھرا اور کندھے اچکا کر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

بڑے دن بعد اسامہ کا چکر اسلام آباد لگا تھا۔

گھر جانے سے پہلے اس نے سوچا، عینی کی خیریت ہی معلوم کرتا جائے، ویسے بھی اسے امام سے ملاقات کیے کافی دن ہو چکے تھے۔

اور یہ خدا کی قدرت ہی تھی کہ امام کے بنگلے کا گیٹ کھولنے سے پہلے اس کی نظر شانزے پہ پڑ گئی تھی، وہ جو اپنے ہی دھیان میں کانوں میں ہینڈ فری ٹھونس کر جاگنگ کے لئے نکل رہی تھی، اسامہ کو دیکھتے ہی ٹھٹک گئی تھی اور پھر اس کے چہرے پر ملائمت بھرے پہچان کے تاثرات چھا گئے تھے، وہ قدرے جھجکتے قدموں سے اس کے قریب آرکی تھی۔

''السلام علیکم! خیریت سے ہیں آپ؟''

''جی الحمدللہ، آپ بھی خیریت سے ہیں۔'' جواباً اسامہ نے بھی خوش اخلاقی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

''امام بہت مس کر رہا تھا، اچھا کیا چکر لگا لیا۔''

''جی اسی لئے سوچا سب کی خیریت پوچھتا جاؤں، عینی کا دل تو یہیں لگ گیا۔'' ابھی اسامہ جواب دے ہی رہا تھا جب دور سے نومی تھیلے اٹھاتا بھاگتا ہوا آیا اور اسامہ سے چیختے ہوئے لپٹ گیا، خوب پیار کرنے کے بعد اس نے اسامہ کی بات کا بھی ترنت جواب دیا تھا۔

''عینی کا دل تو لگنا ہی تھا، اس کام چور کو بھلا اور کیا چاہیے، گھر میں کاموں سے جان جاتی تھی، یہاں مہارانی بن کر حکم چلاتی ہے، پکڑ کر اتنا سودا لکھوا دیا، کندھے اتر گے میرے تو۔'' نومی کی اپنی ہی دہائیاں تھیں، شانزے نے سر پکڑ لیا۔

''ٹائم سے کلاس میں آ جانا، ورنہ میرا پتہ تو ہے نا۔'' شانزے نے بھی لگے ہاتھوں اس کے کلاس میں دیر سے آنے پہ آڑے ہاتھوں لیا تھا، وہ فوراً کان بھی کر بولا۔

''آپ کے گھر کا ایڈریس تو پتا ہے استانی جی۔''

''نومی۔'' شانزے اور اسامہ کی ایک ساتھ تنبیہ پر وہ کھسیانا رہ گیا تھا اور اسامہ خواہ مخواہ شرمندہ ہو گیا۔

''اس کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟'' خجالت مٹانے کو اسامہ نے جلدی سے بات بدل ڈالی تھی، نومی ایک مرتبہ پھر انٹری مارتا بولا۔

''پڑھائی میری تو مجھ سے پوچھیں کیسی جا رہی ہے؟''

''تمہیں تو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں، رزلٹ اچھا نہ آیا تو کسی فیکٹری میں مزدوری کے لئے بھیج دوں گا۔'' اسامہ کی دھمکی پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا تھا۔

''اب میری استانی کے سامنے انسلٹ تو نہ کرو۔'' وہ ٹھنک کر بولا تھا۔

''پہلے بہت عزت ہے تمہاری۔'' شانزے نے اسے گھور کر کہا۔

''ویسے بھی اس کی اسٹڈی کے حوالے سے مجھے تم سے بات کرنا ہی تھی۔'' شانزے کا رخ اسامہ کی طرف ہوا تو نومی نے کھسک جانے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

پھر شانزے بھی نومی کی جی بھر کے شکایتیں کرنے کے بعد جاگنگ کے لئے نکل گئی تھی، اسامہ بھی نومی کی مزید کلاس لینے اندر آ گیا تھا۔

عینی اسے دیکھ کر بے ساختہ خوش ہو گئی تھی، ایسے کہ جیسے میکے سے بہت دنوں بعد بھائی آیا ہو، نومی نے ترنت کہا۔

''عینی اداس ہے، اسے گھر لے جاؤ بھائی۔'' اور عینی ملتے ہوئے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

''اداس ہوں مگر اتنی بھی نہیں، بہتر ہے اس کو لے جائیں یہاں سے۔'' وہ کسل کر بولی تھی۔

''میں کیوں جاؤں؟ میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔'' نومی نے ناک بھوں چڑھائی۔

''جتنا تم پڑھتے ہو، سب جانتی ہوں میں، ابھی شانزے آپی آئیں تو تمہارے سارے کچے چٹھے کھول دیں۔'' وہ چلا کر تڑخی تھی۔

''جاؤ اپنا کام کرو، میں تو اپنے کالج کا بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہوں، تمہاری طرح بوٹی چور نہیں۔''

''بوٹی چور کسے کہا؟ جرابوں میں بوٹی کون رکھتا تھا؟'' عینی کو پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

''ظاہر ہے تم ہی رکھتی تھی۔'' نومی نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

''چل ہٹ کمینہ نالائق۔'' وہ تیروں سے لیس ہوئی تو اسامہ نے بمشکل ہی سیز فائر کروایا تھا، پھر اسی وقت اس کا موبائل بجا تو لڑائی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، نشرہ کی کال تھی، عینی کے اچانک ہی من میں کیا سمائی تھی، اس نے اسامہ سے ہاتھ بڑھا کر موبائل پکڑ لیا تھا۔

''اسامہ بھائی میری بھی نشرہ سے بات کروا دو۔'' اور اسامہ نے اپنا موبائل عینی کو تھما کر امام کے کمرے کی طرف رخ کیا تھا، اسے مڑ کر دیکھنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا، عینی نے نہ صرف نشرہ بلکہ ہیام کا موبائل نمبر بھی نوٹ کر لیا تھا۔

☆☆☆

''اچھی بات کوئی بھی کہے تو اسے پلو سے باندھ لو، کیونکہ جب کسی موتی کی قیمت معلوم کی جاتی ہے، تو کوئی نہیں دیکھتا اسے سمندر کی تہہ سے نکالنے والا کون ہے؟'' نشرہ کی گہری بات نے پژمردہ سی عشیہ کو چونکا دیا تھا۔

ٹھیک تھا، چھوٹی سی لڑکی تھی مگر باتیں کبھی کبھی گہرائی کی کرتی تھی، لگتا تھا، زندگی کے بہت سے تجربات کی بھٹی سے تپ کر نکلی ہے، عشیہ ہمیشہ متاثر سی ہو جاتی۔

''ایک بات تو بتاؤ عشبہ باجی!'' کچھ دیر بعد اس نے پالک کے پتے چنتے ہوئے سوال کیا تھا، اپنے دھیان میں کھوئی ہوئی عشبہ چونک گئی تھی۔

''ہاں، بولو۔''

''یہ عروفہ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ گھر والوں سے اس قدر کٹی کیوں رہتی ہے؟'' اپنے اندر کھلبلی مچاتے اس سوال کو آخر اس نے زبان دے ہی دی تھی، عروفہ اس گھر میں ایک معمے کی طرح تھی، نشرہ کو ہر دفعہ ہی وہ پہلے سے عجیب لگتی تھی۔

''یہ شروع سے آدم بیزار ہے۔'' عشبہ نے بیزاری سے کہا۔

''نہیں یوں نہیں ہوتا، کوئی تو وجہ ہوگی نا۔'' اس نے اصرار کیا۔

''یار! اس کا مزاج ہی ایسا ہے، اس کے اندر بغض اور حسد کا مادہ ہے، یہ اپنے ہی بہن بھائی کی اہمیت سے جلتی ہے، دراصل بچپن میں مورے اسے زیادہ وقت نہیں دے سکیں، اس کے پیدا ہوتے ہی مورے کی زندگی میں فسادات بڑھ گئے تھے، چوتھی لڑکی کی آمد کوئی نیک شگون نہیں تھی، ہم نے بہت نفرت اور ذلت سہی ہے، یہ ایک الگ ہی کہانی ہے، ہیام کی پیدائش سے پہلے ہی مورے کو طلاق ہوگئی تھی، پھر بعد میں حالات اور بھی بگڑ گئے، مورے کا میری ددھیال سے تعلق ختم ہوگیا، مگر پھر بہت سال بعد مورے کے چھوٹے بھائی نے بٹو خان خاندان کی لڑکی سے محبت کرلی، اس کے بعد ہمارا ننھیال سے بھی تعلق ختم ہوگیا، مورے کو شدید غصہ اور دکھ تھا، جس خاندان نے ان کے ماتھے پہ طلاق کا داغ لگایا، اس خاندان کی لڑکی کے لئے ہمارے نانا رشتے کی بات کرنے چل دیئے، دراصل وقت اور حالات ہی کچھ ایسے تھے، نانا کو ماما نے، ہاں فرخزاد ماما نے اتنا مجبور کرڈالا تھا، مورے ناراض ہوکر ہمیشہ کے لئے گلگت سے یہاں آگئیں، ہم سالوں مڑ کے پیچھے نہیں گے، بیال اور گلگت ماضی کا ایک حصہ بن گیا، مورے کو آج بھی بیال اور گلگت سے نفرت ہے۔'' وہ جانے کس جھونک میں لگا تار بولتی چلی جارہی تھی اور نشرہ گم صم سی سنتی رہی، کیا اس سے زیادہ بھی بے بس، مظلوم اور دکھی لوگ اس دنیا میں موجود تھے؟ اسے مورے پہ بے پناہ ترس آیا۔

اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی مورے نے کس قدر محرومیوں سے بھری زندگی گزاری تھی۔

''اچھا تو پھر تمہارے ماما کی بہت سال بعد اس لڑکی سے شادی ہوگئی؟'' نشرہ نے دلچسپی بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ارے...... کہاں۔'' عشبہ نے دکھ بھرا ہنکارا ابھرا۔

''تو پھر کیا ہوا؟'' وہ بے صبری سے بولی، ایکا ایکی اس داستان میں اسے دلچسپی محسوس ہوئی تھی۔

''پھر فرخزاد ماما اور ودھا کا قتل ہوگیا۔'' عشبہ نے اتنے دھیمے لہجے میں بتایا تھا جیسے کسی اور کو نہیں خود کو ہی سنا رہی تھی، اس کی آواز گھڑی کی ٹک ٹک سے بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔

''کیا؟'' نشرہ کا چڑیا جیسا دل کانپ گیا تھا۔

''ہاں اور اس کے بعد تباہی کا لامحدود سلسلہ چل نکلا، سب کچھ برباد ہوگیا، پھر کچھ بچا ہی نا، زندگی ایک بدبودار جوہڑ بن گئی، گلگت کی حویلی کی بالکونیوں پہ ویرانیاں اتر آئیں، پولو کا میدان

خالی ہو گیا، ہر طرف ہچکیاں تھیں، سسکیاں تھیں، آہیں تھیں، گلگت کا سنہری گھوڑے کا سوار منوں مٹی تلے جا سویا تھا، فرخزادا دنیا سے چلا گیا، سب کچھ ختم ہو گیا۔" عشیہ کی خوبصورت آنکھوں میں نمی اوس کی طرح پگھلنے لگی تھی۔

"تو اب گلگت کی حویلی سنسان ہے؟" نشرہ نے کافی اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا تھا، اسے قدیم وسیع وعریض حویلیاں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔

"شاید کوئی پرانا نوکر موجود ہو، مورے تو حویلی کی بات بھی نہیں کرتیں، پرانے زخم ادھڑ جاتے ہیں۔" عشیہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"مگر مورے کو ایک دفعہ تو ضرور جانا چاہیے، کیونکہ وہ حویلی ان کے والدین کا اثاثہ ہے، ان کے در و دیوار مورے کو پکارتے ہوں گے۔" نشرہ نے ایک امید دلاتی بات کی تو عشیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم بھولے سے بھی مورے کے سامنے یہ ذکر نہیں چھیڑنا۔"

"مگر......"

"میں نے کہا نا، وہ نام تک نہیں سنیں گی، ان دکھ بھری یادوں سے اپنی تلخی کے پیچھے انہوں نے بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔"

"مگر ایک بات آپ سے تو پوچھ سکتی ہوں نا باجی۔" نشرہ نے پالک کی پرات ایک طرف رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، میری ماں، پوچھ لے جو پوچھنا ہے، مگر ایک بات کہے دیتی ہوں، ہیام ہی نہیں تم بہت باتونی ہو، اللہ نے اچھی جوڑی ملائی۔" اس کے ہاتھ جوڑنے پر نشرہ نے مسکراہٹ چھپا لی تھی، حالانکہ ہیام کے نام پر اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ بکھرے تھے۔

"کیا آپ کے بڑے ماموں کے بچے وغیرہ نہیں؟"

کچھ دیر بعد جب اس نے دوبارہ اپنا اصل سوال دہرایا تو عشیہ سچ مچ ہونق ہو گئی تھی۔

"ہاں...... بچے تو ہیں۔"

"تو پھر وہ لوگ تو ضرور ہوں گے حویلی میں، آپ مورے کو ان سے ملواتی کیوں نہیں؟ آپ کو نہیں لگتا، مورے کے دل پہ لگا زنگ ان سے ملاقات کے بعد اتر سکتا ہے، مورے کا سارا پھیکا رنگ اتر جائے گا، یہ غصہ، یہ تلخی، یہ بیزاریت، آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا؟" نشرہ کے چہرے پہ پھیلے دبے دبے جوش نے عشیہ کی آنکھیں کھول دی تھیں، کیا پہاڑی لوگوں کے پاس اس چھوٹی لڑکی جتنی عقل نہیں تھی؟ یا پھر پہاڑی لوگ اپنے غصے عناد اور انا کے قلعوں میں اس حد تک مقید تھے کہ ان کی عقل اس قلعے سے نکلنے کو تیار ہی نہ تھی؟ مورے کی تلخی، غصہ، نفرت، بیزاریت کا اختتام کیا اس صورت میں ہو سکتا تھا؟ عشیہ کا دبا دبا جوش اب ابلنے لگا تھا۔

"کیا میں ہیام سے بات کروں؟" نشرہ اس کے چہرے پہ لکھے سارے تاثرات سمجھ گئی تھی۔

"اگر ایسا ہو جائے تو برا نہیں ہوگا۔" عشیہ نے دبی دبی رضامندی دے دی تھی اور وہیں اوک میں کھڑی عروفہ بھی جلتی بھنتی باہر نکل آئی، اس نے بدقسمتی سے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں اور

اب سارے ہتھیاروں سے لیس پل پڑی۔

''جن لوگوں نے ہم پہ تھوکا نہیں، ان سے روابط بحال کریں، تمہارا دماغ خراب ہے، اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے تمہیں ورغلا لیا، یہ کون ہوتی ہے ہمارے معاملات میں بولنے والی؟'' عروفہ کے سیخ پا ہوتے ہی عشیہ بھی الرٹ ہوگئی تھی اوراس کے بھی ماتھے پہ بل آپڑے تھے۔

''تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

''تاکہ تم دونوں آزادی سے اپنی من مانیاں کرتی رہو، پہلے تم کیا کم تھی، اب یہ فسادن بھی آ گئی۔'' عروفہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''تم زیادہ زبان مت ہلاؤ، جاؤ اندر۔'' عشیہ نے اسے ڈانٹا۔

''ہونہہ، بتاتی ہوں مورے کو، تمہاری سازشوں کا، ان کتوں سے روابط رکھنا ہے جو ہم پر ہی بھونکے اور ہمیں ہی کاٹا، پہلے شاہوار اور اب شیر ماما کا گمشدہ ڈرپوک اور بزدل خاندان، جو موت اور دشمنی کے خوف سے شہر میں ہی روپوش ہوگیا، ایسے لعنتی رشتہ داروں کا نام بھی لیا تو پیٹرول چھڑک لوں گی خود پر۔'' وہ نفرت بھرے لہجے میں زہر اگلتی رہی تھی۔

چونکہ نشرہ کو عروفہ کے چیخنے چلانے کی عادت ہوچکی تھی، اس لئے وہ زیادہ ڈری سہمی نہیں تھی بلکہ اعتماد سے اسے دیکھتی رہی، اس کے تاثرات نوٹ کرتی رہی، مورے اور عروفہ کا ایک دم پاپئر ہو جانا؟ یہ ہیجان، یہ غصہ؟ کبھی کبھی سمجھ سے بالاتر ہو جاتا تھا، دونوں ہی احساس محرومی کا شکار لگتی تھیں، ان کے علاوہ عمکیہ، عینہ بھی تو تھیں، ان کی شخصیات میں اتنا جھول نہیں تھا، بس عروفہ ہی ان سے مختلف تھی اور بہت حد تک عجیب بھی۔

''اس لڑکی کو نکالو یہاں سے، کچھ اور دن رہی تو مالکن بن بیٹھے گی، ہوتی کون ہے یہ ہم پر رعب جما کر مشورے دینے والی، جانے کس قماش کی لڑکی کو اٹھا لایا۔'' وہ مسلسل گوہر افشانی کر رہی تھی، عشیہ کے کان پھٹنے لگے تھے۔

''اب دفع ہو جاؤ عروفہ! سن لی ہم نے تمہاری بکواس۔''

''دفع میں نہیں، یہ لڑکی ہوگی۔'' اس نے دھمکانے والے انداز میں کہا۔

''اچھا، اپنا زور لگا کر دیکھ لو، اس لڑکی کو نکال کر دکھاؤ مجھے۔'' عشیہ نے کنپٹی دباتے ہوئے جیسے اسے چیلنج کیا تھا۔

''ہونہہ! تو پھر نکال کر دکھاؤں گی، کیا سمجھتی ہو تم، میں یہ نہیں کر سکتی، اپنا بھائی کیا ہاتھوں سے نکالنا ہے؟ وہ اس کے آگے پیچھے گھومتا نہیں تھکتا جانے اس ڈائن نے اس پہ کون سا جادو کیا ہے۔'' عروفہ کی مارے غصے کے منہ سے جھاگ بہنے لگی تھی۔

''جاؤ جو کرنا ہے کرو، ابھی ہمارا بھیجا نہ اڑاؤ۔'' عشیہ نے اس کی بے پرکیوں کا نوٹس نہ لیتے ہوئے نشرہ کو اٹھ جانے کا اشارہ کیا تھا، اس وقت عشیہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عروفہ اگلے دو دنوں میں آخر کرنے کیا والی ہے؟

☆☆☆

''تو کیا فرخزاد نے رشتہ بھجوا دیا تھا؟ آگے کیا ہوا؟ شیر لالہ اور لالئی کا غصہ؟'' نیل بر کے اندر

بہت سے سوالات تھے، مگر جہاندار کو ایک ضروری کام سے چارسدہ جانا پڑ گیا تھا، وہاں اس کے تین دن لگ گئے، واپس آیا تو ان کے پاس ایک اور ہی بحث تیار تھی، نیل بر کو اتنے دن بعد احساس ہوا تھا، وہ ایک بھوت حویلی میں رہ رہی ہے، جس کے اندر ضروریات زندگی کا سامان نہ ہونے کے برابر ہے، جب جہاندار واپس آیا تو نیل بر کے ذہن میں یہی مسائل چل رہے تھے، اس نے جہاندار کو بالآخر احساس دلا ہی دیا تھا۔

''یہاں چند برتنوں، ایک پلنگ، ٹوٹی تصویروں اور گھانس پھونس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، موسم بدل رہا ہے، نہ فریج ہے نہ ائیر کنڈیشنڈ، چلو اے سی کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے، مگر فریج کے بغیر؟ اگر کوئی مہمان آجائے تو ٹب کے اندر ڈرنک ڈال کر پیش کرنی ہے؟ اس دن ڈاکٹر کو جائے جس مگ میں پلائی تھی اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو بھی ہماری غربت پہ ترس آگیا ہوگا کچھ اور نہیں تم تھوڑی سی کراکری، ایک ڈائننگ ٹیبل اور صوفہ سیٹ ہی لے آؤ۔'' اس کی لمبی تقریر سن کر جہاندار کی آدھی بند ہوتی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں، وہ جو سفر کی تھکاوٹ سونے کے بعد پوری کرنا چاہتا تھا، لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک گیا، نیل بر کا انداز بہت ہی استحقاق بھرا دھونس جمانے والا تھا، مگر زیادہ اچھا یہ تھا کہ جہاندار کو برا ہی نہیں لگا۔

''تھوڑی سی کراکری، ایک ڈائننگ ٹیبل اور صوفہ سیٹ کے بعد تم کہو گی، سارے نہیں تو آدھے روم سیٹ کروا دو، اوپر نیچے ہال بھی خالی ہیں، رات کو بھوت ناچتے دکھائی دیتے ہیں، فریج آیا تو پلازمہ ٹی وی بھی ہونا چاہیے، مہمان آنا شروع ہوئے تو ڈرائنگ روم بھی سجانا پڑے گا، مطلب ایک لمبا چوڑا خرچہ!''

''بی بی! ہم نے یہاں نہیں رہنا، تھوڑا سا کام ہے، ختم کر لوں پھر سوچوں گا کرنا کیا ہے؟'' اس نے لمبی تقریر کے بعد آخر میں گول مول سا جواب دیا تو نیل بر چونک اٹھی تھی۔

''ہم نے کیوں نہیں رہنا یہاں؟ اس دن بابا، ہاں فردوسی بابا سے کیا بول رہے تھے؟ مجھے اپنی زمینیں اور حویلی کو آباد کرنا ہے پھر ہم کہاں جائیں گے تالا لگا کر؟'' نیل بر نے آنکھیں نچا کر پوچھا تو جہاندار کی آنکھیں کھل گئیں۔

''تم مقامی زبان سمجھتی ہو؟'' اس کا اچنبھا معمولی نہیں تھا، نیل بر کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی تھی۔

''اتنے عرصے سے یہاں ہوں، بول نہیں سکتی مگر سمجھ ضرور سکتی ہوں۔'' اس نے غرور سے بتایا تھا؛ جہاندار متاثر ہو گیا۔

''اومائڑا! اب تو احتیاط کرنی پڑے گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

''اور اب اِدھر اُدھر کی بات کر کے مجھے موضوع سے مت ہٹاؤ۔'' نیل بر فوراً کام کی بات کی طرف آ گئی تھی۔

''ہم لوگ اس حویلی کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے اپنا سوال پھر سے دہرایا تھا۔

''ہم لوگ نہیں، مطلب صرف تم، میں یہیں رہوں گا۔'' جہاندار کسی گہری سوچ میں تھا، اسی لئے شاید اپنا پروگرام بتا دیا تھا اور اب نیل بر کے سوالوں پہ خود کو کوس رہا تھا۔

''تو میں کہاں جاؤں گی؟'' وہ غصے میں چیخ گئی۔

''تم شہر۔'' وہی مختصر انداز کلام، نیل بر کو غصہ آ گیا۔

''میں وہاں اکیلی رہوں گی۔''

''نہیں تو، میں بھی آتا جاتا رہوں گا۔'' جہاندار نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''ہرگز نہیں، میں اس حویلی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' نجانے نیل بر کو کیا ہوا تھا کہ ڈٹ گئی تھی، حالانکہ اس بھوت حویلی سے اسے کوئی لگاؤ نہیں تھا، مگر اچانک اس کے منہ سے چند عجیب الفاظ نکلے تھے۔

''یہ حویلی کسی کی محبت کے پیچھے اجڑ گئی تھی جہاندار! میں اس اجڑی حویلی کو اسی محبت کے ساتھ آباد کروں گی، مجھے یہاں سے اب کہیں نہیں جانا۔'' نیل بر کے مضبوط لب و لہجے اور انداز نے جہاندار کو لمحہ بھر کے لئے بھونچکا کر دیا تھا، نیل بر اور ایسی استقامت ایسا استحکام، وہ چند پل کے لئے کچھ بول ہی نہ سکا۔

''مگر تم یہاں محفوظ نہیں ہو۔''

''لیکن تم بھی تو یہاں ہو، اگر تم خطروں میں رہو گے تو میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔''

''جب امن میں ایک ساتھ رہنا ہے تو پھر جنگ میں کیوں نہیں۔'' وہ نرمی سے بولتی ہوئی اس کے قریب آ گئی تھی اور جہاندار جیسے چاندی کا مجسمہ بن گیا تھا، اس کے پاس سے سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

اس کے دشمنوں کی لڑکی اسے امن اور محبت کے بعد جنگ میں بھی ساتھ نباہنے کا عہد دے رہی تھی، جہاندار کا دل، ہاں جہاندار کا سخت دل اس سنہری پل میں نرم موم کی طرح پگھل گیا تھا، اس کے سخت تاثرات والے چہرے پہ نرم مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور اس نے نیل بر کو خود سے قریب کرتے ہوئے بہت ملائمت سے کہہ دیا تھا۔

''کل سے حویلی کا ہر بیڈ روم تمہاری پسند سے فرنشڈ ہو گا، ہاں ظالموں نے اس گھر کی ایک ایک چیز کو جلا کر تباہ کر دیا تھا، اب ہاں اب وہ وقت آ چکا ہے جب شیر شاہ اور فرخزاد شاہ کی برباد ہوئی حویلی کو آباد کیا جائے، تم میرے ساتھ شہر چلنا، ہم اس حویلی کو آباد کرنے کا سامان خرید کر لائیں گے۔'' وہ اسے مژدہ جاں فزا سنا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ نیل بر مارے خوشی کے بالکل منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اور اگلے بہت سارے دن بہت مصروفیت کی نظر ہو چکے تھے، جہاندار اور نیل بر کے بہت سارے چکر لگے، شہر اور گلگت کے بیچ وہ گھن چکر بن گئے تھے۔

اتنا تو لڑکی کے جہیز کی تیاری میں خوار نہیں ہونا پڑتا تھا، جتنا وہ حویلی سجانے میں خوار ہو چکے تھے، اس کام سے فارغ ہوئے تو جہاندار نجانے کن باہر کے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا اور پھر بہت ہفتوں بعد اسے سکون ملا تو ایک مرتبہ پھر نیل بر کو وہ دھا اور فرخزاد کی کہانی کا خیال آ گیا، اسی شب جہاندار کا موڈ بھی بڑا اداس تھا، وہ حویلی کے عشرے پہ بیٹھے تھے اور پونم ماہ کی اس رات کوئی

دور درد کا مارا بانسری پہ ہجر کا سنگیت گا رہا تھا، اس شب نیل بر نے اپنا چاندی میں ڈھلا سفید ہاتھ جہاندار کے کندھے پہ رکھا اور دھیمی آواز میں بولی تھی۔

''پھر شیر لالا نے کیا جواب دیا؟''

جہاندار نے گہرا سانس بھرا اور پونم ماہ کی رات میں کہیں دور جاتی جگنوؤں کی روشنی میں کھوتا آہستہ آواز میں بولنے لگا۔

''فرخزاد کا سوال بڑا سخت تھا، لالہ کو جواب ہی نہ بن پڑا، جب مہ رخ بھابھی غیر خاندان سے آ سکتی تھیں، جب مہ رخ بھابھی کی بہن ایک بیٹی کے باپ گلفام خان سے شادی کر سکتی تھی تو پھر شاہوں کا لڑکا خانوں کی بیٹی کیوں نہیں بیاہ سکتا تھا؟ مگر مسئلہ یہ نہیں تھا، وہ لڑکی خانوں کی تھی، مسئلہ تو دشمنی کا تھا اور دشمنوں کی لڑکی کے لئے کسی کے دل میں اتنی جگہ نہیں تھی۔''

''پھر کیا ہوا؟'' نیل بر نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

''پھر یہ ہوا کہ اماں اور شیر لالا نے ایکا کر لیا مگر بابا کا فیصلہ ان سے الگ ہو گیا، انہوں نے ساری نفرت، کدورت، غصہ اور انا کو بھلا کر بہت چپکے سے بڑو محل رشتے کا پیام بھجوا دیا۔'' جہاندار کی دھیمی پرسوز آواز میں کرب محسوس کیا جا سکتا تھا۔

نیل بر کے اندر جوش سا آ گیا، مگر یہ جوش گھڑی بھر کا تھا۔

''رشتہ تو چلا گیا مگر میرے بابا نے انکار کر دیا ہوگا۔'' وہ مایوسی سے بولی تھی۔

''صرف انکار؟'' جہاندار نے دکھ سے کہا۔

''صرف انکار نہیں ہوا تھا بلکہ سردار بڑو نے اس پرپوزل کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور آگے بگولہ ہو گیا اور اس نے ہمارے اناج کے گوداموں میں آگ لگوا دی، ہماری فصل پہ ندی کے پانی کا بندھ توڑ کر تباہی مچوا دی، پھر اسی پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ شیر لالا کو لڑائی کا پیغام بھجوا دیا، وہ کسی بھی قسم کی رشتہ داری نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ پرانی دشمنی کو آگے بڑھاتا ہوا لڑائی کرنا چاہتا تھا، فرخزاد اور شیر لالہ اس کی نگاہ کے وہ کانٹے تھے جسے اس نے نوچ کر نکالا تھا مگر اس کی آنکھیں پھوٹنے سے محفوظ رہیں، اب وقت بدل گیا ہے نیل بر، اب اس کی آنکھیں بھی پھوٹیں گی اور جگر بھی پھٹے گا، ہم نے بہت کچھ لٹا دیا ہے، اب سردار کی باری ہے، وہ شیر لالہ اور فرخزاد کو مٹا کر سمجھ بیٹھا تھا، میرے باپ کی نسل کا اختتام ہو گیا ہے، اسے خبر نہیں تھا، میں اس کے حلق پہ پنجہ گاڑے بیٹھا ہوں، کسی بھی وقت میں اس کے حلق کو دبوچ کر اس کی ابلی آنکھیں بھنبھوڑ ڈالوں گا، جن ہاتھوں نے فرخی کو بے دردی سے قتل کیا ان ہاتھوں کو کاٹ کر کتوں کے آگے ڈال دوں گا، میں ایک ایک سے بدلہ لوں گا، ایک دن یوم حساب آئے گا، مجرم گردن جھکائے کٹہرے میں ہوں گے، وہ اللہ کے انصاف کا دن ہوگا۔'' اس کی خون رنگ آنکھوں سے ایک قطرہ بے دردی سے پھسل کر تاریکی میں گر کر بے مول ہو گیا تھا۔

''انشاء اللہ۔'' نیل بر نے دھیمی بھرائی آواز میں سر جھکا کر کہا تھا، اس کا دل دکھ اور خوف سے دھڑکنے لگا، اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری نمی بھرنے لگی تھی۔

''میرے بابا کتنے ظالم انسان ہیں، انہیں آج بھی احساس نہیں، اگر آج بھی احساس کر لیں اگر تلافی کر لیں تو۔'' وہ کانپتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''تلافی کا وقت گزر چکا ہے نیلِ بر ان کی تلافی سے مجھے کوئی سروکار نہیں، ان کی تلافی سے میرے شیروں جیسے بھائی واپس نہیں آئیں گے، میری اجڑی بہن کا گھر آباد نہ ہوگا، زمانے کی بھیڑ میں گم ہوئے میرے بھتیجے مجھے مل نہ سکیں گے، تمہارے باپ کے ظلم اور جرائم کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ کسی بھی قسم کی تلافی اور معافی کی گنجائش نہیں نکل سکتی اور اس کے بعد صرف انتقام اور بدلہ ہی بچتا ہے اور میرے جلتے قلب اور بے قرار روح کو سکون اسی دن آئے گا جب بٹو خان کا سر قلم ہو کر میرے قدموں میں رکھا جائے گا اور میں اسے ٹھوکروں سے اڑاؤں گا۔'' جہاندار کے دھیمے لہجے میں بپھرے شیر کی دھاڑ تھی۔

نیل بر نے گہرا سانس بھرا اور اپنا ہاتھ اس کی پشت پہ پھیرتی رہی، جیسے غائب دماغی سے اسے پرسکون کرنا چاہ رہی تھی، یا جیسے اس کے ساتھ اس کے برابر خود کو کھڑا ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔

''کہ جہاندار فریدے شاہ! تم غلط ہو یا صحیح ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے برابر ہوں، تمہارے قریب ہوں، بے شک ظالم اپنے کیے کا عذاب بھگتیں گے، خواہ وہ سردار کبیر بٹو ہو یا سردار صندیر خان بٹو، سب اپنے کیے کا بار اپنے سروں پر اٹھائیں گے چاہے ان کی اس بار سے گردنیں جھکیں یا ٹوٹیں۔''

☆☆☆

''پلیز امام! مجھے معاف کر دو۔'' اس نے سترھویں دفع ہمان کی طرف سے ملے میسج کو پڑھا اور پھر ڈیلیٹ کر دیا، وہ پچھلے اکیالیس دن سے مسلسل فون اور کالز کر رہا تھا، کیا اس کی معافی تلافی امام کے دل سے بے رخی اور دکھ کو مٹا سکتی تھی؟ کیا ہمان اپنا کھویا ہوا اعتماد واپس لا سکتا تھا؟ کیا سب بچھڑے رشتے اور چیزیں اپنی جگہ پر آ سکتی تھیں؟ نہیں نا؟ تو پھر امام نے بھی بے رخی سے اس کی کال کاٹ کر میسج ڈیلیٹ کر دیا تھا، پہلے غلطی کرو اور پھر معصوم بن جاؤ یہ کیا اصول تھا؟ جب اسے کسی کا احساس نہیں تھا تو امام اس کا احساس کیوں کرتا؟ اور اب تو وہ ہمان کا نام بھی سننے کا روادار نہیں تھا مگر بھلا وہ خالہ کا، دل میں نجانے کیا سمائی تھی، رنگ برنگی لڑکیوں کی تصویروں کا لفافہ اٹھا کر بہت پر جوش سی اس کے پاس آ گئیں۔

''آپا نے لاہور سے بھیجا ہے لفافہ، تمہیں دکھانے آئی ہوں، مجھے تو تینوں ہی پسند آ گئیں۔'' انہوں نے بڑے جوش کے عالم میں امام کو ایک لڑکی کی فوٹو دکھائی تھی۔

''دیکھو تو، ایک تمہارے لئے اور ایک ہمان کے لئے اور یہ تیسری۔'' وہ ایک دم مسکرانے لگی تھیں۔

''وہ بدتمیز شریر نومی کہتا، خالہ یہ تیسری میرے لئے بک کروا دیں۔'' خالہ کو بے ساختہ ہنستا دیکھ کر امام کا عود آتا غصہ اور بیزاریت آہستہ آہستہ مفقود ہو گئی تھی، ورنہ ہمان کے نام پہ اس کے جسم کا لہو ابلنے لگا تھا۔

''سالا کمینہ خود غرض۔'' اور اب اس نے خود کو کنٹرول کر لیا تھا، غصہ اور ناگواری دبالی تھی، بہر حال وہ خالہ پہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور ان کی ہنسی دیکھ کر تو اس کا دل چاہ رہا تھا، ہمان کی

گردن ہی دبا آئے۔
وہ اس کی دلہن تلاش کرتے ہوئے مسکرا رہی تھیں اور اس بے غیرت نے انہیں دلہن تلاش کرنے کا اکلوتا حق بھی چھین لیا تھا۔
''امام دیکھو تو۔''
''دیکھ لی ہیں خالہ!'' وہ بیزاری چھپا کر بولا تھا۔
''پھر کیسی لگیں۔'' خالہ نے اشتیاق سے پوچھا تھا، ان کے چہرے پہ ایک الوہی خوشی نظر آ سکتی تھی، امام کا دل بجھ سا گیا، وہ ان کی خوشی ملیا میٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔
''اچھی ہیں۔''
''صرف اچھی؟'' انہوں نے آنکھیں دکھ کر کہا تھا۔
''بہت اچھی ہیں، بلکہ جو نومی کے لئے آپ نے پسند کی ہے، وہ زیادہ اچھی ہے۔'' امام کو نہ چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لینی پڑی تھی۔
''تو کیا؟ یہ لڑکی......'' انہوں نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔
''تمہارے لئے بات چلوا دوں؟'' انہوں نے فوراً ہی خود غرض ہو کر سوچا تھا۔
''ارے نہیں خالہ! میرا مطلب یہ نہیں۔'' امام گڑبڑا گیا تھا۔
''تو پھر؟'' وہ ہونق ہوئیں۔
''میں یہ کہہ رہا ہوں، آپ نومی کے لئے ہی بات چلا دیں، ہمان تو ابھی آنے والا نہیں اور میں بستر پہ ہوں، پیچھے نومی بچا ہے، وہ آپ کی خوشی کے لئے قربان ہونے کو تیار ہو جائے گا۔'' وہ نومی کو گردن اندر کیے دروازے میں دیکھ چکا تھا، اس لئے مسکراتے ہوئے پلوشہ کو مشورہ دینے لگا، نومی اسی اثناء میں جھپاک سے اندر آ چکا تھا۔
''ایگزیکٹلی! میں بھی یہی خالہ کو کہہ رہا تھا، مگر یہ میری بات نہیں مانیں۔'' وہ کھلکھلاتا ہوا لفافہ اچک کر پھر سے بیٹھ گیا تھا۔
''آپ دونوں دستیاب نہیں، میں تو ہوں، خالہ کے لئے قربان ہو جاؤں گا، ایک دفعہ نہیں ایک ہزار دفعہ، خالہ حکم تو کریں۔'' نومی کی لن ترانیاں اس وقت امام کو بہت ہی مبارک لگ رہی تھیں، نومی نے خالہ کو اپنی بے سروپا باتوں میں اس حد تک الجھایا تھا کہ ان کا تصویروں سے دھیان ہی ہٹ گیا تھا، امام نے شکر ادا کرتے ہوئے نومی کی باتوں میں دلچسپی لینے میں ہی عافیت جانی تھی، اس وقت نومی رحمت کے فرشتے سے کچھ کم بھی نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

فون کی مخصوص ٹون نے عشیہ کو چونکا دیا تھا۔
اس نے ایک بھوں اچکا کر موبائل کو دیکھا اور ناک چڑھا کر کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی اور پھر وہ ہی ہوا تھا جس کا اسے خدشہ تھا، لگا تار لمبی لمبی کالز، موبائل کی ناگوار ٹوں ٹوں، اوپر سے مورے کا غصہ۔
''اس شیطانی پرزے کو چپ کیوں نہیں کرواتی، مارا نیند خراب کر ڈالی۔'' عشیہ کو مارے

کوفت سے کال ریسیو کرنی ہی پڑی تھی اور پھر اس کا غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔

''اب میں بالکل تندرست ہوں، اب کس کی خیریت پوچھنے کو فون کیا۔''

''مورے اور نشرہ کی خیریت مطلوب تھی، تم کس خوش گمانی میں ہو، خانزادی؟'' دوسری طرف بھی شاہوار خان تھا اس کے غصے کو خاطر میں ہی نہیں لایا، عشیہ کا پارہ کچھ اور چڑھ گیا تھا۔

''تم نے سمجھ کیا رکھا ہے خود کو، گری پڑی ہوں کیا؟ تمہارے ساتھ فون پر محبت کی کہانیاں بناؤں گی۔''

''اس بات کا پس منظر جاننے سے قاصر ہوں، امید ہے وضاحت کر دیں گی آپ۔'' وہ شاید دوسری طرف اس بم بلاسٹنگ پہ ہونق ہو گیا تھا۔

''اتنے بھولے سیدھے نہیں ہو تم، جو تمہیں ایک ایک بات سمجھانی پڑے۔'' عشیہ نے تنک کر جتایا تھا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا عشیہ، بائی گاڈ۔'' شاہوار روانسا ہو گیا۔

''تم کیوں سمجھو گے، سمجھنا تو مجھے چاہیے تھا، میں تمہاری حوصلہ افزائی ہی نہ کرتی، نہ مجھے باتیں سننا پڑتیں۔'' وہ ایکدم لب کاٹتی خاموش ہوئی تھی اور شاہوار کو بھی بات کی گہرائی میں اترتے دیر نہیں لگی تھی۔

''او...... عروفہ۔'' وہ جیسے سمجھ گیا تھا۔

''بڑی ہی بد دماغ سی بہن ہے تمہاری۔'' شاہوار زیر لب بڑبڑایا تھا۔

''اور ہاں، منہ اٹھا کر میرے گھر مت آنا نہ کال کرنا، سمجھے تم، میں کسی کی انگلی اپنی طرف اٹھتی برداشت نہیں کر سکتی، چاہے میری سگی بہن ہی کیوں نہ ہو۔'' عشیہ کا لہجہ اب بھی بلا کا تلخ تھا۔

''تو پھر تم کیا چاہتی ہو، تمہاری طرف اٹھتی انگلی کو کاٹ ڈالوں؟'' شاہوار لمحوں میں اس کی بات کی گہرائی کو ناپتا ریلیکس ہو گیا تھا۔

''یہ بھی نہیں کہا۔'' عشیہ جھنجھلائی تھی۔

''تو پھر؟'' وہ بھی اسے ستانے کے موڈ میں آ گیا تھا۔

''تمہارا سر جو میرے ہاتھوں سلامت نہ رہے گا۔'' عشیہ چلائی تھی۔

''تم بہت جنگلی ہوتی جا رہی ہو۔'' اس نے ڈرنے کی اداکاری کی تھی۔

''تم نے ابھی میرا جنگلی پن دیکھا ہی نہیں، شاہوار خان میرا دماغ مت کھاؤ۔'' عشیہ کا بھیجا الٹ گیا تھا، شاہوار ہنسنے لگا۔

''میں تمہارا منہ......'' عشیہ کا بیچ میں دماغ پھر گیا، اب وہ پرانی عشیہ تھی، جھگڑالو، بدتمیز اور کسی سے نہ ڈرنے والی۔

کچھ شاہوار پہ غصہ بھی بہت تھا، دو چار کالز اور بے وجہ کی ملاقاتوں کو کوئی موڑ دینے سے آخر وہ کیوں کترا رہا تھا؟ عیشہ کو آر یا پار لگنا تھا، اسے مزید انتظار نہیں کرنا تھا، وہ فیصلہ کی گھڑی تک پہنچنا چاہتی تھی اور اسی لئے چاہتی تھی کہ شاہوار اسے بیچ منجدھار سے نکال لے، مگر شاہوار جانتے بوجھتے بھی، عشیہ نے لب بھینچ لئے تھے۔

''تم بہت ظالم اور خونخوار ہو۔'' شاہوار بس اتنا ہی کہہ سکا۔
''خان! کیا سمجھتے ہو، جب خونخواروں کی اولاد ہوں تو خونخوار ہی بنوں گی۔'' عشیہ کو بھی اپنے تلخ لہجے کا احساس ہو گیا تھا۔
''مجھے لوگوں کی بکواس نہیں سننی اور نہ اپنے کردار کو داغ دار کروانا ہے آئندہ......''
''آئندہ بھی تمہیں فون کروں گا اور جب جی چاہا آتا رہوں گا، ہے کوئی روکنے والا تو بتا دے، باقی جو رسمی کاروائیاں ہیں، ہوتی رہیں گی، تم اجازت دو، میں آج ہی مورے اور ہیام سے بات کرتا ہوں، پھر تو کوئی تم پہ انگلی نہیں اٹھائے گا نا؟'' اس نے بے ساختہ عشیہ کی بات کاٹ کر نرمی اور بہت محبت سے کہا تھا۔
اور عشیہ تو بس بے دم ہو کر گر پڑی تھی، فون بھی کٹ گیا اور اب سر تھامے بیٹھی تھی، عروفہ کی بد زبانی اسے یوں منہ پھاڑنے پہ مجبور کر دے گی، یہ تو سوچا ہی نہیں تھا۔
اور اب جو ہو گیا تھا اس پر شرمندہ بیٹھی تھی، لیکن یہ وقتی کیفیات تھیں، اب دل سے بوجھ کھسکتا محسوس ہو رہا تھا۔
اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، اس ٹوٹے مکان سے بنؤ محل کی چار دیواری تک خوابوں کا ایک سفر تھا، مختصر سا راستہ تھا، جس کے بیچ ایک چھوٹا سا موڑ آیا تھا، اس آرکیا لوجسٹ کے نام کا......اسامہ، اور وہ اس موڑ سے نظر چرا کر آگے بڑھ چکی تھی کہ اسے ہیام کو ان رستوں سے ہٹا کر شاہوں اور خانزادوں کے رستوں پہ لانا تھا۔
ایسے ہی موبائل کے انباکس سے اسامہ کی بھیجی ایک پرانی نظم نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

سفر میں شام سے پہلے
اگر
بے آس ہو جاؤ
کوئی جگنو کوئی تتلی کوئی بھی رنگ
اپنے پاس نہ پاؤ
تو اک پل کو
مجھے تم یاد کر لینا
اور
اپنا سفر آغاز کر لینا
تمہیں ہر موڑ پر رستہ صاف اور روشن دکھائی دے گا
دھنک کے ساتوں رنگ تمہارے گرد اک ہالہ بنائیں گے

اس نے نظم کے اختتام سے پہلے ہی انباکس خالی کیا اور زیر لب بڑبڑائی۔
''میں نے کسی بھی پل کو تمہیں اب یاد نہیں کرنا۔''

(جاری ہے)

میں ہاری پیا
ندا علی عباس

وہ جو حبہ اور نابیہ کو سلانے کے لئے لیٹی تھی نجانے کب خود بھی نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی جب اچانک ہی سیم کی رونے اور چلانے کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی نظر ساتھ لیٹی حبہ اور انابیہ تک گئی تھی وہ سو رہی تھیں جبکہ سیم کی جگہ خالی تھی وہ نجانے کب اسے سوتا سمجھ کر باہر نکل گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی سیم کی چلانے کی آواز سن کر وہ تیزی سے بیڈ سے اتری اور ننگے پاؤں ہی باہر کی جانب دوڑ لگا دی، باہر کا منظر اس کو فریز کرنے والا تھا، ناہید چاچی بے دردی سے سیم کا کان مروڑے لگاتار جھانپڑ سیم کے گالوں پہ رسید کر رہی تھیں وہ تڑپ کے آگے بڑھی تھی اور زبردستی سیم کو چھڑوا کر اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔

''کیا کر رہی ہے چاچی ایسا بھی کیا کر دیا بچہ ہے۔'' چاچی نے ہاتھ روک کر کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''بچہ ہے بچہ لگتا ہے یہ تجھے سات برس کا ہو چلا ہے یہ اور اوپر سے چوریاں کرتا ہے ارے ہڈ حرام میں پوچھتی ہوں اماں باوا یہی سکھا کر گئے تجھے۔'' چاچی نے بولتے بولتے مزید دو جھانپڑ سارہ کی آغوش میں چھپے بلکتے سیم کو مارے تو وہ مزید بلند آواز میں رونے لگا۔

''چاچی پلیز۔'' سارہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی، وہ روتے بلکتے سیم کو سنبھال کر اندر کی جانب بڑھی کمرے کی دہلیز پہ ہی انابیہ ڈری سہمی کھڑی تھی۔

''سمجھا دینا اس بے غیرت کو آئندہ چوری کی تو ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ دوں گی۔'' اسے اندر جاتے دیکھ کر چاچی زور سے چلائی تھی وہ ان سنی کر کے سیم اور انابیہ کو لئے کمرے میں چلی آئی، انابیہ اور سیم کو بستر پر بیٹھا کر وہ خود صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''سوری سارہ بہت بہت سوری آئی پرامس

مکمل ناول

آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔''

''آپ ناراض مت ہوں۔'' ڈرتا جھجکتا سیم اس کے قریب آیا تھا، سارہ نے ہاتھوں سے سر اٹھا کر کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

''میں نے چوری نہیں کی سارہ مجھے بیہ کی قسم مجھے بہت سخت بھوک لگی تھی دن کو چاچی نے کھانا نہیں دیا تھا میں سمجھا آپ سو گئی اس لئے آپ کو نہیں جگایا میں نے تو بس فریج کھول کر ڈبل روٹی نکالی تھی، اوپر سے چاچی آ گئی، آئی سوئیر سارہ میں نے چوری نہیں کی۔'' وہ آنکھوں میں آنسو لئے بولا تھا۔

''سیم میری جان!'' وہ تڑپ اٹھی تھی اور بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا تھا۔

''تم نے تو کہا تھا تم کھانا کھا چکے ہو، سارہ چاچی نے کہا تھا آج گھر میں راشن ختم ہے آج کھانا نہیں ملے گا اور آپ کو بھی نہیں بتانا۔'' وہ بے ساختہ رو دیا تھا۔

''سیم!'' وہ دکھ سے بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

''میں چاچی سے پوچھتی ہوں ایسا وہ بھلا کیسے کر سکتی ہیں۔'' وہ غصے سے اٹھی تھی۔

''نہیں سارہ پلیز چاچی بہت مارے گی۔'' سیم نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تھا۔

''ہاں آپی بھیا کی شکایت مت لگانا ورنہ چاچی انہیں بہت ماریں گی یہ دیکھیں اس دن چاچی نے مجھے بھی مارا تھا چمٹے سے۔'' انابیہ نے بھی اس کا پلو تھام کر جیسے اسے روکا تھا اور شلوار کا پائنچہ اٹھا کر اسے ٹخنے سے اوپر جلے ہوئے کا نشان دکھایا تھا۔

''نابی جانو یہ سب کب ہوا؟'' وہ انابیہ کی جلی ہوئی ٹانگ دیکھ کر بے ساختہ رو پڑی تھی۔

''اس دن جب آپ سکول گئی تھی اور میں نے چھٹی کی تھی تب حمزہ نے خود مجھے تھپڑ مارا اور چاچی کو بولا کہ میں نے اسے مارا ہے اور گملا بھی میں نے توڑا ہے تو چاچی نے مجھے مارا گرم چمٹے سے۔'' انابیہ کچھ دن پہلے کی سٹوری اس کے گوش گزار کر رہی تھی، اس نے بے ساختہ انابیہ کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

''نابی تم بہت گندی ہو تم نے سارہ کو رولا دیا ہے۔'' سیم اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے انابیہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''سوری آپی!'' انابیہ اس کے گلے لگ گئی۔

''کوئی بات نہیں تم دونوں بیٹھو میں تم لوگوں کے لئے کھانے کے لئے لاتی ہوں۔'' وہ باری باری دونوں کے گال چومتی ہوئی بولی۔

''آپی میں سینڈوچز کھاؤں گی۔'' انابیہ اسے اٹھتا دیکھ کر تیزی سے بولی۔

''ٹھیک ہے تم دونوں اچھے بچوں کی طرح بیڈ پہ جا کر بیٹھو بہن کے پاس اور سنو اسے چھیڑنا مت ورنہ جاگ جائے گی، میں تب تک اس کے لئے دودھ گرم کر کے تم دونوں کے سینڈوچ لاتی ہوں اوکے۔'' وہ انہیں سمجھاتے ہوئے بولی، وہ سر ہلاتے ہوئے خاموشی سے سوئی ہوئی حبہ کے دائیں بائیں جا کر لیٹ گئے سارہ ان سے مطمئن ہوتے ہوئے کچن کی جانب چلی آئی، فریج سے دودھ نکال کر بوائل کرنے کے لئے چولہے پر چڑھایا اور خود جلدی جلدی فریج سے ڈبل روٹی نکال کر سینڈوچ بنانے لگی۔

''اوہ ہو مہارانی یہ سارا سامان کہاں جا رہا ہے پھر بھوک لگ گئی ہو گی ان ہڈ حراموں کو۔'' سارا کچھ تیار کر کے ٹرے میں رکھ کر جب وہ کچن سے نکلنے لگی تو چاچی آ دھمکی۔

''وہ چاچی سیم اور بیہ کو بھوک لگی تھی اس

لئے۔" چاچی کو خوفناک تیوروں سے خود کو گھورتے پا کر اس کے اگلے الفاظ آپوں آپ ہی گم ہونے لگے۔

"بات سنو لڑکی یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے جہاں دولت کی ریل پیل ہو گی یا نوکر چاکر ہو گئے، ایک کمانے والی جان ہے اور دس کھانے والے، یوں بار بار رزق کا ضیاع مجھے پسند نہیں، دن میں ایک دفعہ مل جاتا ہے ناں کھانے کو غنیمت سمجھو اتنا گھر میں ہوتا نہیں جتنا تمہارے یہ لاڈلے کھاتے ہیں۔" چاچی ہاتھ نچا کر بولی تھی۔

"جی چاچی آئندہ احتیاط کروں گی۔" بات ختم کرنے کی غرض سے وہ بولی تھی جانتی تھی ان لوگوں کے کھانے کے معاملے میں بولنا چاچی کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"اور تم یہ جا کہاں رہی ہو، پہلے گھر کا کام نمٹاؤں پھر ان لاڈلو کا پیٹ بھرنا اور جو برتنوں کا ٹوکرا ابھرا پڑا ہے وہ کیا تمہاری ماں قبر سے اٹھ کر آ کر دھوئے گی۔" چاچی کو ایک اور ٹاپک ملا تھا۔

"جی چاچی میں بس ابھی آئی یہ ان دونوں کو دے آؤں انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"جی کی بچی یہ رکھو ادھر پہلے جو میں نے کہا وہ کرو ایک دن نہیں کھائیں گے تو مر تو نہیں جائیں گے عضب خدا کا کیا زمانہ آ گیا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے اب بڑوں کے منہ کو آنے لگے، ارے دیکھ کیا رہی ہے جلدی کرو برتن دھو حد ہو گئی ذرا جو ماں نے تمیز سکھائی ہو۔" چاچی بکتی جھکتی وہی کرسی ڈال کر بیٹھ گئی یہ اس بات کا مطلب تھا کہ اب جب تک وہ کام ختم کر دے گی تب تک نہ خود وہ ہلیں گی نہ اسے ہلنے دے گی، وہ بے بسی سے ٹرے رکھ کر برتن دھونے آگے بڑھ گئی، وہ بے بس تھی کچھ نہیں کر سکتی تھی، سارہ آریان خان کچھ نہیں کر سکتی تھی، وہ دس سال کی بچی واقعی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

سیم کو بہت سخت بخار تھا سارہ بہت پریشان تھی، اس کا پیپر تھا اسے سکول جانا تھا مگر سیم کی حالت دیکھ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا چاچی پہ اعتماد کرنا مشکل تھا چاچا سے سیم کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کو بولا تھا مگر وہ چاچی کی کڑی نظروں سے بے بس تھے ناچار سیم کو تسلیاں دے کر اور انابیہ کو سکول سے چھٹی کروا کر سیم کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ خود سکول چلی آئی پیپر دیتے وقت بھی سارا دھیان پیچھے سیم کی طرف ہی رہا، چھٹی کی گھنٹی بجتے ہی سب سے پہلے جو سکول سے نکلی وہ سارہ ہی تھی، گھر پہلا قدم رکھتے ہی وہ ساکت رہ گئی، سامنے ہی ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں فل کپڑوں میں بھیگا فرش پہ پوچا لگاتا بلاشبہ وہ سیم ہی تھا پاس ہی پانی کی بالٹی اٹھائے انابیہ کھڑی تھی سامنے ہی صوفے پہ ہاتھ میں وائپر کا ڈنڈا لئے بڑے کروفر کے سے انداز میں چاچی بیٹھی تھیں، جبھی سیم کپڑا اٹھا کر کھڑا ہوا مگر اگلے ہی پل چکرا کر دھڑام سے زمین پر گرا تھا۔

"بھیا!"

"سیم!" پانی کی بالٹی گرا کر انابیہ اور ساکت کھڑی سارہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔

"سیمی کیا ہوا آنکھیں کھولو۔" سارہ اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی تھی۔

"سارہ!" بخار سے تپتی ہوئی سرخ انگارہ آنکھیں لئے اس نے سارہ کو دیکھا۔

"ارے ہڈ حرام بے غیرت، میں جانتی تھی تو کوئی نہ کوئی بہانہ کرے گا، چل اٹھ یہ کام سارا تمہارا باپ آ کر کرے گا۔" چاچی خونخوار نظروں

سے گھورتی ہوئی آئی تھی اور ہاتھ میں تھاما ڈنڈا سیم کی کمر میں گھمایا تھا، سیم بلبلا اٹھا، سارہ نے تڑپ کر اسے اپنے سینے میں چھپایا۔

''چاچی پلیز اسے مت ماریں اسے بخار ہے یہ دیکھیں اس کی کیا حالت ہو رہی ہے۔''

سارہ رو ہی تو دی تھی، چاچی نے ہاتھ میں تھاما ڈنڈا دیکھا اور اگلے ہی پل سارہ کے ساتھ چمٹے سیم اور انابیہ کی شامت آئی تھی۔

''بے غیرتو حرام خوروں جتنا مرضی کھلاؤ پلاؤ مگر کام تم لوگ سے ہوتا نہیں۔ الٹا میرے ہی گلے پڑ گئے ارے وہ بے غیرت بھی مر گئے اتنا نہ کیا تم لوگوں کو بھی ساتھ لے جاتے مگر نہیں میرے سینے پہ مونگ دلنے کو چھوڑ دیا، ہڈ حراموں کو۔'' چاچی کی زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چلتے گئے سارہ بے چاری ان دونوں کو بچاتے بچاتے خود بھی نشانہ بنتی رہی مگر اسے اپنی رتی برابر پرواہ نہ تھی ان معصوم جانوں کو چپ کرواتے رات گئے ٹکور کرتے وہ سوچتی رہی کہ اسے کیا کرنا چاہے اور صبح تک وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

آریان خان اور زمان خان دو ہی بھائی تھے آریان خان بڑے جبکہ زمان خان چھوٹے تھے، آرخان خان کی بیگم ثانیہ اور زمان خان کی بیگم تانیہ دونوں سگی بہنیں تھیں آرخان خان اور ثانیہ کی ایک ہی اولاد تھی سارہ آریان اور زمان خان اور تانیہ کی سب سے بڑی اولاد سیم تھا جو کہ سارہ سے ڈھائی سال چھوٹا تھا اس سے چھوٹی انابیہ تھی جو تھی تو پانچ سال کی مگر سیم سے ڈیڑھ سال چھوٹی تھی اور سب سے چھوٹی حبہ تھی جو ابھی تین ماہ کی تھی، وہ بھی ایک حسین صبح تھی اور اس دن سیم کی ساتویں سالگرہ تھی گھر میں کئی دن سے پلاننگ چل رہی تھی کہ بہت بڑی نہیں تو چھوٹی سی ہی برتھ ڈے پارٹی ارینج کی جائے بچے خوش تھے اور اسی خوشی میں سب نے سکول سے چھٹی کی تھی، سارہ خدیجہ بوا مما اور خالہ کے ساتھ کچن میں تھی اسے بچپن میں ہی شوق تھا چھوٹے موٹے کام کرنا اور اب تو بوا کے ساتھ رہ رہ کر ماشاءاللہ وہ اچھے خاصے کام کر لیتی تھی خاص کر سیم انابیہ اور حبہ کے کام کو دو دوڑ دوڑ کے کرتی تھی اور اسے یہ چھوٹے چھوٹے کام کرنا اچھا لگتا تھا حالانکہ اس کی عمر کیا تھی، یہی ساڑھے نو سال پھر بھی وہ ہر کام میں طاق تھی، مما کا اسے ابھی سے یہ سب کرنا اچھا لگتا تھا جبکہ خالہ کو وحشت ہوتی تھی وہ اکثر مما کو ٹوکتی کہ ابھی سے اسے ان کاموں میں مت الجھاؤ، مگر مما ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی الٹا کہیں جانا ہوتا شاپنگ کے لئے یا بازار کسی بھی کام سے تو سیم انابیہ اور حبہ کو آرام سے سارہ کے حوالے کر دیتی پھر چاہے رات گئے گھر واپس آئے بچے ان کو ویسے بھی ہنستے کھیلتے ملتے، کیونکہ وہ جانتی تھیں سارہ سب سنبھال لیں گی، اس دن سیم کی ساتویں سالگرہ تھی گھر سجا تھا بچے خوش تھے آفس کے لئے نکلتے پاپا اور چاچو کو مما نے روکا اور خالہ کو لئے خود بھی ساتھ چل دی کہ شام کو پارٹی ہے کچھ سامان رہتا ہے وہ لے لے گی، پاپا لوگ انہیں بازار ڈراپ کر دیں واپسی یہ وہ خود بخود مینج کر لیں گی، گھر سے وہ چاروں نکلے ہنستے مسکراتے مگر کوئی نہ جانتا تھا کہ واپسی پہ یہ مسکراتے لب ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گے، مین مارکیٹ میں بلاسٹ ہوا تھا اور چاروں کے چاروں ٹکڑوں میں بٹ گئے تھے گھر میں کہرام مچ گیا تھا نوکر چاکر روتے چلاتے رہے قریبی کوئی تھا نہیں جسے اطلاع دی جاتی دور پار کی کوئی چاچا چاچی تھے جو اس جنازے میں آئے بچے پریشان ماں باپ کے ٹکڑوں میں ماں باپ کا چہرہ ہی

دیکھتے رہ گئے پریشان حال روتے چلاتے سب کو دیکھتے رہے مگر جان نہ سکے کہ ہوا کیا تھا سوائے سیم اور سارہ کے، کچھ دن گزرنے کے بعد جب بچوں کو سنبھالنے کا وقت آیا تو اعلان ہوا کہ جو بچے سنبھالے گا بنگلہ، بنگلے میں کھڑی دونوں گاڑیاں بنک میں جمع پیسہ سب بچوں کے نام ہے جو سنبھالے گا اسی کے پاس جائے گا کوئی سگا تو تھا نہیں سو وہی چاچا چاچی (دور پار کے رشتہ دار جو تھے) قرعہ فال انہی کے نام نکلا وہ بھی بینک بیلنس دیکھ کر بچے رکھنے کو تیار ہو گئے سو بچے لئے اپنے گھر چلے آئے کہ کچھ عرصہ لوگوں کو یہ بھی تو باور کروانا تھا ناں کہ بھئی ہمیں کوئی غرض نہیں پیسہ سے بھئی ہمیں تو یہی بچے عزیز تھے باقی پیسہ جائے بھاڑ میں تا کہ لوگ عش عش کر اٹھیں یہ سن کر اور تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد جب سب بھول بھال گئے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اتنے پیسے کا کیا کیا جائے مگر چاچی تھوڑے ہی عرصے میں بچوں سے اکتا گئی اور ظلم وستم شروع کر دیا ان کے خیال میں کہ اب انہیں کون پوچھنے والا ہے مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسا کر کے وہ خود ہی گھر آئی روزی کو لات مار بیٹھی تھی۔

☆☆☆

ساری رات سیم اور انابیہ کے زخموں کی ٹکور کرتے وہ اندر سسکی تھی اور صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی انابیہ کو چھٹی کروا کے سیم اور حبہ کے پاس چھوڑا اور خود سکول چلی آئی، سکول سے آگے دس منٹ کے فاصلے پہ ہی تو اس کا گھر پیارا گھر تھا جہاں کبھی وہ اپنے ماں باپ چچی خالہ اور ان کے بچے ہنسی خوشی رہا کرتے تھے، گھر کے ساتھ ہی انکل گوہر کی فیملی رہا کرتی تھی انکل گوہر پاپا اور چاچو کے بچپن کے ہی دوست تھے پھر وہ شادی کر کے انگلینڈ ہی سیٹل ہو گئے انگلینڈ جا کر بھی انکل گوہر نے پاپا اور چاچو سے رشتہ نہ توڑا وہ اکثر موبائل فون پہ یا اسکائپ پہ بات کر لیا کرتے تھے، پاپا یا چاچو زمان جب کبھی بزنس کے سلسلے میں انگلینڈ جاتے تو اکثر انکل گوہر کے ہاں ٹھہرتے، جب انکل گوہر کے بیٹے کی جاب پاکستان میں ہوئی تو انکل گوہر فیملی سمیت پاکستان آ بسے اپنے پرانے گھر، انکل گوہر کا بیٹا ایک پولیس آفیسر تھا، پاپا ماما کی ڈیتھ کے بعد انکل نے بچوں کو اپنی سرپرستی میں لینا چاہا تو چاچا چاچی وارد ہو گئے مگر اب برداشت ختم ہو چکی تھی سارہ نے بہت سوچا انکل گوہر کے علاوہ مددگار کوئی نظر نہ آیا تو سکول کے بہانے انکل گوہر کے ہاں چلی آئی انکل گوہر کے گھر داخل ہوتے ہوئے ساتھ والے بنگلے پر نظر ڈالتے اسے بے اختیار رونا آیا کبھی اس گھر میں قہقہے لگا کرتے تھے مگر اب ہر طرف خاموشی کا راج تھا، آنٹی ثمینہ (گوہر انکل کی بیوی) اسے دیکھ کر کافی خوش ہوئی تھی مگر انکل گوہر کے سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، انکل گوہر اور آنٹی ثمینہ بوکھلا اٹھے تھے، انکل گوہر کے ڈھیروں دلاسوں اور تسلیوں کے بعد اس نے چاچا چاچی کے ظلم کی کہانی لفظ بالفظ سنا ڈالی تھی، انکل آنٹی گنگ بیٹھے رہ گئے۔

''پلیز انکل مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے مگر وہ سیم اور انابیہ پہ بہت ظلم کرتی ہے بہت مارتی ہے حبہ بھوک سے بلکتی رہتی ہے مگر انہیں پرواہ نہیں، سیم بہت بیمار ہے انکل وہ مر جائے گا پلیز انہیں بچا لیں انکل۔'' وہ ہاتھ جوڑے انکل کے پاؤں میں جا بیٹھی تھی، انکل نے تڑپ کر اسے زمین سے اٹھایا اور سینے سے لگایا تھا۔

''بس میرا بچہ اب اور مت رونا اب تم لوگوں کے رونے کے دن ختم اب ان ذلیل

لوگوں کو رونا ہے اور تم دیکھنا وہ سر پکڑ کر روئیں گے، بڑے دھڑلے سے وہ لوگ تم لوگوں کو لے کر گئے تھے، میں بھی چپ کر گیا کہ چلو تم لوگوں کے اپنے ہیں مگر نہیں ایسے اپنوں کو عزت راس نہیں آتی، دیکھنا میں ان بے غیرتوں کو کورٹ میں گھسیٹوں گا۔'' انکل گوہر اس کا سر تھپکتے ہوئے کہہ رہے تھے اور انہوں اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا، کورٹ میں گھسٹنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی انکل گوہر کے بیٹے علی گوہر ایس پی آفیسر تھے، نے ایک ہی بار پولیس ریٹ ڈلوائی تھی اور چاچا چاچی سے سارے بچوں کو بازیاب کروالیا تھا، آریان خان کا بزنس جس پہ آج کل چاچا بڑے کروفر سے قبضہ کرنے کا سوچے بیٹھے واپس لے لیا گیا بچوں کے ساتھ ساتھ جب بنگلہ اور بزنس ہاتھ سے نکلا تو چاچا چاچی بوکھلا گئے سارہ کبھی سیم اور کبھی انابیہ کو پکڑ لیتے معافی مانگتے لاڈ کرتے اور ایک اور موقع مانگتے مگر انکل گوہر نے ایک نہ چلنے دی اندر کرنے کی دھمکی دے کر وہ بچوں کو واپس ان کے گھر سے لے آئے آنٹی ثمینہ نے بہت چاہا کہ بچے ان کے پاس ہی رہیں مگر سارہ نہ مانی اور ساتھ والے اپنے گھر شفٹ ہوگئی وہ گھر دوبارہ سے بس گیا، خدیجہ بوا کو واپس گاؤں سے بلوالیا گیا ڈرائیور کو دوبارہ رکھ لیا گیا انکل گوہر اپنے بزنس کے ساتھ ساتھ آریان خان کا بھی بزنس سنبھالنے لگے، ہر ماہ ایک بڑی رقم چاروں بچوں کے اکاؤنٹ میں جمع کروادیتے سارہ انابیہ سیم کی ہر ماہ کی فیس ان کے اخراجات سب وہ خود ادا کرتے تھے گھر میں ختم ہونے سے پہلے نیا راشن ڈلوادیتے، غرضیکہ سب کچھ ویسے کا ویسے تھا اگر نہیں تھے تو ماما پاپا چاچو چاچی، جن کی بوا کبھی کمی محسوس نہ ہونے دیتی بچوں کو ہر وقت مصروف رکھتی صبح سکول جاتے واپسی پہ کھانا کھا کر آرام کرتے تین بجے قاری آجاتا اور چار بجے وہ اکیڈمی جاتے واپسی پہ کھانا کھاتے کارٹون دیکھتے اور پھر سو جاتے یہی روٹین تھی اور یہی چلتی رہی جب سارہ نے میٹرک کا امتحان دیا ان دنوں وہ پندرہ سال کی تھی، ایسے میں فارغ رہنے کی بجائے وہ انکل گوہر کے ساتھ آفس جانے لگی انکل گوہر اسے کافی کچھ سمجھاتے رہتے آہستہ آہستہ بزنس میں کافی ساری چیزیں سیکھ گئی رزلٹ آنے کے بعد کالج میں داخلہ لے لیا فارغ بیٹھنا تو جیسے اسے آتا نہ تھا، صبح کالج جاتی ایک گھنٹہ اکیڈمی لیتی واپسی پہ آفس چلی آتی انکل گوہر کے ساتھ مل کر کافی سارا کام نپٹاتی، تین سال کا عرصہ یونہی بیت گیا وہ تھرڈ ائیر میں تھی سیم فرسٹ ائیر میں انابیہ نائنتھ میں اور حبہ فورتھ کلاس میں تھی، وہ اٹھارہ سال کی تھی جب ایک دن گوہر انکل کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ بستر پر جا لگے سارا بزنس سارہ کے سر پہ آگیا ایسے میں سیم نے آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنی چاہی تو سارہ نے جھڑک دیا اسے پڑھائی پہ توجہ دینے کو کہا اور خود بزنس سنبھال لیا وہ دن بہت ٹف تھے، انکل گوہر کے ایک بہت قریبی فرینڈ نے سارہ کا بہت ساتھ دیا صبح ٹائم وہ کالج جاتی اور پیچھے (انکل گوہر کے فرینڈ) انکل سلیم بزنس دیکھتے، کالج سے چھٹی ہوتے ہی وہ سیدھی آفس چلی آتی، باقی کا کام وہ خود دیکھتی، دن گزرتے گئے اور پھر۔

دو باتیں ہوئیں۔

ایک...... سیم کا ایکسیڈنٹ...... دوسرا......

انکل گوہر کی ڈیتھ، وہ ایک دم شاک میں آگئی سیم آئی سی یو میں تھا اور انکل گوہر کا جنازہ تیار تھا، آنٹی ثمینہ اور علی گوہر نے اس موقع پر بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا، جب تک سیم ہوش میں نہ آیا انکل گوہر کا جنازہ نہ اٹھا تھا، سیم کے خطرے سے باہر

آتے ہی انکل گوہر کو سپرد خاک کر دیا گیا، ایک بار پھر وہ یتیم ہو گئے انکل گوہر کا دکھ کچھ کم تو نہ تھا، مگر قدرت کو شاید ابھی اور امتحان لینا باقی تھا، وہ سیم کی وجہ سے اپنی ہر ایکٹویٹی کو بھول چکی تھی گھر کالج بزنس سب کچھ صرف اور صرف سیم کو ٹائم دے رہی تھی اور جس دن سیم دوبارہ اپنے قدموں پہ کھڑا ہوا اسی دن۔

اسی دن ایک اور بری خبر نے اسے اندر سے توڑ ڈالا۔

انکل گوہر کے دوست انکل سلیم دھوکے سے غلط سائن کروا کر سارا بزنس اپنے نام کروا کر بزنس سمیٹ کر ملک سے ہی فرار ہو چکے تھے، یہی نہیں بینک سے بیس لاکھ سارہ کے نام پر قرضہ بھی نکلوا چکے تھے وہ تو تب پتہ چلا جب تین دن کے اندر اندر گھر خالی کرنے کا نوٹس اسے ملا، وہ تو بالکل ہی ڈھے سی گئی، ایسے موقع پر آنٹی ثمینہ اور علی گوہر پھر اس کی ڈھال بن گئے، علی بھائی نے بینک کا لون بھرنا چاہا مگر وہ نہ مانی بے شک وہ اس کے اپنے سگے نہیں تھے مگر وہ پہلے ہی ان کے احسانوں تلے دبی بیٹھی تھی بہت سوچ وچار کے بعد اس کے گیراج میں کھڑی پاپا اور چاچو کی تینوں گاڑیاں بیچ ڈالی۔

بینک کا لون ادا کر کے بچے پیسوں سے سیم کے لئے ایک بائیک خریدی کیونکہ اس کا کالج کافی دور تھا، نابیہ اور حبہ کے لئے سکول وین لگوا دی باقی بچی رقم ان تینوں کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دی اور خود۔

بزنس تو رہا نہیں تھا سو پڑھائی ادھوری چھوڑ دی اور علی بھائی کی مدد سے ایک آفس میں جاب کر لی اور پارٹ ٹائم ایک اکیڈمی میں پڑھانے لگی، مگر گھر کے اخراجات سیم اور نابیہ اور حبہ کی سکول کالج کی فیس اتنی تھی کہ ان پیسوں سے بمشکل گزارہ ہونے لگا سیم نے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑنی چاہی تو سارہ نے ڈانٹ دیا۔

''خبردار سیم ایسا سوچا بھی تو تم جانتے ہو ناں چاچو اور خالہ کی کتنی بڑی خواہش تھی کہ تم وکیل بنتے، ایسا سوچنا بھی مت ورنہ خالہ امی اور چاچو کی روحوں کو کتنی تکلیف ہو گی ناں۔'' وہ اسے رسان سے سمجھاتی۔

''مگر سارہ یہ بھی تو دیکھیں ناں آپ تھکی ہاری گھر آتی ہیں تین تین روٹ بدل کر مجھے تکلیف ہوتی ہے، نابی کی میڈیکل کی کتنی بھاری فیس ہے میں لاء کا اسٹوڈنٹ ہوں میری بھی فیس ہے، حبہ بھی تو سکول جاتی ہے ناں اور گھر کے اخراجات، پلیز سارہ مجھے کوئی چھوٹا موٹا کام ہی کرنے دیں کم از کم میں خود کی اپنی فیس تو ادا کر سکوں۔''

مگر وہ سارہ ہی کیا جو مان جائے سیم کو کام کرنے کی بجائے اس نے اپنا کام بڑھا لیا پہلے عصر کی نماز تک گھر ہوتی تھوڑا ریلیکس کرتی مگر دو تین جگہ اور ہوم ٹیوشن ملنے کے بعد وہ فارغ وقت بھی جاتا رہا، پانچ بجے گھر آنے والی سارہ اب رات آٹھ یا نو بجے گھر قدم رکھتی، تھکی ہاری گھر قدم رکھتی تو ان تینوں کو اپنی فکر میں ٹہلتا پاتی۔

''تھینک گاڈ آپی آپ آ گئی، میری تو پریشانی سے جان نکلنے والی تھی۔'' نابی اور حبہ دوڑ کر اس کے گلے لگتی۔

''سارہ آپ صرف ایک جاب کر لیں ہم سب اسی پر گزارہ کر لیں گے مجھے آپ کو ایسے کام کرتے دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔'' سیم ہمیشہ سے ہی یہ گلہ کرتا، وہ تھکی ہونے کے باوجود ان تینوں کے سامنے چہرے پہ مسکراہٹ لئے رہتی انہیں تسلی دیتی اور اگلے روز پھر وہی روٹین وہی لوگ وہی فقرے ہوتے، زندگی کا کام آگے بڑھنا ہوتا

ہے سو وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک اداس شام تھی یا اسے لگی تھی، طبیعت بوجھل سی تھی اسی لئے وہ آفس سے جلدی چھٹی لے کر ایک گھنٹہ اکیڈمی اور ایک گھنٹہ ہوم ٹیوشن والوں کو دے کر جلد ہی گھر چلی آئی جلدی جلدی کرتے بھی گھر پہنچتے تک مغرب کی اذانیں ہو چکی تھی تین ویٖن بدل کر جب وہ اپنے گھر کی طرف جاتی سڑک پر اتری تو انجانے میں ہی بس ایک نظر...... بس ایک نظر اٹھی تھی اور ساکت رہ گئی تھی، بلاشبہ وہ سیم ہی تھا، وہ بھلا کیسے نظر انداز کر سکتی تھی اس کی حالت ہی ایسی تھی سڑک کی دوسری جانب بنی ورکشاپ کے باہر ایک کار کے بونٹ پہ جھکا مخصوص یونیفارم پہنے گال اور ماتھے پہ لگی کالک اور تیزی سے چلتے ہاتھ صاف ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اس کام میں خاصا ماہر ہو چکا تھا، اس کا دل چاہا وہ ابھی جائے اور تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر ڈالے مگر وہ ضبط کرتی گھر چلی آئی، لاؤنج سے ٹی وی چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ حبہ اور نابی اکیڈمی سے واپس آ چکی تھی، جیسے ہی اس نے لاؤنج میں قدم رکھا حبہ اور نابی اسے دیکھ کر چونک اٹھی۔

''ارے آپی آج آپ جلدی آ گئی، آپی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' حبہ اور نابی پریشانی سے اس کی طرف بڑھی۔

''میں ٹھیک ہوں سیم کدھر ہے؟'' پرس صوفے پہ رکھتے ہوئے وہ بولی۔

''آپی سیم بھیا تو اس وقت اکیڈمی میں ہوتے ہیں۔'' حبہ جلدی سے بولی تھی۔

''کب جاتا ہے اکیڈمی؟'' وہ تیزی سے بولی۔

''سیم بھیا تو چھ بجے تک چلے جاتے ہیں آپی مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' حبہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''اور واپس کب تک آتا ہے؟'' وہ حبہ کی بات نظر انداز کر گئی۔

''آپی خیریت تو ہے ناں آپ غصہ میں لگ رہی ہیں۔'' نابی اس کے بازو پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''نابی جو میں نے پوچھا اس کا جواب دو سیم اکیڈمی سے واپس کب آتا ہے۔'' خود پہ کنٹرول کرنے کے باوجود اس کی آواز بلند ہو گئی۔

''آپی آپ کی واپسی سے ہاف گھنٹہ پہلے تک آ جاتے ہیں بھیا۔'' نابی پریشانی سے بولی، سارہ کو اس سے پہلے کبھی یوں غصے سے دیکھا نہ تھا۔

''او کے آج آنے دو اسے پوچھتی ہوں۔'' سارہ غصے سے بولتی ہوئی صوفے پہ جا بیٹھی۔

''مگر آپی ہوا کیا؟'' حبہ اور نابیہ پریشان سی اس کے آس پاس جا بیٹھی۔

''آنے دو اسے پتا چل جائے گا تم لوگوں کو۔'' اور سیم واقعی اس کے آنے کے ٹائم سے دس منٹ پہلے ہی گھر داخل ہوا تھا۔

''السلام علیکم گائز!'' سلام کرتے ہوئے آگے بڑھا تھا، مگر نجانے کہاں سے نکل کر وہ اس کے سامنے آ گئی تھی۔

''ارے سارہ آپی، یہ تو سرپرائز ہو گیا، آج سورج کہاں سے نکلا تھا نابی، سارہ آج جلدی آ گئی؟'' وہ سارہ کو دیکھ کر واقعی حیران ہوا تھا اور نابی سے بولا تھا۔

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' تنے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ بولی تھی۔

''کیا مطلب سارہ کہاں سے آ رہا ہوں آپ جانتی ہیں اس وقت میں اکیڈمی سے واپس

آتا ہوں یہ کتابیں اس بات کا ثبوت ہیں۔'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ سجائے ہاتھ میں موجود کتابوں کی طرف اشارہ کرتا بولا تھا۔

''دسیم میں نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟'' دھیمی مگر سخت آواز میں بولتی وہ سیم کو چونکا گئی تھی، اگلے ہی پل وہ سنبھل گیا تھا۔

''ارے سارہ آپ بھی ناں حد کرتی ہے رئیلی میں اکیڈمی میں تھا ابھی سیدھا وہی سے.......''

چٹاخ...... چہرے پر پڑتے زوردار تھپڑ نے اسے بات بھی پوری نہ کرنے دی تھی۔

''سارہ!'' وہ ساکت کھڑا رہ گیا، حبہ اور انابیہ بے یقین نظروں سے سارہ کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا سارہ ایسا کیا کر دیا بچے نے۔'' بوا کچن سے دوڑتی ہوئی آئی تھیں، آج پہلی بار سارہ کو غصے میں دیکھا تھا۔

''اس سے پوچھیں بوا یہ اکیڈمی کے بہانے کہاں جاتا ہے، میں نے دن رات ایک کر کے انہیں پروان چڑھایا، محنت کی، جو مانگا وہ دیا، خود پڑھائی چھوڑ دی صرف اس لئے کہ ان تینوں کی پڑھائی ڈسٹرب نہ ہو، پھر کہاں پہ کمی تھی بوا کہ اسے ورکشاپ پہ کام کرنا پڑا، وہ بھی مجھ سے چھپ کے، پیسے کی کمی تھی تو مجھ سے مانگتا، اگر میں نہ دیتی تو پھر مجھ سے گلہ کرتا، ماں باپ کی کمی کے علاوہ میں نے ان کی ہر بات مانی بوا، پھر مجھ سے کہاں پہ غلطی ہوگئی کہ اسے چھپ کر مجھ سے کام کرنا پڑا۔'' وہ چہرہ ہاتھ میں چھپا کر شدت سے رو دی تھی حبہ اور انابیہ پھٹی نظروں سے سیم کو دیکھتی رہ گئی، ان دونوں کے لئے بھی یہ خبر بھی یقیناً شاکنگ تھی۔

''آئیم ساری سارہ، پلیز سوری مت روئیں پلیز۔'' وہ اسے روتے دیکھ کر تڑپ ہی تو اٹھا تھا بے ساختہ اس کے قدموں میں جا بیٹھا۔

''میں مانتا ہوں میری غلطی ہے میں نے آپ کو نہیں بتایا مجھے آپ کو بتانا چاہیں تھا، مگر سارہ میں نے جتنی دفعہ بھی آپ سے اجازت مانگی آپ نے منع کر دیا، میں تو صرف ہاتھ بٹانا چاہ رہا تھا آپ کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا۔'' وہ اسے روتے دیکھ کر پریشان ہوا اٹھا تھا۔

''میں نے کب کہاں تم لوگ مجھ پہ بوجھ ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ نے کبھی نہیں کہا سارہ مگر میں ایک بھائی ہوں مجھ پہ آپ کے ساتھ ساتھ دو بہنوں کی ذمہ داریاں بھی ہے جو کبھی آپ نے مجھے اٹھانے نہیں دی، آپ ہمیشہ مجھے چھوٹا سمجھ کر ٹریٹ کرتی ہے، میرے ساتھ ساتھ میری دو بہنوں کا بوجھ بھی آپ اٹھائے ہوئے ہیں مجھے دکھ ہوتا ہے سارہ آپ کو اتنی محنت کرتے دیکھ کر پلیز سارہ اگر آپ جان ہی گئی ہیں تو پلیز مجھے منع مت کرنا مجھے کام کرنے دیں کم از کم میں آپ تینوں کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے منت بھرے لہجے میں بولا۔

''سیم!'' وہ ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''اگر تم اپنی پڑھائی ختم ہونے سے پہلے کسی بھی جاب کا نام لو گے تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔''

''سارہ!'' وہ ساکت رہ گیا، بوا نے دہل کر اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا تھا انابیہ اور حبہ تو باقاعدہ رونے لگی تھی اور سیم ڈھے سا گیا تھا آنکھ کے کناروں سے نکل کر دو آنسو سارہ کے ہاتھ پہ جا گرے تھے۔

''آئندہ ایسی کوئی فضول بات اپنے ذہن میں بالکل بھی نہیں لائیں گی سارہ، میں آپ کی ہر

بات مانوں گا۔'' وہ سر جھکائے بولا، سارہ اس سے ہاتھ چھڑوا کر اٹھی اور اندر بڑھی جب وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے سامنے آیا تھا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہو کر جا رہی ہیں سارہ۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔

''راستہ دو سیم۔'' وہ اسے اگنور کرتے ہوئے آگے بڑھی۔

''سارہ پلیز، بات کریں مجھ سے ناراض مت ہو۔'' سیم ملتجی لہجے میں بولا، سارہ نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

''سارہ بیٹا کھانا لگا ہے غصہ چھوڑو کھانا کھا لو۔'' بوا اسے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر بولی۔

''بوا مجھے بھوک نہیں آپ ان تینوں کو کھلا دیجئے گا۔'' وہ مڑے بغیر بولی اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی، سیم نے سرخ آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

''چلو بیٹا تم کھانا کھاؤ بہنیں سارے دن کی بھوکی بیٹھی ہے سارہ تو پاگل ہے میں اسے سمجھا لوں گی تم پریشان مت ہو۔'' خدیجہ بوا اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

''نہیں بوا مجھے بھی بھوک نہیں آپ ان دونوں کو کھلا دیجئے گا۔'' وہ آہستگی سے بوا کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے ہوئے بولا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، پیچھے وہ تینوں پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

تین دن مسلسل تین دن سے وہ اسے اگنور کر رہی تھی اور یہ تین دن اسے یوں محسوس ہوئے تھے جیسے وہ پھندے پہ لٹکا ہوا اور جان بھی نکل نہ رہی ہو، وہ جانتا تھا سارہ بہت ہرٹ ہوئی تھی مگر اب پچھلے تین دن سے سارہ کے مسلسل اگنور کرنے سے وہ ہرٹ ہو رہا تھا، رات وہ لیٹ آتی اور آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتی اور صبح جب تک وہ تینوں اٹھتے وہ گھر سے نکل جا، وہ جانتا تھا سارہ اس کے یوں کام کرنے پہ ناراض ہو گی مگر اتنی ناراض ہو جائے گی یہ وہ نہیں جانتا تھا، آج آخری دو کلاسیں آف تھیں، وہ دوستوں سے ملے بغیر بائیک لئے یونیورسٹی سے نکل آیا، کچھ دیر یونہی بے مقصد سڑکوں پہ دوڑتا رہا پھر بائیک کا رخ آفس کی طرف موڑ لیا، آفس کے باہر پہنچ کر اس نے سارہ کو کالز کی تھی مگر اس نے کالز نہ اٹھانے کی شاید قسم کھا رکھی تھی، بائیک پارک کر کے وہ آفس کی طرف آیا تھا، جانتا تھا اسے سامنے دیکھ کر سارہ ناراض ہو گی غصہ کرے گی مگر وہ منا لے گا یہی سوچ کر وہ اندر چلا آیا، سامنے ہی وہ بیٹھی تھی کمپیوٹر کی سکرین کو سنجیدگی سے گھورتی ہوئی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں، وہ آہستگی سے چلتا ہوا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا اور شاید بہت مصروف تھی تبھی اسے بیٹھتے نہ دیکھ سکی تھی، کام ختم کر کے کمپیوٹر کو شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے بس ایک سرسری سی نظر سامنے اٹھی تھی اور وہی جم گئی تھی۔

غیر ارادی طور پر آواز کافی بلند تھی یوں کے آس پاس کام کرتے لوگ متوجہ ہوئے تھے، مسکراہٹ کو ہونٹوں تلے دباتے وہ سر کو خم دیتے ہوئے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جھکا تھا۔

''تم یہاں پہ کیا کر رہے ہو سیم۔'' لوگوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر حیرانگی سے بولی وہ۔

اسے وہاں دیکھ کر واقعی حیران تھی۔

''آپ کو دیکھنے آیا تھا۔'' میز پہ دونوں کہنیاں ٹکا کر ہتھیلیوں پہ چہرہ جما کر وہ بولا تھا۔

''میں آج پیدا ہوئی ہوں کیا جو تم مجھے دیکھنے آئے تھے، اٹھو اور مجھے یہاں سے چلتے

پھرتے نظر آؤ میرا باس آ گیا ناں برا منائے گا۔" لفظ چبا چبا کر ادا کرتے وہ اسے اٹھنے کا اشارہ کرتے بولی تھی، مگر دوسری طرف اثر نہ ہوا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراضگی ختم کریں میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" وہ کرسی سے ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھتے ہوئے سکون سے بولا۔

"آر یو کریزی سیم، میرا باس آ گیا ناں تو تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی نہیں چھوڑے گا۔" وہ غصے سے بولی تھی۔

"پہلے آپ مجھ سے ناراضگی ختم کریں مجھ سے ہنس کے بات کریں مجھ سے وعدہ کریں آئندہ کبھی آپ مجھے ڈانٹیں گی نہیں مجھ سے ناراض نہیں ہوگی پرامس میں چلا جاؤں گا ورنہ وائز آپ کا باس یہاں آ گیا تو اس چیز کی آپ خود ذمہ دار ہیں۔"

"سیم تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔" وہ جانتی تھی وہ جو کہہ رہا ہے اسی پہ ڈٹا رہے گا۔

"تنگ کب کر رہا ہوں یار ریکوئسٹ کر رہا ہوں۔" اسے نرم پڑتے دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

"اوکے جاؤ میں ناراض نہیں ہوں، اب مجھے کام کرنے دو۔" میز پہ پڑی فائلیں اٹھا کر اپنے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"پرامس۔" جوش سے بولتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھ کر اس کی طرف آیا تھا۔

"سیم۔" کولیگ کو اپنی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"وعدہ کریں نہ سارہ پلیز۔" سچویشن دیکھ کر بھی وہ اگنور کر رہا تھا، جانتا تھا سارہ اس وقت بری پھنسی تھی بے بس تھی اس لئے ہر بات چپ کر کے مان رہی تھی۔

"اوکے پرامس اب تم گھر جاؤ سیم۔" جان چھڑانے والے انداز میں وہ بولی تھی۔

"ارے ایسے کیسے گھر جاؤں سیلبریشن تو بنتی ہے، چلیں آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔" اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"سیم تم پاگل ہو میرا ڈھیر سارا کام پڑا ہے میں تمہارے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں، میرے باس کو جانتے نہیں ہو تم۔" اسے ڈانٹتے ہوئے وہ بولی اور میز پر رکھی فائل کھول کر بیٹھ گئی، وہ منہ بسورتے ہوئے اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے وہاں سے چل دیا۔

"سنو۔" وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا جب سارہ کی آواز کسی نرم جھونکے کی طرح اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"جی۔" وہ تیزی سے پلٹا تھا شاید سارہ مان گئی ہو۔

"سیدھے گھر جانا آوارہ گردی کے لئے آگے پیچھے مت نکل جانا سمجھے۔"

"اوکے۔" منہ بناتے ہوئے وہ چل پڑا تھا اور وہ اسے جاتے دیکھ کر طویل سانس لیتی فائل پہ جھک گئی، فائل پہ کام کرتے اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب پاس پڑے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی تھی، وہ الرٹ ہوئی۔

"سارہ میرے آفس میں آیئے۔" دوسری طرف سے حکم ملا۔

"یس باس۔" کہتی فائلیں سمیٹی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، باس کے آفس کا دروازہ بجا کر جب اس نے قدم رکھا تو جھٹکا کھا کے رہ گئی سامنے ہی وہ بیٹھا تھا، چہرے پہ معصومیت سجائے، سارہ کو اس پہ سخت تاؤ آیا تھا۔

"سارہ آپ جانتی ہیں انہیں؟" باس کی طرف سے سوال ہوا تھا۔

''یس سر یہ میرا کزن ہے چچا زاد، سیم۔''
کڑی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے وہ بولی
تھی۔

''فائن، یہ آپ کو لینے آئے ہیں دراصل
آپ کے چچا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں اس لئے،
آپ آرام سے جائیں، باقی جو کام رہ گیا ہو وہ
مس عالیہ کو سمجھا جائیں وہ کر دے گی۔'' باس
بولے تھے۔

''مگر سر؟'' اس نے کچھ بولنا چاہا تھا۔

''اٹس او کے سارہ آپ جائیں اور مس
عالیہ کو میرے پاس بھیجتی جائیں۔'' اس سے پہلے
وہ کچھ کہتی باس نے اس کی بات کاٹ ڈالی تھی،
باس کے روم سے نکل کر وہ اپنے کیبن تک آئی
تھی، وہ بھی مسکراہٹ دبائے اس کے پیچھے چلا
آیا۔

''تم نے باس سے جھوٹ کیوں بولا؟''
اسے دیکھتے ہی وہ بپھر اٹھی۔

''سوری سارہ! بٹ میں اپنی خوشی کو
سیلبریٹ کرنا چاہتا تھا، مرے ہوئے باپ کو
دوبارہ مار کے خوشی سیلبریٹ کرنا چاہتے ہو۔''
غصہ دباتے ہوئے وہ بولی۔

''سوری یار، ایم سوسوری پلیز اب غصہ تو
مت کریں ہم اچھا دیکھیں میں کان پکڑتا ہوں
ٹھیک۔'' کہتے ہوئے اس نے باقاعدہ کان پکڑ
لئے تھے، سارہ نے خفگی سے اسے گھورا تھا، مگر اس
کی شکل دیکھتے ہوئے ہنسی نکل گئی تھی۔

''تھینک گاڈ سارہ آپ مسکرائی تو تین دن
سے آپ کی یہ ہنسی دیکھنے کو ترس گیا تھا۔'' اسے
ہنستے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''او کے او کے اب چلو مکھن مت لگاؤ۔''
اسے آگے کی طرف دھکیلتے ہوئے وہ ہنس کے
بولی تھی اور سیم بھی مسکراتے ہوئے آفس سے نکل
آیا تھا اور وہ پورا دن بائیک پہ وہ دونوں آوارہ
گردی کرتے رہے تھے، واپسی پہ حبہ اور انابیہ
کے لئے آئسکریم پیک کروا کر لانا نہ بھولے
تھے۔

☆☆☆

وقت کا پہیہ گھومتا رہا، نابیہ اپنی میڈیکل کی
پڑھائی سے فارغ ہو چکی تھی حبہ پری میڈیکل
میں تھی جبکہ سیم پاکستان کا جانا مانا وکیل بن چکا تھا،
جس دن ڈگری اس کے ہاتھ میں آئی تھی، اس
نے سارہ کو جاب چھڑوا کے گھر بیٹھا دیا تھا، سارہ
نے انکار کرنا چاہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر آہستگی
سے بولا۔

''سارہ آپ نے مجھے میری بہنوں کو پڑھا
لکھا کر آج اس قابل بنا دیا ہے کہ آج ہم تینوں
اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو سکتے ہیں اور آج میں
آپ کی وجہ اس قابل ہو چکا ہو کہ آپ کی بوا کی
اور حبہ اور انابیہ کی ذمہ داری آسانی سے اٹھا سکتا
ہوں، پلیز سارہ اس دفعہ انکار مت کیجئے گا مجھے
آج بھی وہ تھپڑ یاد ہے جو میں نے آپ سے
چھپ کر کام کرنے پہ کھایا تھا۔'' بات کو آخر میں
مذاق کا رنگ اوڑھتے ہوئے وہ دلکشی سے مسکرایا
تھا اور پھر سارہ بھی مسکرا دی تھی، ان دنوں گوہر
انکل بیٹے کے کسی دوست کا پرپوزل سارہ کے
لئے آیا تھا، لڑکا باہر سے تعلیم حاصل کر کے صرف
شادی کے لئے پاکستان آیا تھا، جاب کی وجہ سے
وہ وہی سیٹل تھا، لڑکے کی ماں نے حلیمہ آنٹی سے
لڑکی دکھانے کی بات کی تو انہوں نے جھٹ سے
سارہ کا نام لے دیا، حلیمہ آنٹی باقاعدہ ان لوگوں
کو لے کر گھر بھی آئی مگر سارہ نے سوچ کے
بتائیں گے کہہ کر ٹال دیا، بعد میں حلیمہ آنٹی
دوبارہ بھی آئی سارہ کو سمجھایا بھی کہ بہت اچھا
گھرانہ ہے لڑکا جاننے والا ہے تم بس ہاں کر دو۔

''دیکھو بیٹا تم ستائیس کی ہونے والی ہو ابھی اچھے رشتے آرہے ہیں عمر زیادہ ہوئی تو اس سے بڑی ایج کے رشتے آئیں گے لڑکا تمہاری ہی عمر کا ہے ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے تمہارے ساتھ سوٹ بھی کرے گا سچ بتاؤں بیٹا جب الیان نے لڑکی ڈھونڈنے کو بولا تو میری آنکھوں میں چھم سے تم اتر آئی، ماشاء اللہ تم دونوں بہت پیارے ہو جوڑی خوب جچے گی۔'' حلیمہ آنٹی اسے فورس کرتی رہی اور وہ چپ چاپ سنتی رہی، اور پھر اگلے ہی دن اس نے سیم اور بوا سے مشورہ کرکے انابیہ کے لئے وہ رشتہ ڈن کر دیا، حلیمہ آنٹی کے توسط سے آئے رشتے نے انابیہ کو دیکھا انہیں بھی انابیہ پسند آئی، رات تنہائی ملتے ہی انابیہ اس کے سامنے رو دی۔

''میں بوجھ ہوں آپ پہ جو مجھے آپ اتنا جلدی اتار کے پھینک رہی ہیں آپی۔''

''نابی میری جان ایسا بالکل بھی نہیں ہے، تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا ہاں۔'' روتی ہوئی انابیہ کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے وہ بولی۔

''تو پھر کیا بات ہے آپی رشتہ آپ کے لئے آیا تھا آپ نے مجھے آگے کر دیا، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا آپ ہر بار ایسا کرتی ہیں اپنی ہر چیز ہمیں دے دیتی ہیں، اٹ ناٹ فیئر آپی۔'' وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''نابی جانو تم یہ کیسی کیسی باتیں سوچتی ہو، پہلی بات تم تو جانتی ہو ناں مجھے پہلے تم تینوں کی شادیاں کرنی ہے اس کے بعد اپنے بارے میں سوچوں گی، دوسری بات رشتہ بے شک میرے لئے آیا تھا مگر انکار انہوں نے تمہارے لئے بھی نہیں کیا ویسے بھی مجھے پسند شاہ میر کے گھر والوں نے کیا تھا اور جب میں نے تمہارا نام لیا تو ساتھ شاہ میر کو بھی بلوایا تھا تاکہ تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکو اور شاہ میر نے تو پہلی نظر میں ہی تمہیں ڈن کر دیا تھا اسی لئے تمہیں وہ لوگ انگوٹھی بھی پہنا گئے، اگر تمہیں پسند نہیں آیا تو انکار کا حق تمہارے پاس بھی ہے اور نابی ویسے بھی اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے بھی تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔'' انابیہ کو پیار سے سمجھاتے سمجھاتے آخر میں دھیمی آواز میں بولی۔

''آپی!'' انابیہ سے تڑپ کے اسے دیکھا تھا۔

''میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، میں تو گلٹی فیل کر رہی ہوں کہ آپ ہر دفعہ ہمارے لئے قربانی دیتی ہے، میں ہر دفعہ آپ کے کچھ کرنا چاہتی ہوں، آپ ہر بار کسی نہ کسی طریقے سے روک دیتی ہے، میں نے سوچا تھا کہ ہاسپٹل میں جاب کروں گی مگر آپ نے میری ڈیٹ فکس کر دی۔'' انابیہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''میں قربانی کب دیتی ہوں یار میں تو بس اپنا فرض ادا کر رہی ہوں اچھا ناں اب تم ٹینشن مت لو، باقی جاب وغیرہ شادی کے بعد کرتی رہنا اوکے ناں۔'' وہ تحکم بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

''آپی!'' انابیہ جھینپ کے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

☆☆☆

انابیہ کی بات طے ہوتے ہی گھر میں ہلچل سی مچ گئی، لڑکے والوں نے پندرہ دنوں کے اندر اندر رخصتی کروالی لڑکے کو چھٹی کم ملی تھی سو رخصتی جلد ہی کر دی گئی اور پھر ٹھیک رخصتی کے دو ماہ بعد انابیہ شاہ میر کے ساتھ انگلینڈ روانہ ہو گئی، گھر میں دوبارہ خاموشی سی چھا گئی، حبہ کے ایگزیم شروع ہو چکے تھے، سیم صبح کا گیا شام کو واپس آتا اور سارہ سارا دن گھر میں بولائی بولائی پھرتی، اس نے دوبارہ جاب کرنے کا سوچا تو سیم نے سختی

سے منع کر دیا۔

''سارہ پہلے آپ مجبوری کے تحت یہ سب کرتی تھی مگر اب ایسی کوئی مجبوری آپ کو نہیں اور ویسے بھی مجھے اچھا نہیں لگے گا نوکری کے لئے آپ کو خوار ہوتے دیکھ کر۔''

''تو میں کیا کروں سیم تم صبح صبح نکل جاتے تو رات گئے اپنی شکل دکھاتے ہو حبہ کے بھی ایگزیم ہے وہ بھی آج کل بزی ہے، رہ گئی بوا تو وہ بے چاری آخر کب تک میرا دل بہلائیں گے۔'' وہ گلہ کرتے ہوئے بولی۔

''یار آپ بور ہوتی ہیں تو اور بھی بہت سے کام ہیں کرنے کے لائک کے شاپنگ کرنا، ڈرائیور کے ساتھ چلی جایا کریں دل کھول کر شاپنگ کریں ویسے بھی لڑکیوں کو بہت کریز ہوتا ہے شاپنگ کا، آپ پتا نہیں کیسی ہے سر جھاڑ منہ جھاڑ حلیے میں سارا دن پھرتی رہتی ہیں۔'' مسکراہٹ دبائے وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ اسے گھورنے لگی پھر اٹھ کر جانے لگی تو وہ تیزی سے اس کا تھام کر اسے دوبارہ صوفے پہ بٹھاتے ہوئے بولا۔

''اچھا ناراض تو مت ہو میں مذاق کر رہا تھا آپ ایک کام کریں میرے پاس ایک حل ہے آپ دوبارہ پڑھائی اسٹارٹ کر دیں، کیسا؟ آپ بزی ہو جائیں گی اور بور بھی نہیں ہو گی۔'' وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے میں اس بڑھاپے میں اب پڑھائی کروں گی نیور۔'' وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔

''اوہ پلیز سارہ اللہ کا نام لیں ستائیس سال کو اگر آپ بڑھاپا کہتی ہیں تو پھر میں پھر بوڑھا ہوا ناں دو سال ہی تو چھوٹا ہوں آپ سے۔'' وہ لمبی سانس بھرتے ہوئے صوفے پہ ڈھے سا گیا۔

''مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا، اچھا ناں۔'' وہ بولتی بولتی اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی اور وہ اس کی نئی منطق پر کھل کر مسکرا دیا تھا وہ ایسی ہی تھی دو سال تو چھوٹا تھا وہ اس سے مگر وہ اسے یوں ٹریٹ کرتی نجانے بیس سال چھوٹا ہو اس سے۔

☆☆☆

گھر پہ چھائی خاموشی سے وہ اکتا سی گئی تھی حبہ کے ایگزیم ختم ہو چکے تھے مگر وہ کتابی کیڑا تھی ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی، شاید وہ فارغ ہوتی تو کچھ ہلچل ہوتی مگر ایسا کچھ نہ تھا اور تنگ آ کر اس نے نیا منصوبہ بنایا، ناشتے کی میز پہ سب کی موجودگی میں نیا شوشہ چھوڑ دیا۔

''بوا ہم سیم کی شادی نہ کر دیں۔'' اور جوس کا گلاس منہ سے لگائے سیم کو اچھوسا لگ گیا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں حبہ پلیز سارہ کا بی پی تو چیک کرنا ورنہ مجھے سارا دن ٹینشن رہے گی۔'' وہ سنجیدگی سے حبہ سے مخاطب ہوا۔

''میں سیریس ہوں سیم۔'' سارہ نے غصے سے اسے گھورا۔

''یار یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے نئے آئیڈیاز کون دیتا رہتا ہے۔'' اس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر بوائل ایگ کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے وہ بولا۔

''آئیڈیے کون دے گا اچھا ہے ناں تمہاری بیوی کم از کم گھر آئے گی مل بیٹھ کر ہم دو باتیں ہی کر لیں گے، کیوں بوا؟'' سیم کو جواب دے کر اس نے اپنا رخ سخن بوا کی جانب موڑا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا گھر میں رونق ہو جائے گی۔'' بوا نے بھی مشورہ دینا لازمی سمجھا۔

''ہاں بھیا آپی اور بوا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ جلدی جلدی ہاں کریں تو ہم لڑکی تلاش کریں میں تو سوچ سوچ کے پاگل ہو رہی ہوں

پتا نہیں ہماری بھابھی کیسی ہو گی، آپ بس ہاں کریں میری فرینڈز بھی بڑی پیاری پیاری ہے جس پہ انگلی رکھیں گے انکار نہیں کریں گی۔" حبہ جوش وجذبات میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔

"اے پلیز زیادہ ایکسائیٹڈ نہ ہو مجھے نہیں کرنی شادی وادی اور تمہاری سوکھی چمڑی والی دوستوں سے تو بالکل بھی نہیں اور آپ خواتین اپنے بورنگ ٹائم کے کوئی اور آئیڈیاز سوچیے یہ حربہ نہیں چلنے والا بڑی سکون کی زندگی جی رہا ہوں مہربانی ہو گی آپ کی۔" حبہ کی پلیٹ سے ایک اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے وہ پہلے حبہ اور پھر سارہ اور بوا سے بولا اور خدا حافظ کہہ کر تیزی سے واک آؤٹ کر گیا پیچھے سے وہ تینوں منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اور پھر آئے دن سیم کی شادی کی باتیں ہونے لگیں، بوا اور سارہ حد سے زیادہ ایکسائیٹڈ تھی رشتے والی ماسی آئے دن چکر لگاتی ڈھیروں ڈھیر لڑکیوں کی پکچرز لاتی، پکچرز دیکھ دیکھ کر ہی سارہ فدا ہوئی جاتی اور جب سیم گھر قدم رکھتا۔

"اف سیم تم نے یہ لڑکی دیکھی کتنی پیاری ہے ناں اور یہ والی اس کی ہائٹ دیکھی ہے اوہ مائی گاڈ اس کی آئیز چیک کرو کتنی پیاری ہے ناں، کاش میں لڑکا ہوتا اسی سے شادی کرتی۔" اور سیم سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔

"پلیز سارہ یہ سب بند کر دیں میں بہت تنگ ہوں اس ٹاپک سے، یار مجھے شادی نہیں کرنی، پانچ ساتھ سال تو بالکل بھی نہیں مجھے اس فیلڈ میں اپنا نام بنانا ہے یار کیوں مجھے پھنسا رہی ہے جب شادی کرنی ہوئی خود آپ سے آ کر کہوں گا سارہ میری شادی کروا دیں پلیز۔" اور وہ بھی سارہ تھی کب کسی کی سنتی تھی۔

آج بھی رشتے والی ماسی آئی بیٹھی تھی شاید ان کا برا دن تھا، اپنے تھیلے سے پکچر نکال کر بڑے جوش وخروش سے سارہ کو دیکھا رہی تھی، یہی وہ وقت تھا جب سیم نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا، قینچی کی طرح چلتی ماسی کی زبان کو سیم کو دیکھ کر بریک لگا تھا۔

"اچھا بیٹا میں چلتی ہوں پھر آؤں گی۔" سیم کے ماتھے پہ پڑی شکنیں دیکھ کر بوا گھبرا اٹھی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو دوبارہ انے کی اور اس معاملے میں تو بالکل بھی نہیں۔" سیم نے غصے سے ماسی کو گھورا تھا۔

"سیم!" سارہ نے دھیمی آواز میں تنبیہ کی۔

"اے لو نیکی کا تو کوئی زمانہ نہیں ہے۔" ماسی ناک پہ انگلی جمائے ہاتھ نچا کے بولی۔

"پلیز آپ ہم سے نیکی نہ ہی کریں تو بہتر ہے مہربانی ہو گی آپ کی۔" سیم نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

"سیم چپ رہو، آنٹی آپ آئیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ دیتی ہوں۔" سارہ نے آگے بڑھ کر سیم کو ٹوکا اور ماسی کا ہاتھ تھامے لاؤنج سے نکل گئی، سیم نے پھینکنے کے انداز میں بیگ صوفے پر رکھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا طریقہ تھا سیم ایسے بات کرتے ہیں بڑوں سے۔" ماسی کو چھوڑ کر وہ اندر آئی اور سیم پہ چڑھائی کر دی۔

"سارہ پلیز میں بہت تھکا ہوا ہوں، بحث کا بالکل موڈ نہیں میرا۔" صوفے کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موندتے ہوئے وہ بولا، سارہ نے غور سے اسے دیکھا وہ واقعی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"کھانا لاؤں۔" وہ صوفے پہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے وہ بولی۔

''نہیں صرف ایک کپ چائے ساتھ میں ایک پین کلر سر میں بہت شدید درد ہے۔'' انگلی سے کنپٹی مسلتے ہوئے وہ بولا۔

''اچھا تم اپنے روم میں جا کر ریسٹ کرو میں لاتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھی تھی جب سیم نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے واپس بیٹھا دیا تھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہے بوا سے چائے کا کہہ دیں آپ میرا سر دبا ئیں۔'' کہتے ہوئے وہ صوفے پہ نیم دراز ہو کر سارہ کی گود میں سر رکھ کر وہ لیٹ گیا تھا، سارہ نے بوا کو آواز دے کر چائے اور پین کلر کا کہا تھا۔

''سارہ میری شادی کا بہت شوق ہے آپ کو۔'' کافی دیر خاموشی رہنے کے بعد وہ یونہی آنکھیں موندے ہوئے ہولے سے بولا تھا۔

''ارے ہاں میرے بس میں ہوں ناں تو تمہاری آج ہی شادی کرا دوں۔'' وہ ایک دم جوش سے بولی تھی۔

''اور میرے بس میں ہو ناں تو آج ہی شادی کر لیتا مگر وہ نہیں مانے گی۔'' کھوئے کھوئے لہجے میں بولا تھا، چائے کی پیالی میز پہ رکھتی بوا اور سر دباتی سارہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم کسی کو پسند کرتے ہو سیم؟'' وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی تھی، بوا بھی چائے چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''ہاں۔'' دھیمی سی آواز میں ہاں کہتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

''او سوری بٹ تمہیں بتانا چاہیے تھا ناں ہم لوگ ایویں اتنے دنوں سے خوار ہو رہے تھے، چلو شکر ہے تمہیں کوئی پسند تو آیا، میں اور بوا کل ہی اس کے گھر جائیں گے کیوں بوا؟'' جوش سے بولتے ہوئے وہ اینڈ میں بوا سے مخاطب ہوئی تھی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' بوا نے تائید میں گردن ہلائی۔

''اس چیز کا کوئی فائدہ نہیں۔'' سر جھکائے ہتھیلیوں کو مسلتے ہوئے وہ بولا۔

''کیوں فائدہ نہیں؟'' سارہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ نہیں مانے گی میں اسے جانتا ہوں۔'' لہجے میں تھکاوٹ بھری تھی، سارہ نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو سیم تم تینوں کے لئے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں تم ٹینشن نہ لو میں سب مینج کر لوں گی ٹھیک ہے ناں۔'' سیم کا ہاتھ نرمی سے دباتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''سارہ وہ اگر مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا رئیلی میں مر جاؤں گا۔'' سیم نے کرب سے اسے دیکھا تھا نہ جانے وہ کب سے اتنی تکلیف میں تھا، سارہ کو بہت تکلیف ہوئی اس نے سوچ لیا اسے اس لڑکی کے پاؤں بھی پڑنا پڑا تو وہ پڑے گی۔

''پتر کوئی پتا تو چلے کڑی رہتی کدھر ہے کرتی کیا ہے کچھ بتاؤ گے تو ہم جائیں گے ناں ادھر رشتہ لے کر۔'' بوا محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''بس سیم تم صبح ہی ہمیں دفتر جاتے ہوئے ڈراپ کر جانا آگے ہم جانیں اور وہ تم بالکل بھی ٹینشن مت لیا کرو میں ہوں ناں۔'' محبت سے اس کا ہاتھ تھامتی وہ بولی تھی۔

''میں آپ کو ساتھ لے کے نہیں جا سکتا سارہ۔'' وہ حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیوں؟'' بوا تیزی سے بولی۔

''میرے روم میں جو الماری ہے اس میں

سے سب سے آخر میں جو سیف بنا ہے اس میں اس کی تصویر نام پتا سب کچھ لکھا ہوا ہے آپ صبح میرے آفس جاتے ہی وہ سیف کھول کے دیکھ لیجئے گا پھر دونوں مل کے مینج کر لینا کہ آپ کو پھر کیا کرنا ہے کیا نہیں بٹ سارہ......"

"اگر وہ مجھے ناں ملی نہ سارہ آئی سوئیر میں مر جاؤں۔" آنسوؤں بھری نظروں سے سارہ کو دیکھتا ہوا وہ بولا تھا اور تیزی سے اٹھ کر اوپر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"پہلے ہی مجھے بتا دیتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی ناں، اب لگتا ہے جھگڑا ہو گیا ہے دونوں میں اسی لئے پریشان پریشان سا لگ رہا تھا بچہ اللہ رحم کرے بچے پر، پتر صبح تک کیسے وقت کٹے گا میرا تو ابھی سے ہی دل چاہ رہا ہے ابھی ابھی جا کر رشتہ ڈال آؤں۔" بوا بیچاری سیم کی حالت دیکھتے ہی پریشان ہوئی جا رہی تھی۔

"اللہ پہ بھروسہ رکھیں بوا اللہ رحم کرے گا انشاءاللہ۔" سارا بوا کو دلاسا دیتے ہوئے بولی تھی اور بوا "انشاءاللہ" کہتے ہوئے سیم کی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح حبہ کے کالج اور سیم کے آفس نکلتے ہی وہ دونوں سیم کے روم میں چلی آئیں، بس بوا آج کچھ بھی کر کے اس لڑکی کے گھر جائیں گے اور رشتے کے لئے ہاں کروا کے ہی اٹھیں گے، سارہ دراز سے چابیاں نکالتے ہوئے سیف کا لاک کھولتے ہوئے بولی سامنے ہی لاکر میں فریم میں جڑی کوئی تصویر پڑی تھی، سارہ کا نجانے کیوں دل دھڑکا تھا اور بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

"ہاں پتر کچھ بھی ہو جائے ہاں کروا کے ہی اٹھیں گے چاہے ان کے پاؤں ہی کیوں ناں پڑنا پڑے۔" بوا بس اپنی ہی کہیں جا رہی تھی اور سارہ وہ ساکت کھڑی بس تصویر کو گھورے جا رہی تھی۔

"کیا ہوا پتر بہت سونٹری ہے کڑی مجھے پتا تھا سیم کوئی ایسی ویسی پسند نہیں کرے گا اپنی ٹکر کی ہی کوئی ڈھونڈے گا۔" بوا سارہ کو ساکت کھڑی دیکھ کر مسکراتی ہوئی آگے آئی تھی اور تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی اگلے ہی پل وہ خود ساکت رہ گئی۔

"پتر یہ تو تم ہو۔" بوا کے نوکیلے الفاظ اس کے اندر تک کھبے تھے سر پکڑے وہ وہی بیٹھتی چلی گئی۔

"سارہ!" اور اپنی بھولی ہوئی فائل لینے کے لئے واپس آیا سیم سارہ کو اس حالت میں دیکھ کر چونک گیا مگر جب بوا کے ہاتھ میں پکڑی فریم پر پڑا تو ٹھٹک کر وہی رک گیا، اسے آتے دیکھ کر سارہ تیزی سے اٹھی اور فریم بوا کے ہاتھ سے لے کر سیم کے آگے کر دیا۔

"یہ سب کیا ہے سیم۔" ہونٹ کاٹتے سیم نے اپنا سر جھکا دیا۔

"کہو سیم یہ سب مذاق ہے۔" وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب بالکل سچ ہے سارہ میں آپ سے بہت محبت......"

"چٹاخ۔" اگلا فقرہ سارہ کے پڑنے والے تھپڑ نے ہی نگل لیا تھا۔

"میری محبت کو تم یہ رنگ دو گے میں نہیں جانتی تھی۔" غراتے ہوئے ہاتھ میں فریم کو زوردار آواز سے زمین پہ دے مارا تھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تھی جب سیم نے جلدی سے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"آئی رئیلی لو یو سارہ میں مر جاؤں گا آپ کے بغیر۔"

"تو مر جاؤ مجھے پروا نہیں۔" جھٹکے سے

ہاتھ چھڑواتی بھرائی آواز میں بولی اور تیزی سے کمرے سے نکلتی چلی گئی، سیم نے زمین پہ گری ٹوٹی ہوئی فریم کو دیکھا اور گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا ٹوٹی ہوئی فریم سے تصویر نکال کر ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آئی ایم سوری سارہ میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا مگر ہر بار دیتا ہوں۔'' ضبط سے کہتا ہوا وہ اٹھا تھا اور بیڈ پہ جا بیٹھا تھا، بوا نے اسے ہونٹ بھینچے آنسو ضبط کرتے دیکھا اور اس کے قریب چلی آئیں۔

''سیم پتر!'' بس یہ کہنا تھا اور اگلے ہی پل وہ بوا کی گود میں سر رکھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

''اس سے پوچھیں بوا وہ ایسا کیوں کر رہی ہے میں مر جاؤں گا اسے کہیں میرے ساتھ ایسا سلوک مت کریں، پہلے کیوں انہوں نے مجھے اپنے قریب کیا، اب جب میں ان کا عادی ہو گیا ہوں انہیں برا لگ گیا، انہیں کہیں یہ سب مت کریں میں مر جاؤں گا۔'' وہ رو رہا تھا اور بوا اسے دیکھ کر رو رہی تھیں اور دل ہی دل میں سارہ کو سمجھانے کا سوچ رہی تھی انہوں نے دل میں جو عہد کیا تھا کہ ''لڑکی کے پاؤں میں پڑنا پڑا تو وہ پڑیں گی'' وہ اس پہ سنجیدگی سے عمل کرنے کا سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

حبہ اور انابیہ نے سنا اور شاک میں آ گئی شاک کی کیفیت سے نکلتے ہی جو پہلا جملہ ان کے منہ سے نکلا وہ یہی تھا۔

''ہماری بھی یہی خواہش تھی بوا۔''

''اس میں کوئی حرج تو نہیں۔''

''حرج تھا یا نہیں مگر سارہ کچھ سننے کو راضی نہ ہوئی سیم حبہ انابیہ حتیٰ کے بوا کے سمجھانے پر بوا سے بھی بول چال بند کر دی، وہ مجھ سے دو سال چھوٹا ہے کم از کم وہ اسی چیز کا لحاظ کر جاتا۔'' وہ ہر کسی سے بس یہی کہتی اور غصہ چیزوں پر نکالتی جب دیکھتی اثر کسی پر نہیں ہو رہا تو تن فن کرتی اپنے کمرے میں جا کر بند ہو جاتی، سیم نے ہر بار اس سے بات کرنا چاہی مگر وہ کوئی موقع ہی نہ دیتی۔

بوا نے اسے بتایا کہ سیم کو بہت تیز بخار ہے وہ ہوش میں نہیں، وہ ایک دم گھبرا اٹھی مگر اگلے ہی پل وہ بیٹھ گئی کہ وہ اس سے ناراض ہے، اپنے کمرے میں ہی بیٹھ کر ڈاکٹر کو فون ملایا گھر بلایا، بوا کے ہاتھ میڈیسن بھیجی مگر خود اسے دیکھنے تک نہ گئی اور وہ بھی سیم تھا۔

''سارہ کو بلوائیں ورنہ میں میڈیسن نہیں کھاؤں گا۔'' بوا سر پکڑ کر بیٹھ گئی حبہ سارہ کو منتیں کرتی مگر نہ وہ گئی نہ سیم نے میڈیسن کھائی، اسی رات سیم خود بخار میں چل کر اس کے پاس آیا۔

''میرے ساتھ ایسا مت کریں سارہ، مجھے دو سال کے فرق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ پریشان تھا۔

''تمہیں میرے روم میں آنے کس نے دیا؟'' وہ بھڑک اٹھی۔

''میں مر جاؤں گا سارہ۔'' وہ تڑپ اٹھا۔

''تو مر جاؤں جان چھوڑو میری۔'' وہ زور سے چیخی اور زوردار دھکے سے اسے کمرے سے باہر نکال پھینکا، کمزوری کی وجہ سے وہ سامنے لگے پلر سے جا ٹکرایا سر پہ چوٹ بھی لگی مگر اسے پروا نہیں تھی۔

''سارہ...... سارہ...... بات تو سنیں...... پلیز سارہ دروازہ تو کھولیں۔'' وہ ساری رات دروازہ پیٹتا رہا مگر پرواہ کسے تھی، ساری رات وہ بے چین رہی اور نہ جانے رات کے کس پہر جا

کے اس کی آنکھ لگی تھی۔

وہ رات گھٹن بھری تھی یا اسے لگی تھی اس کا سانس گھٹ رہا تھا گھٹن کی وجہ سے اس کی آنکھ کھلی تھی، کمرے میں لائٹ بند تھی اس نے لائٹ جلانے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ بجلی گئی ہوئی تھی نجانے کیوں باہر کسی نے جرنیٹر بھی کیوں نہ چلایا تھا، وہ گھبرا کے اٹھی مگر یہ کیا اس کے نچلے دھڑ میں نجانے کیوں جان جیسے ختم ہو چلی تھی، تبھی کمرے کا دروازہ چڑ رکی آواز سے کھلا تھا، ہلکی سی روشنی کی دھار کمرے میں پھیلی تھی۔

''سنو کوئی ہے تو پلیز پانی کے دو گھونٹ پلا دو۔'' اس نے کہنا چاہ مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی، اسے لگا کمرے میں لمبے لمبے سائے موجود ہوا اور اس کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس نے چیخنا چاہا مگر آواز گھٹ گی تبھی کمرے کی دہلیز پہ کوئی آن رکا سفید کپڑوں میں، جب وہ اس کے قریب آیا تو اس نے دیکھا، وہ سیم تھا، وہ اس کے اوپر جھکا۔

''سیم!''

''پانی۔'' اس نے کہنا چاہا مگر آواز نہ نکلی۔

''سیم!''

''سارہ، میں آپ کو لینے آیا ہوں، چلیں گی ناں میرے ساتھ۔'' وہ اس پہ جھکا پوچھ رہا تھا، تبھی اس نے دیکھا اس کے جسم سے ایک اور جسم نکلا تھا اور وہ دیکھ کر حیران رہ گئی وہ خود تھی مگر وہ تو لیٹی ہوئی تھی اور جو سامنے تھی وہ بھی وہی تھی، وہ ڈر گئی اس نے دیکھا کہ وہ مسکرائی ہے اور سیم نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور آہستہ آہستہ چلتے وہ دونوں کمرے سے نکل گئے دروازہ پہلے کی طرح بند ہو گیا کمرے میں دوبارہ اندھیرا چھا گیا۔

''سیم!'' اس کا وجود وہی پڑا رہا۔

''سیم!'' وہ وہی پڑی چیختی رہی مگر اس کی آواز کسی نے نہ سنی۔

''سیم!'' وہ ایک دم گھبرا کر اٹھی تھی۔

''سیم!'' اس کی زبان پہ ابھی تک وہی لفظ تھا، گلے میں کانٹے چبھ رہے تھے، میز سے بھرا گلاس اٹھا کر اس نے غٹاغٹ چڑھایا تھا، حواس بحال ہوئے تھے چت لیٹی وہ کتنی دیر چھت کو گھورتی رہی نجانے دل کیوں گھبرا رہا تھا۔

خواب...... اس کا دھیان خواب کی طرف گیا نجانے کیسا خواب تھا، ایک دم اسے گھٹن کا احساس ہوا، وہ تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اگلے ہی پل وہ ٹھٹک کر رکی اس کے سامنے والا روم سیم کا تھا جس کی لائٹ آن تھی دروازہ بھی نیم وا تھا، وہ خود کو گھسیٹتی دروازے کے قریب آئی کمرے کا اندرونی منظر سامنے تھا، سامنے ہی بیڈ پہ اوندھے منہ سیم لیٹا تھا، شاید وہ سو رہا تھا پاؤں میں ہنوز جوتے موجود تھے، وہ بغیر آواز پیدا کرتی دروازہ کھول کر دھیرے سے اس کے پاؤں کی جانب آئی جھک کر آگے دیکھا وہ واقعی سو رہا تھا، وہ اطمینان کرتی ہوئی آہستگی سے اس کے شوز اتارنے لگی، شوز اتار کر پاؤں اس کے بیڈ پہ رکھے اور دھیرے سے کمبل اسے اوڑھتے ہوئے وہ مڑی تھی اگلے ہی پل ٹھٹک کر رک گئی، اس نے کچھ دیکھا تھا کیا؟ وہ جھٹکے سے مڑی اور سیم کی ہتھیلی میں دبی وہ چیز دیکھنے لگی، سلیپنگ پلز...... اوہ مائی گاڈ...... سیم...... اگلے ہی پل اس نے جھٹکے سے سیم کے سیدھا کیا۔

''سیم...... آنکھیں کھولو...... سیم۔'' وہ اس پہ جھکی اس کا گال تھپتھپا رہی تھی، سیم نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور بڑے آرام سے سر سارہ کی گود میں رکھ دیا، مگر سارہ کو پرواہ نہ تھی پرواہ تھی تو اس کے منہ کے کنارے نکلتے خون کی اس کے ناک کے دھانے نکلتے خون کی۔

"یہ تم نے کیا کیا سیم؟" آنسو بے آواز گالوں پہ پھسلنے لگے۔

"میں ہر بار کوشش کرتا ہوں آپ کو نہ رلاؤں مگر ہر بار رولا دیتا ہوں۔" وہ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"سیم تمہیں کچھ نہیں ہوگا تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے میں ہوں ناں، تم فکر مت کرو میں کسی کو بلاتی ہوں۔" وہ تیزی سے کہتے ہوئے اٹھی جب سیم نے اس کے دوپٹے کا پلو تھام لیا۔

"آپ تو کہہ رہی تھی میں مر جاؤں تو آپ کو فرق نہیں پڑے گا تو پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔" زخمی سی ہنسی وہ ہنسا تھا، سارہ نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا اور پلو چھڑا کر تیزی سے باہر بھاگی تھی اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ لوگ اسے ہاسپٹل لے کر بھاگے تھے اور سارے رستے وہ اور حبہ سیم کے بے ہوش وجود کو تھامے روتی رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ تین گھنٹے جو وہ ایمرجنسی وارڈ میں رہا، تینوں کی جان سولی پہ اٹکی رہی تھی بوا تو جب تک سیم کی جان خطرے سے باہر نہ نکلی تب تک ان کے نوافل ہی نہ رکے ایمرجنسی روم سے اگلے ہی دن ڈاکٹر نے اسے دوسرے روم میں شفٹ کر دیا۔

انابیہ کی فون کال آئی تو وہ کافی دل برداشتہ تھی شاہ میر کو چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے وہ کافی روئے جا رہی تھی سارہ اور بوا نے اسے سمجھا بجھا کر فی الحال آنے سے روک دیا تھا، سیم کو ابھی ہوش نہ آیا تھا، وہ بوا کو سیم کے پاس چھوڑ کر حبہ کو لے کر سیم کی کچھ ضروری چیزیں لینے گھر آئی تھی۔

کچھ پرہیزی کھانا بھی بنانا تھا خانساماں کے ساتھ مل کر کھانا بنانے کے بعد وہ سیم کے روم میں آئی تھی، وہاں سب جوں کا توں تھا جیسا وہ دو دن پہلے ہی چھوڑ کر گئی تھی، الماری سے سیم کی پریس شدہ شرٹ نکالتے ہوئے وہ ٹھٹکی تھی، کپڑوں کے پیچھے کوئی سیف بنا تھا، کیا تھا اس سیف میں، یہی دیکھنے کے لئے اس نے سیف کھولا اور وہ ساکت رہ گئی، سامنے ہی ایک خوبصورت فریم شدہ تصویر تھی، جس میں وہ مسکرا رہی تھی، تصویر کے آس پاس بے شمار گفٹس پڑے تھے، ہر گفٹ پر ہیپی برتھ ڈے سارہ، ہیپی برتھ ڈے جان جیسے الفاظ درج تھے، تصویر کے ساتھ ہی ایک ریڈ کلر کی ڈائری تھی جسے اس نے احتیاط سے اٹھا لیا تھا۔

"جان سیم کے نام" پہلا صفحہ کھولتے ہی اسے جھٹکا لگا۔

آسمان میں جب کبھی مجھے
زندگی کا اذن ملے
حساب حشر میں جس پل مجھے
نیکیوں کا ثمر ملے
جو بزرگ برتر سے
مجھے تمام ہی اچھی عادتوں کا اجر ملے
میری تمام جائز مخلصانہ کوششوں پر
مجھے امیر زر کا محل ملے
تو میں بس سب کچھ یونہی چھوڑ دوں
ہر اچھے کام کے بدلے
اپنے رب سے تمہیں مانگ لوں
میری رضائے دل ہے یہ کہ
مجھے تم ملو
تم ملو
بس تم ملو

اگلے صفحے پہ جذبات رقم تھے اس نے گھبرا کر درمیان سے کئی صفحات آگے کر دیے۔

"میں جانتا تھا کہ جب میں سارہ سے

اظہار کروں گا تو وہ ناراض ہوں گی مگر اتنا ہوں گی میں نہیں جانتا تھا، وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی مجھے دیکھتے ہی کمرے میں گھس جاتی ہے، وہ کہتی ہے میں مر جاؤں انہیں فرق نہیں پڑنے والا مگر میں جانتا ہوں اگر میں مر جاؤں تو انہیں بہت فرق پڑے گا وہ میرے سامنے بنتی ہے مجھے اگنور کرتی ہے، کہتی ہے میں ان سے دو سال چھوٹا ہوں، تو کیا ہوا چھوٹا ہوں مجھے ان دو سالوں سے فرق نہیں پڑتا انہیں دنیا کا ڈر ہے وہ یہ نہیں جانتی وہ میرا دل توڑ رہی ہیں، یا اللہ! سارہ کا دل میری طرف موڑ دے وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے۔''

آگے جذبات کی بھرمار تھی، اس نے آہستگی سے ڈائری بند کر دی۔

تبھی ایک پکچر ڈائری سے نکل کر اس کے قدموں میں جا گری، اس نے جھک کر پکچر اٹھائی، پکچر میں اس کے ہاتھ میں آئسکریم تھی اور وہ گردن پیچھے گرائے بے تحاشا ہنس رہی تھی اس کے ہاتھ میں تھامی آئسکریم کو سیم دونوں ہاتھوں میں دبوچے کھانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ ہاتھ کھینچ رہی تھی جس کے نتیجے میں آئسکریم سیم کی ناک اور تھوڑی پر لگی صاف نظر آ رہی تھی، اسے یاد آیا یہ واقعہ تو تب ہوا تھا جب سیم اسے راضی کر کے آئسکریم کھلانے لایا تھا، مگر اس نے یہ پکچر کب بنوائی تھی اسے بالکل یاد نہ تھا، گہری سانس بھرتی اس نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا تھا، پیچھے لکھا تھا۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اسے بھی میرے دکھ کا احساس ہے آج اس نے کہہ دیا اتنے اداس ہو تو مر کیوں نہیں جاتے

سارہ نے کرب سے آنکھیں موند لی تھی بہت سے آنسو تیزی سے گال پہ پھسلتے چلے گئے اور واپس جب وہ ہاسپٹل پہنچی تو ہوش میں آنے کے بعد سیم نے ایک بات کی تھی۔

''اب تو بچا لیا اگلی بار نہیں بچا سکو گے۔''

سارہ نے روتی ہوئی بوا اور حبہ کو دیکھا اور صرف کہا تو بس اتنا۔

''میں شادی کے لئے تیار ہوں۔'' حبہ بوا حتی کہ لیٹے ہوئے سیم نے جھٹکے سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ خوش تھا اور بے انتہا خوش تھا خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، وہ کیوں نا خوش ہوتا آج اس کی زندگی اس کے نام ہو چلی تھی آج بارات تھی اور مسکراہٹ تھی کہ مسلسل اس کے ہونٹوں سے چپکی پڑی تھی اور بوا بار بار اس کی نظر اتار رہی تھی دم کر کر کے پھونک رہی تھی، اسٹیج پر سارہ سنجیدہ شکل لیئے بیٹھی تھی مگر سیم کو پرواہ نہ تھی اسے اس کی سارہ مل رہی تھی باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔

رسم ادا ہوتے ہی سارہ کو سیم کے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا، آہستہ آہستہ مہمان بھی کمروں میں سونے چلے گئے حبہ اور انابیہ اندر سارہ کے پاس تھی۔

''خوش ہو؟'' بوا نے سیم کے دمکتے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

''بہت زیادہ آپ جانتی نہیں بوا میرا دل چاہ رہا ہے چیخ چیخ کے ساری دنیا کو بتاؤں کہ جسے میں بچپن سے چاہتا آیا ہوں وہ آج میری ہو گئی ہے۔'' بوا کے ہاتھ ہاتھوں میں دبائے وہ خوشی سے آنکھیں میچتے ہوئے بولا۔

''خدا تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے آمین مگر پتر سارہ بہت ناراض ہے اس دس دنوں میں اس نے نہ میرے سے حبہ نابیہ کسی سے بات

نہیں کی نہ ڈھنگ سے کھانا کھاتی ہے تم پہ بھی غصہ ہوئی تو خاموشی سے سن لینا، تھوڑا ٹائم لگے گا پھر ٹھیک ہو جائے گی۔'' بوا اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''آپ فکر ہی نہ کریں بوا میں ہوں ناں میری محبت کے آگے وہ خود ہی ہار جائیں گی دیکھنا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''اچھا جاؤ شاباش سارہ انتظار کر رہی ہو گی۔'' بوا سا کا کندھ تھپتھپاتی ہوئی اٹھی اور وہ بھی بوا کے ہاتھ پہ بوسا دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا، اوپر چڑھ کے جب وہ اپنے روم کی طرف بڑھا حبہ اور انابیہ اپنے روم میں جاتی ہوئی رک کر ہونٹ دبائے مسکراہٹ چھپانے لگی۔

''what؟'' سیم نے ابرو اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''اندر کا موسم بہت گرم ہے بچ کے رہنا بھیا۔'' نابی مسکراہٹ دبائے بولی تو سیم بھی کھل کر ہنس دیا۔

''دعا کرنا یار میرے لئے۔'' ہنستے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا، دروازہ کھولتے ہی وہ سامنے نظر آئی، بیڈ پہ بیٹھی سیم کی منتظر نہیں، بلکہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس غصے سے چوڑیاں اتارتی ہوئی، سیم گہری سانس بھرتے ہوئے دروازہ لاک کرتے اس کے قریب چلا آیا۔

''میں تو سمجھا تھا آپ میرا انتظار کر رہی ہوں گی، مگر آپ تو کافی غصے میں لگ رہی ہیں۔'' ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''کیا یار میں نے ابھی آپ کو دیکھا بھی نہیں اور آپ سب کچھ اتار رہی ہیں۔'' کوئی جواب نہ پا کر وہ دوبارہ بولا اور اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا مگر وہ بھڑک ہی تو اٹھی۔

''ڈونٹ ٹچ می سیم۔'' آنکھوں میں اتنی نفرت تھی کہ سیم گنگ رہ گیا۔

''مگر سارہ میری......''

''بس سیم میں تمہارے کمرے تک آ گئی یہی کافی سمجھو اس سے آگے نہ تم بڑھو گے نہ میں بڑھوں گی دوسری صورت میں، میں تمہارے کمرے سے تو کیا تمہارے گھر سے بھی نکل جاؤں گی سمجھے۔'' غصے سے غراتی ہوئی انگلی اٹھا کو وارن کرتی وہ ڈریسنگ روم میں جا گھسی، سیم حیرت زدہ سا وہی کھڑا رہ گیا، کوئی ہاف گھنٹے کے بعد وہ بھاری کپڑوں اور جیولری سے جان چھڑوا کر سادہ چہرہ لئے بالکل نکلی اور چپ چاپ بیڈ پر لیٹ کر کمبل اوڑھ لیا سیم آہستگی سے اٹھا اور الماری سے کپڑے نکال کر واش روم میں جا گھسا جب فریش ہو کر باہر آیا تب تک کروٹ بدلے وہ شاید سو چکی تھی چپ چاپ وہ بیڈ کی دوسری طرف جا کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

پندرہ دن گزر گئے، دونوں کے درمیان پہلے دن جیسی سرد مہری تھی زندگی ویسے کے دوسرے دن سے ہی کسی روبوٹ کی مانند گزر رہی تھی، انابیہ شاہ میر کے ساتھ واپس جا چکی تھی حبہ کالج اور سیم آفس چلا جاتا تو پیچھے وہ اور بوا اکیلی گھر میں رہ جاتی تھی، دعوتوں کا سلسلہ تو تب چلتا ناں جب سارہ مانتی جب بھی سیم کے کسی دوست یا جاننے والے دعوت کرتے تو سارہ انکار کر دیتی وہ چپ ہو جاتا وہ سارہ کو ٹائم دینا چاہتا تھا مگر وہ تو ٹس سے مس ہوتی نظر نہ آتی، پہلے کی طرح وہ آفس سے آتا اِدھر اُدھر کی ڈھیروں باتیں کرتا تو چپ چاپ سنے جاتی یا اٹھ کر چلی جاتی وہ ہرٹ ہوتا مگر بوا اسے تسلیاں دیتی سمجھاتی، وہ نئے سرے سے اسے منانے لگ جاتا، اس دن وہ آفس میں تھا جب سارہ کا فون آیا۔

"گھر کی گاڑی ورکشاپ میں ہے پلیز تم اپنی گاڑی بھجوادو مجھے مارکیٹ جانا ہے کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

سیم نے ڈرائیور سمیت گاڑی بھجوادی آج کل وہ خاصا بزی تھا کسی سیاسی لیڈر کے کیس پر وہ آج کل کام کر رہا تھا حبہ سیلاب زدگان کے سلسلے میں اپنی ٹیم کے ہمراہ آج کل ایک گاؤں میں کیمپ لگائے ہوئے تھی اور بوا دو دن پہلے ہی گاؤں اپنے بیٹے سے ملنے گئی تھی وہ اور سارہ گھر ہی تھے سارہ کی ناراضگی ہنوز برقرار تھی آج کی کال بھی حبہ اور بوا کے نہ ہونے کی وجہ سے اس نے خود کی تھی ورنہ انہیں میں سے کسی سے کروا لیتی، اسے یاد آیا اسے آج رحمٰن ملک (سیاسی لیڈر) سے ہر حال میں ملنا تھا، ڈھائی تین گھنٹے بعد جب وہ کام سے فارغ ہوا تو اسے خیال آیا کہ جانے سے پہلے رحمٰن ملک کی سیکرٹری کو ہی بتا دے کہ وہ آ رہا ہے، فون کی چوتھی ہی بیل پہ ان کی سیکرٹری نے کال اٹھائی تھی۔

"سوری سر آج آپ سے نہیں مل سکتے ان کی ایک رشتہ دار کی آج سپر مارکیٹ میں ہونے والے بم دھماکے میں ڈیتھ ہوگئی ہے۔" اس کے سلام کے جواب کے بعد سیکرٹری نے اسے بتایا۔

"کب تک ملاقات متوقع ہے؟" سیم نے پوچھا۔

"جی یہ میں سر سے کنفرم کر کے آپ کو اطلاع کر دوں گی۔" سیکرٹری کے خدا حافظ کہتے ہی وہ فون بند کر کے سیدھا ہوا اگلے ہی پل جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سپر مارکیٹ میں دھماکہ، اوہ مائی گاڈ، سارہ بھی صبح وہی جانے کا کہہ رہی تھی۔" اسے تین گھنٹے پہلے کی گئی سارہ کی فون کال یاد آئی اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ تیزی سے سارہ کا نمبر پریس کرنے لگے۔

"پاورڈ آف۔" دوسری طرف بار بار فون آف ہونے کی ریکارڈنگ سنائی جانے لگی، تیزی سے موبائل اٹھا کر وہ آفس سے باہر نکلا، سامنے فرحان (دوست) کا کیبن بنا تھا، جلدی سے فرحان سے اس کی کار کی چابی لے کر وہ باہر کی جانب بھاگا انگلیاں مسلسل سارہ کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

"ہیلو۔" گھر فون کرتے ہی رشیدہ (کام والی) کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو! رشیدہ میں سیم رشیدہ سارہ گھر پر ہے کیا؟" گاڑی روڈ پہ لاتے ہی اس نے فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی۔

"نہیں صاحب جی بی بی جی تو صبح سے مارکیٹ کا بتا کے نکلی تھی۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔

"رشیدہ میری بات سنو سارہ جیسے ہی گھر آئے مجھے اسی نمبر پہ کال کر دینا ٹھیک ہے۔" وہ ٹرن لیتے ہی جلدی سے بولا۔

"صاحب جی ادھر ٹی وی پر دکھا رہے ہے جہاں بی بی جی مارکیٹ میں ہے وہاں جی بڑا وڈھا دھماکہ ہوا ہے۔" رشیدہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رشیدہ میں وہی جا رہا ہوں دعا کرنا سارہ ٹھیک ہو۔" سیم تھکی تھکی آواز میں بولا اور کال بند کر دی، مارکیٹ میں ہر طرف خوف ہراس پھیلا تھا ٹوٹی پھوٹی دکانیں ہر طرف خون بکھرا پڑا تھا دور جاتی ایمبولینس کی آوازیں مارکیٹ خالی میدان سا منظر پیش کر رہی تھی، وہاں کسی ذی روح کا نام نشان تک نہ تھا، سارا دن ہسپتالوں میں مردہ خانوں ایمرجنسی وارڈ ہر جگہ وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ نہ تھی گھر بھی دو تین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

چکر لگائے مگر بے سود، تھکا ماندہ اجڑی حالت میں رات گئے جب وہ لوٹا تو رشیدہ اس کی طرف دوڑی چلی آئی۔

''صاحب جی بی بی جی کا کچھ پتا چلا؟'' سیم خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''صاحب جی پانی پی لیں۔'' وہ سر پکڑے بیٹھا تھا جب رشیدہ پانی کا گلاس لئے چلی آئی۔

''رشیدہ وہ کہاں ہوگی اس وقت میں نے اسے ہر جگہ ڈھونڈا، وہ مجھے نہیں ملی، میں اسے کہاں ڈھونڈوں؟'' وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا، رشیدہ کو اس کی بکھری حالت پہ ترس آیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی لاؤنج کے دروازے پہ کھٹکا ہوا وہ چونک کے سیدھا ہوا اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گیا، دروازے میں سارہ کھڑی تھی، صحیح سلامت اسے لگا وہ پھر سے جی اٹھا ہے، اگلے ہی لمحے وہ ایک ہی جست میں اس کے قریب پہنچا۔

''سارہ تم ٹھیک ہوناں۔'' خواب کی کیفیت میں اس کے چہرے کو چھوا یہ یقین ہوتے ہی کہ واقعی وہ زندہ ہے اور پھر سختی سے خود سے بھینچ لیا کتنی ہی دیر وہ اسے سینے سے لگائے اس کے بال پیشانی گردن چہرے پر اپنی محبت رقم کرتا رہا اور وہ ساکت کھڑی اس کی دیوانگی دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

سیم ہاتھوں کو رگڑتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا، بلیک جینز پہ اس نے گرے ہائی نیک پہن رکھی تھی کچن میں سارا کو دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت ہوئی اس نے بھی گرے سوٹ پہ بلیک شال شانوں پہ پھیلا کر رکھی تھی۔

''واؤ یعنی دل سے دل کو راہ غالباً اسے ہی کہتے ہیں مجھے کافی کی طلب کھینچ لائی اور آپ کافی ہی بنا رہی ہو۔'' وہ چہکتا ہوا آگے آیا اس کی آواز سن کر سارہ نے بے ساختہ گردن گھما کے اسے دیکھا تھا جو آنکھوں میں نئی چمک لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا، کچھ دن پہلے کا منظر یاد آیا تھا وہ اس کی نظروں کا مقابلہ نہ کر سکی۔

''بوا اور حبہ نے چائے کی فرمائش کی تھی وہ دے کر آئی ہوں انہیں۔'' وہ صفائی دیتے ہوئے بولی۔

''سب کا خیال ہے میرا نہیں۔'' اسے ستانے کو وہ بولا لہجے میں مصنوعی خفگی بھر لی۔

''جانتی ہوں سردیوں میں تمہیں کافی بہت پسند ہے میں بس دینے ہی آ رہی تھی۔'' نجانے کیوں اسے لگا کہ اسے نظر انداز کرنے پہ وہ خفا ہو گیا ہے، جلدی سے بولی تھی، اسے سارہ کے ہاتھ کی کافی بہت پسند تھی اور وہ ہمیشہ سے ہی اسی سے ہی بنوا کر پیتا تھا کافی کے مگ کے ساتھ بوائل انڈے سارہ نے اس کے سامنے رکھے تھے۔

بیٹھیں ناں ساتھ میں کافی پیتے ہیں) اسے باہر کی جانب جاتا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا تھا سارہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''نہیں مجھے نیند آ رہی ہے۔'' کہتی ہوئی باہر نکل گئی، مسکراہٹ بے ساختہ ہونٹوں پہ رینگی تھی، اس کے پیار کا جادو کام آ رہا تھا، یعنی وہ آہستہ آہستہ ہی سہی لائن پہ آ رہی تھی۔

☆☆☆

آج حبہ کی فرمائش پہ وہ کچن میں گھسی ہوئی تھی عام دنوں میں خانساماں کھانا بناتا تھا مگر آج حبہ نے پلاؤ کی فرمائش کی تھی جو اسے سارہ کے ہاتھ کے ہی پسند تھے۔

پلاؤ دم پہ تھا رائتہ بنا کر فریج میں وہ رکھ چکی تھی کباب پین میں فرائی ہو رہے تھے اور وہ خود سلاد کاٹ رہی تھی، سیم اس وقت آفس میں تھا اس کا ٹیکسٹ آیا تھا۔

''میں بھی کھاؤں گا پلاؤ کباب، کیا کر رہی ہو۔'' کے جواب میں سارہ نے لنچ کے متعلق بتا دیا تھا مینو سن کر اس کے منہ میں پانی آ گیا تھا، وہ جانتی تھی پلاؤ کباب حبہ اور سیم کی فیورٹ ڈش ہے۔

''آ جاؤ لنچ پہ۔'' سارہ نے جلدی جلدی ٹائپ کیا، دوسری طرف سیم حیرت سے بار بار اس کا میسج پڑھ رہا تھا آج واقعی حیرت انگیز دن تھا وہ نہ صرف اس کے میسجز کا ریپلائے کر رہی تھی بلکہ اسے لنچ پہ گھر بھی بلا رہی تھی۔

''نہیں آ سکتا ناں یار ایک کیس پہ کام کر رہا ہوں کل عدالت میں لازمی جمع کروانا ہے، آپ ایسا کریں ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیں۔'' سیم نے مجبوری بتا کر حل بھی پیش کر دیا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے میں بھجوا دیتی ہوں بٹ تم یاد سے کھا ضرور لینا یہ نہ ہو کام کے پیچھے کھانا کھانا ہی بھول جاؤ۔'' سارہ کا جوابی ٹیکسٹ پڑھ کر وہ پریشان ہو چلا تھا، اسے کب بھلا وہ کبھی سیدھی منہ بلاتی تھی اور آج کل وہ اس کی کوئی بات رد نہ کرتی تھی بلکہ پہلے سے زیادہ اس کا خیال رکھنے لگی تھی، وہ جانتا تھا بیچ میں کھڑی اجنبیت کی دیوار بہت جلد گرنے والی تھی اور وہ دن زیادہ دور نہیں تھا، سوچتے ہوئے بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ رینگنے لگی تھی، سارہ کام چھوڑ چھاڑ وہ سارہ کے خوش کن خیالوں میں کھو گیا تھا، اسے بالکل یاد نہ رہا تھا کہ اسے کیس کی تیاری بھی کرنا تھی۔

☆☆☆

حلیمہ آنٹی کی بہو کی ماں کی ڈیتھ ہو گئی تھی حلیمہ آنٹی کی بہو شائستہ سارہ کی دوست بھی تھی ویسے بھی حلیمہ آنٹی کی وجہ سے ان کے گھر کافی آنا جانا بھی تھا، وہ آفس میں تھا جب سارہ نے اسے کال کی تھی اور شائستہ کی مدر کی ڈیتھ کا بتایا تھا، بوا کے گھٹنوں میں شدید درد ہے وہ تو نہیں جا سکے گی اور حبہ کے آج کل ایگزیم ہو رہے ہیں اس کا بھی نکلنا مشکل ہے، ہم دونوں کو ہی جانا پڑے گا۔

''عدالت میں کچھ کام نمٹانا ہے پھر میں آتا ہوں ساتھ میں نکلتے ہیں۔'' سیم نے فون بند کر دیا، اس دن وہ دونوں شائستہ کے گھر آئے تھے۔

شائستہ کی حالت بھی کچھ ٹھیک نہ تھی، وہ پریگننٹ تھی سارہ کو اسے سنبھالنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔

''نکلتے ہیں اب۔'' جنازے کے بعد سیم اس کے پاس آیا تھا۔

''حلیمہ آنٹی لوگ تو آج رکیں گے میرے خیال سے مجھے بھی رک جانا چاہیے، حلیمہ آنٹی نے ہر مشکل وقت پہ ہمارا ساتھ دیا ہے ہمیں بھی اس وقت انہیں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے ویسے بھی شائستہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں حلیمہ آنٹی کہاں سنبھالتی پھریں گی اسے۔'' آس پاس دیکھتے ہوئے سارہ دھیرے سے بولتے ہوئے اس کے قریب ہوئی تھی۔

''اوکے آپ یہی رہ لیں پھر، میں بھی رک جاتا مگر صبح یہاں سے عدالت جانا مشکل ہوگا اور ویسے بھی حبہ اور بوا گھر اکیلی ہوں گی۔'' سیم دھیرے سے بولا تھا، ایک دو باتوں کے بعد وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔

''میں رات کو کال کروں گا پھر۔'' جاتے جاتے وہ بولا تھا اور وہ سر ہلا گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا کر رہی تھی۔'' وہ شائستہ کو گرم دودھ پلا کر سونے کا کہہ رہی تھی جب سیم کی کال آئی تھی ایک نظر شائستہ کو دیکھ کر اسے سوتا چھوڑ کر وہ ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

''کچھ نہیں شائستہ بہت ڈسٹرب تھی ابھی اسے ہی سلا رہی تھی، تم اب تک جاگ رہے ہو؟'' بے ساختہ کہتے ہوئے نگاہ کھڑکی سے اندر گھڑی تک جا رکی تھی جو رات کے پونے دو بجا رہی تھی۔

''آپ بھی تو جاگ رہی ہیں ناں۔'' وہ بھی دوبدو بولا دوسری طرف بے ساختہ خاموشی چھا گئی۔

''میں بس سونے ہی والی تھی۔''

''میرے بغیر نیند آ جائے گی آپ کو۔'' رات کی خاموشی میں سیم کی سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''پہلے کون سا تمہارے ساتھ سوتی تھی۔'' وہ جلدی سے بولی پھر پچھتائی تھی جب دوسری طرف سیم کی زخمی ہنسی سنائی دی تھی۔

''بہت سیلفش ہیں آپ سارہ، میرا آپ کے بغیر یہاں دم گھٹ رہا ہے خالی کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے اور آپ ہیں کہ۔'' بات ادھوری چھوڑ دی، کتنی دیر دونوں طرف خاموشی چھائی رہی۔

''میں فون رکھتی ہوں پھر بات کروں گی۔'' کتنی ہی دیر بعد وہ بولی بھی تو کیا۔

''سنیں سارہ۔'' وہ جلدی سے بولا تھا، مبادا کہ وہ واقعی فون بند کر ہی نہ دے۔

''آپ کو صبح کب لینے آؤں۔''

''سیم میں سوچ رہی تھی کہ حلیمہ آنٹی لوگوں کے ساتھ ہی آؤں وہ لوگ سوئم کروا کے ہی آئیں گے شائستہ کو بھی ساتھ لے آئیں گے پھر پیچھے کون ہے اسے سنبھالنے والا، گھر کو بھی بند کر دیں گے پہلے حلیمہ آنٹی کہتی تھی دسواں کروا کے ہی گھر بند کریں مگر اب سوئم تک ہی رہنا چاہتی ہے اسے لئے میں سوچ رہی تھی میں بھی تب تک.....''

دوسری طرف مسلسل خاموشی پا کے نجانے وہ کیوں بات کو ادھورا چھوڑ گئی تھی۔

''سیم!'' گھبرا کے موبائل کان سے ہٹا کر دیکھا کال چل تھی تبھی وہ بے ساختہ سیم کو پکار بیٹھی۔

''سارہ!'' سیم کی آواز میں نجانے کیسا درد تھا وہ بے اختیار جی کہہ بیٹھی۔

''آئی ریئلی مس یو۔'' دھیمی سرگوشی میں سارہ کو اپنے گال تپتے محسوس ہوئے، کیسا دلربا انداز تھا، خاموشی سے کال کاٹ کر وہ اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے ساتھ وہی ٹیرس پہ گھٹنوں پہ سر رکھ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

نابیہ کے گھر بیٹا ہوا تھا اس کی فون کال آئی تھی گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی سارہ اتنی خوش تھی کہ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اڑ کے نابیہ کے پاس پہنچ جائے، بوا نے اسی خوشی میں پورے محلے میں مٹھائی بانٹی تھی اور سیم، وہ آج کسی کیس کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تھا موسم ابر آلود ہونے کی وجہ سے اس سے رابطہ نہ ہو پا رہا تھا، اس رات وہ دو بجے گھر میں داخل ہوا تھا اس کا خیال تھا سارا گھر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہو گا مگر اپنے روم میں داخل ہوتے اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا سارہ کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی اسے خوشگوار حیرت ہوئی اسے لگا وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی ہے۔

''خیریت آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔'' وہ مصنوعی حیرت لئے بولا اور سارہ اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف آئی۔

''سیم...... سیم...... سیم تم کہاں تھے اب تک، تمہیں نہیں پتا میں آج بہت خوش ہوں۔'' بازو سے پکڑ کر باقاعدہ سیم کو گھما ہی ڈالا تھا۔

''آریواو کے ناں سارہ۔'' سیم کو اسے خوش دیکھ کر خوشی ہوئی آج وہ اسے پرانی کھوئی ہوئی سارہ لگی تھی۔

''تمہیں پتا ہے سیم نابی کے گھر بیٹا ہوا ہے تم ماموں اور میں خالہ بن گئی ہوں۔'' اگلے لمحے وہ سیم کے دونوں ہاتھ تھامے چہکتے ہوئے بولی۔

''ریئلی۔'' سیم نے جوش سے اس کے ہاتھ دبائے اس کے ہاتھوں کی حدت اور سیم کی جذبات بھری سرگوشی کا اثر تھا کہ اگلے ہی پل وہ اس کے گلے جا لگی تھی۔

''بالکل سچ سیم میں بہت بہت بہت خوش ہوں کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔'' اپنے جذبات اس پہ انڈیل کے وہ الگ ہو کر اسے دیکھنے لگی، خوشی میں اسے یہ خیال تک نہ گزرا کہ وہ کیا حرکت کر چکی ہے۔

''میں بھی بہت خوش ہوں سارہ، مگر مجھے خوشی اس بات کی زیادہ ہوئی ہے کہ آج آپ خود میرے قریب آئی ہیں۔'' سیم نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر دھیمی آواز میں سرگوشی کی تھی اور اگلے ہی پل جھک کے اس کے دونوں ہاتھ چوم لیا، سارہ ایک دم جیسے ہوش میں آئی تھی اور اگلے ہی لمحے اس سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی طرف لپکی۔

''سارہ!'' جذبوں سے مخمور لہجے میں سیم نے اسے پکارا نجانے اس کی آواز میں ایسا کیا تھا دروازہ کھولتے اس کا ہاتھ ہینڈل پہ جیسے جم سا گیا، پلٹ کے اسے دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا آنکھوں میں جیسے التجا سی تھی، اگلے ہی پل وہ جھپاک سے باہر نکل گئی اور پیچھے سیم سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا، اس کا انتظار کرتے کرتے نجانے کب آنکھ لگ گئی تھی اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔

☆☆☆

مسلسل بجتے الارم کی وجہ سے اس کی آنکھ کھلی تھی، آنکھ کھلتے ہی ایک پل کو اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کہاں ہے مگر جب بیڈ کے دوسرے سرے پہ سوئے سیم پہ نظر پڑی تو اسے سب یاد آ گیا، رات وہ فجر ٹائم پہ کمرے میں آئی تھی تب تک سیم سو چکا تھا، ٹائم پیس مسلسل شور کر رہا تھا، سیم کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اس خیال سے اس نے اٹھ کر ٹائم پیس بند کرنا چاہا مگر سیم کی نیند ڈسٹرب ہو چکی تھی شاید وہ کروٹیں بدلنے لگا اور ٹائم پیس اٹھانے کے چکر میں اونچی ہوتی سارہ، سیم کی گرفت میں آ گئی، سینے پہ وزن پڑتے ہی سیم نے پٹ سے شرارتی بچے کی طرح آنکھیں کھول دی سارہ کو بازو کے حلقے میں دیکھ کر وہ دلکشی سے مسکرایا۔

''صبح صبح جگانے کا یہ انداز مجھے پسند آیا۔'' آنکھوں میں نیند کا خمار لئے وہ دھیرے سے بولا سارہ نے شپٹا کے اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، ایک دم وہ نظریں جھکا گئی۔

''میں وہ......الارم بند کرنے لگی تھی تو......'' وہ فقط اتنا ہی بول سکی۔

''اچھا بہانہ ہے۔'' سیم نے اسے چھیڑا وہ سیم کا حلقہ توڑ کر تیزی سے بیڈ سے اتری۔

''کہاں جا رہی ہے؟'' سیم نے اسے ڈریسنگ روم میں گھستے دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔

''تم اٹھ جاؤ آفس سے دیر ہو جائے گی۔'' جواب دینے کی بجائے وہ اسے اٹھنے کی تاکید کرتی الماری کی طرف بڑھی، دل کی دھڑکنیں حد سے زیادہ ہی تیز تھی۔

''آپ چاہتی ہے سنڈے کے دن بھی میں آفس جاؤں۔'' شوخی سے کہتے ہوئے اس نے سارہ کو دیکھا جو سنڈے کا سن کر ڈھیلی پڑ گئی تھی، سیم کے چہرے پہ خواہ مخواہ مسکراہٹ رینگنے لگی۔

''بیویاں تو سنڈے کا سن کر اتنا خوش ہوتی ہے کہ شوہر کے ساتھ ٹائم سپنڈ کریں گی ایک آپ

ہیں کہ میرے گھر میں ہونے کا سن کے ہی افسردہ ہو جاتی ہیں۔'' سیم نے اسے چھیڑا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' سیم کے نکالے کپڑے واپس الماری میں سیٹ کرتے وہ بولی۔

''ریئلی ایسی بات نہیں تو آپ پھر خوشی محسوس کرتی ہے میرے گھر رہنے پہ۔'' وہ جوش سے بولا۔

''اب میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔'' کہتی ہوئی وہ جھپاک سے واش روم میں گھس گئی اور سیم دھڑام سے دوبارہ بستر پہ گر گیا۔

☆☆☆

صبح اس نے ایسے ہی سرسری ذکر کیا تھا کہ اس کے ایک کولیگ نے سیم اور سارہ دونوں کو اپنی ویڈنگ پارٹی میں انوائٹ کیا ہے، وہ جانتا تھا سارہ ایسی کسی پارٹی میں نہیں جائے گی غصے میں ہی سہی مگر شادی کے بعد وہ نہ کسی جاننے والے (جنہوں نے دعوت کی تھی) کی دعوتوں میں گئی تھی اور نہ ہی سیم کے کسی دوست کی دعوت پہ گئی تھی، صبح بھی وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں جائے گی مگر اس وقت اسے شدید ترین جھٹکا لگا جب شام کو وہ واپس لوٹا تو بلیک جھلملاتی ساڑھی میں ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کے ساتھ وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی اوپر سے کمر سے نیچے جاتے سٹریٹ کھلے سلکی بال اسے مزید دلکش بنا رہے تھے بوا کے ساتھ کسی بات پہ کھل کے ہنستی وہ اردگرد سے بے خبر تھی۔

''ارے سیم تم آ گئے؟ بیٹا کب سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے تم دونوں کو کسی پارٹی میں جانا تھا ناں۔'' بوا کی نظر اچانک ہی اس پہ پڑی تھی۔

''جی بوا میں بس دس منٹ میں تیار ہو کر آیا۔'' حیرت سے سارہ کو دیکھتے ہوئے وہ خوشی کو اندر ہی اندر دباتا تیزی سے کمرے میں جا گھسا۔

جس وقت وہ پارٹی میں پہنچے سورج آہستہ آہستہ ڈھل چکا تھا، سیم کے دوست اور ان کی وائف نے انہیں گیٹ پہ ہی ریسیو کیا تھا۔

''سیم ویسے ہی آپ کی تعریفیں نہیں کرتا سارہ، جیسا سنا اس سے بڑھ کر پایا آپ کو۔'' (سیم کے دوست) کی وائف نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور جوش سے بولی تھی سارہ جھینپ گئی، سارا وقت پارٹی میں وہ حسن کی وائف کے ساتھ ساتھ رہی سنیاء اسے مختلف لوگوں سے ملواتی رہی، کھانا کھانے کے بعد وہ سیم اور حسن کے ساتھ ایک ٹیبل پہ بیٹھی تھی کافی چل رہی تھی، جب حسن سیم کو کسی سے ملوانے لے گیا تھا۔

''ہیلو۔'' وہ بور ہو رہی تھی، جب ایک انتہائی خوبصورت لڑکی اس کے قریب آ کے بیٹھی تھی سارہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔'' وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔

''شیور۔'' سارہ آہستگی سے بولی۔

''آپ مجھے نہیں جانتی مگر میں آپ کو جانتی ہوں سارہ، آپ سیم کی وائف ہے ناں۔'' وہ جو کوئی بھی تھی بلا کی پر اعتماد تھی۔

''جی...... مگر آپ کون؟'' سارہ ہچکچائی۔

''میں سونیا سیم کی کلاس فیلو۔''

''اوہ...... اچھا۔'' سارہ خوش دلی سے مسکرا دی۔

''ویسے ایک بات پوچھوں آپ سے۔'' سونیا بولی۔

''جی پوچھیں۔''

''میں مانتی ہوں آپ خوبصورت ہیں پڑھی لکھی بھی لگتی ہیں، آپ کو اچھے سے اچھا رشتہ بھی

مل سکتا تھا پھر سیم سے شادی کیوں کی؟'' سارہ کے مسکراتے ہونٹ ایک دم سکڑے تھے۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟'' دھیمی مگر سخت آواز میں وہ بولی۔

''میں اور سیم کلاس فیلو تھے، سیم جانتا تھا کہ میں اسے پیار کرتی ہوں مگر وہ اگنور کرتا رہا اس لئے صرف کہ وہ آپ سے پیار کرتا تھا، ایسا کیوں بھلا، آپ تو اس سے پیار نہیں کرتی ناں پھر آپ نے اس سے شادی کیوں کی اور پھر آپ تو اس سے دو سال بڑی بھی ہیں ناں اسی بات کو ایشو بنا کر آپ انکار کر دیتی مگر آپ......''

''بس......'' اس کی بات کاٹ کر سارہ ایک دم اٹھی تھی۔

''یہ میرا اور سیم کا ذاتی معاملہ ہے اور میں اس سے بڑی ہوں وہ جانتا ہے میں نے اس سے شادی کیوں کی اس کے پیچھے جو ریزن ہے وہ تم اسی سے پوچھنا۔'' غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہتی وہ ٹک ٹک کرتی دور کھڑے حسن اور کچھ لڑکوں کے درمیان کھڑے سیم کے سر پہ جا پہنچی۔

''مجھے گھر جانا ہے......'' اور لڑکوں کے درمیان کھڑے سیم نے چونک کے اسے دیکھا۔

''خیریت...... مجھے گھر جانا ہے۔'' سپاٹ چہرہ لئے وہ بولی، سیم دوستوں سے معذرت کرتا اسے سائیڈ پہ لے آیا۔

''سارہ تھوڑی دیر اور...... مجھے ابھی گھر جانا ہے تمہیں رکنا ہے تو رکو میں ٹیکسی سے چلی جاتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولتی دو قدم آگے بڑھی جب سیم نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا ہے۔

''او کے سارہ ریلیکس چلتے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ حسن اور سنیاء کی طرف آیا اجازت چاہی وہ کافی ناراض بھی ہوئے تھوڑی دیر رکنے کا بھی کہا مگر وہ سہولت سے ٹالتا ہوا پھر کبھی آنے کا کہہ کے چلا آیا، سارا رستہ وہ سارہ کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر یہی سوچتا رہا کہ آتے ہوئے تو وہ کافی خوش تھی پھر ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ وہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

گھر آتے ہی سارہ اپنے روم میں جا گھسی جبکہ وہ سیدھا لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی بوا اور حبہ کے پاس آ بیٹھا کافی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا پھر اپنے روم میں چلا آیا، اسے لگا سارہ چینج کر چکی ہوگی مگر اسے بے چینی سے کمرے میں ٹہلتا دیکھ کر وہ پریشان سا ہو گیا۔

''آر یو او کے سارہ...... آپ ٹھیک تو ہے ناں، کوئی پریشانی ہے کیا۔'' وارڈ روب کی طرف بڑھتے قدم رکے تھے تیزی سے وہ اس کے قریب آئی تھی۔

''میں نے تمہیں کہاں تھا ناں مت کرو، مت کرو مجھ سے شادی، بڑی ہوں میں تم سے، کوئی جوڑ نہیں میرا تمہارا، لوگ ہنسیں گے، تماشا بنائیں گے، مگر نہیں تمہیں شوق چڑھا تھا مجھ سے شادی کا، اب دیکھ لیا ناں لوگ مجھ پر ہنستے ہیں میرا مذاق بناتے ہیں، مگر تمہیں کیا تم خوشیاں مناؤ، لیکن ایک بات یاد رکھنا اب میں خاموش نہیں بیٹھوں گی، منہ توڑ دوں گی اس کمینی کا، تمہیں کس نے کہاں تھا، کسی نے مشورہ دیا تھا مجھ سے شادی کرنے کا، اسی سے کر لیتے، کم از کم میرا مذاق تو نہ بنتا ناں۔'' وہ اس کا گریبان پکڑے مسلسل جھنجھوڑتے ہوئے سیم کو اپنے حواسوں میں نہ لگی تھی۔

''سارہ بی ریلیکس، پلیز یہاں بیٹھیں، مجھے بتائیں کیا ہوا۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

''نہیں کرنی مجھے تم سے بات، نہیں رہنا

مجھے تمہارے ساتھ، تم اس...... اس اپنی سونیا کے پاس جاؤ، بس مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بپھر اٹھی تھی، سیم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''کیا کہا آپ سے سونیا نے، مجھے بتائیں سارہ۔'' سیم نے اسے بازو سے تھامنا چاہا۔

''ڈونٹ ٹچ میں، دفع ہو جاؤ، میں نے کہا ناں جاؤ تم اپنی سونیا کے پاس۔'' وہ زور سے چلائی۔

''سارہ!'' وہ کراہا۔

''میری بات......''

''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بات، جاؤ تم یہاں سے۔'' وہ اسے دھکا دیتے بولی وہ الگ بات مضبوط جسامت کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ سرکا، کتنی ہی دیر وہ چپ چاپ سارہ کو دیکھتا رہا پھر آہستگی سے مڑا۔

''ٹھہرو تم ایسے نہیں جاؤ گے پہلے مجھے طلاق دو پھر اس کمرے سے باہر جانا۔'' دروازے کے ہینڈل پہ رکھا سیم کا ہاتھ ساکت ہوا تھا۔

''سارہ!'' وہ بے یقین سا واپس مڑا۔

''سنا تم نے پہلے مجھے طلاق......'' اگلے ہی لمحے پڑنے والا تھپڑ اتنا شدید تھا کہ باقی بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی، سیم نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال مٹھی میں بھر لئے۔

''آئندہ ایسی بات منہ سے نکالی ناں تو اپنے ساتھ ساتھ آپ کی جان بھی لے لوں گا سمجھی اور رہی سونیا تو اسے تو میں نہیں چھوڑنے والا۔'' اسے زور سے جھٹکا دے کر خود سے الگ کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کیا گھر سے ہی نکلتا چلا گیا اور پیچھے وہ منہ پہ ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

☆☆☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب وہ نڈھال سا گھر داخل ہوا تھا لاؤنج کی لائٹ آف تھی جس کا مطلب تھا بوا اور حبہ اپنے اپنے روم میں جا چکی تھی وہ گہری سانس بھرتا ہوا اپنے روم کی طرف چلا آیا آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا سامنے ہی وہ کروٹ بدلے شاید سو رہی تھی، چاپ پیدا کیے بغیر وہ واش روم میں جا گھسا، کافی دیر بیسن پہ جھکا وہ آنکھوں پہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتا رہا، جلتی آنکھوں کو سکون ملا تو وہ باہر نکل آیا، وہ یونہی پڑی سو رہی تھی، سیم کتنی ہی دیر بیٹھا اس کی کمر کو گھورتا رہا، کتنے سکون سے سو رہی تھی ناں اس کا چین و سکون لوٹ کے، ٹھنڈی آہ بھرتا وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا کچھ لمحے لگے تھے اسے غنودگی میں جانے کے لئے مگر اگلے ہی پل کوئی عجیب سا احساس تھا جو اسے نیند سے جگا گیا ایک دم سے وہ اٹھا تھا، وہ رو رہی تھی، ہاں واقعی وہ رو رہی تھی۔

''سارہ!'' اگلے ہی لمحے وہ اس پہ جھکا تھا۔

''آپ رو رہی ہیں۔'' دھیرے سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا، وہ شاید رو رو کے نڈھال ہو چکی تھی کسی سہارے کی تلاش میں تھی سیم کے ہاتھ لگاتے ہی اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

''سارہ کیوں رو رہی ہے یار۔'' وہ پریشان سا ہوا تھا، سیم نے اس کا چہرہ اوپر کرنا چاہا مگر وہ مزید اس کے ساتھ چمٹ گئی۔

''سارہ!'' وہ بے بس ہوا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے یار اچھا روئیں تو نہیں ناں۔'' سیم نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

''تم نے مجھے مارا کیوں؟'' آنسو بھری آنکھیں لئے وہ اسے دیکھ رہی تھی، سیم کو لگا وہ ان جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب جائے گا۔

''آئی ایم سوری سارہ، آپ نے بات بھی تو ایسی کی تھی ناں مجھے برداشت نہیں ہوا، آپ نے سوچ بھی کیسے لیا مجھ سے الگ ہونے کا یہ سوچ کر ہی میری سانس رکنے لگتی ہے اور آپ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''میں......''

''کیا میں ایک لڑکی جب دوسری لڑکی سے سنے کہ اس کا شوہر کالج لائف میں اس کے ساتھ افیئر چلا چکا ہے تو اسے کیسا لگے گا۔'' وہ رونا چھوڑ کر غصے سے اسے گھورنے لگی۔

''وہ جھوٹ بول رہی تھی سارہ، کم از کم آپ کو میرے پہ بھروسہ تو ہونا چاہیے ناں۔''

''ہاں یہ سچ ہے وہ میری فرینڈ رہی ہے مگر جب مجھے اس کی پسندیدگی کا علم ہوا میں نے اسے وارن کر دیا اسے بتا دیا کہ میں صرف آپ سے محبت کرتا ہوں، باقی اس نے جھوٹ کیوں بولا میں نہیں جانتا یہی پوچھنے ابھی میں اس کے گھر گیا تھا مگر وہ مجھے اپنے گھر نہیں ملی صبح میں پھر جاؤں گا۔''

''میں تمہاری جان نکال لوں گی اگر اب تم نے اس سے ملنے یا بات بھی کی تو۔'' سیم کی بات کاٹ کر وہ ایک غصے سے غرائی، سیم نے حیرانگی سے اسے دیکھا اگلے ہی لمحے شرارت اُمڈ آئی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے مزید قریب کیا۔

''میں تو چاہتا ہوں یار میری موت آپ کے ہاتھوں سے ہی ہو۔''

''تو آپ ریڈی ہیں کیا؟'' شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کس چیز کے لئے۔'' وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے قتل کرنے کے لئے۔'' سیم کی نگاہوں میں کیا کچھ نہیں تھا، وہ جھینپ گئی۔

''شٹ اپ۔'' کروٹ بدلنی چاہی مگر سیم کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ بس پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

''بہت زور کی لگی کی تھی کیا۔'' انگلیوں کی پوروں سے نرمی سے اس کا گال چھوتے سرگوشی میں وہ بولا۔

''ہاں بہت۔'' وہ شرارت پہ آمادہ تھی شاید، کن انکھیوں سے سیم کو دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا سارہ نے گھبرا کے نظریں جھکا دی۔

''رئیلی ویری سوری سارہ۔'' سیم نے دھیرے سے کہتے ہوئے جھک کر ہونٹ اس کے گال پہ رکھ دیے، اس کے ہونٹوں کی حدت اور سرگوشی پہ سارہ کو کسی قدر سکون محسوس ہوا، حیاء سے اس کی پلکیں جھکتی چلی گئی۔

''آئی رئیلی لو یو سارہ۔'' اس کی پرنم پیشانی پہ لمس چھوڑا تھا۔

''اور میں تم سے کبھی نفرت نہیں کر سکتی سیم۔'' سارہ نے آہستگی سے پلکیں موند کر سر اس کے سینے پر رکھ لیا، سیم نے دھیرے سے اسے کسی قیمتی چیز کی طرح اپنے اندر سمو لیا ایک عجیب سی سرشاری اور مکمل پن رگوں میں چین و سکون بن کر سرائیت کر گیا سارہ کا یہ انداز اسے خوب بھایا اس کی خواہش میں وہ نجانے کیسے کیسے تڑپا تھا، پختہ ارادہ سچی لگن اور پاکیزہ محبت کامیابی کا زینہ دھیرے دھیرے عبور کرتی آخر منزل پا ہی جاتی ہے۔

☆☆☆

حنا اصغر

قدموں میں تھکن تھی گھر بھی قریب تھا
کیا کریں کہ اب کہ سفر ہی عجیب تھا
نکلے اگر تو چاند دریچے میں رک بھی جائے
اس شہر بے چراغ میں کس کا نصیب تھا

وہ اس کے پہلو سے نکل کر ایکدم سے اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس نے بے ساختہ انتہائی تحیر سے اس شخص کو دیکھا تھا جو اپنی بات مکمل کرنے کے فوراً بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا، جبکہ اس کے جواب کا وہ طالب نہ تھا اس نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا لیکن اس شخص کی آنکھوں میں بے سکونی کی گرد اڑ رہی تھی، ٹوٹے بکھرے خوابوں کی کرچیوں نے اس کی آنکھوں کے کنارے بھگو دیئے تھے، اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا بالکل کندھاری انار کی طرح۔

''میں اپنا حوالہ نہیں بدل سکتا اور اب نہ تو میں اس حوالے سے پریشان ہوں اور نہ ہی پشیمان، ہر شے نے اپنے اصل کی جانب لوٹ جانا ہے۔''

''انسانوں نے اپنے خدا کی جانب، پرندوں نے اپنے گھونسلوں کی جانب، مسافروں نے اپنے آشیانوں کی جانب، میکسیکو میں بھٹکتی تتلیاں بھی واپس چلی جاتی ہیں۔''

''مجھے بھی اب اپنے حوالے کی جانب ناکام و نامراد لوٹ جانا چاہیے۔'' وہ ٹھوس بے لچک لہجے میں بولا تھا، چراغوں کے گل ہونے کے خوف سے مبرا محبت کی آندھیوں کی نظر کرنے سے کہیں دور وہ نفع نقصان کو ترازو کے پلڑوں سے نکال چکا تھا، محبت ایک روٹھی ہوئی دیوی کی طرح جنگل بیابانوں میں بھٹک چکی تھی لیکن اس کے لہجے کا بکھراپن افسردگی وہ چاہ کر بھی نہیں چھپا پا رہا تھا، وہ جب ریت کی دیوار کی مانند گرنے لگا تھا تو ناکامی کو جھولی میں سمیٹ کر آگے بڑھنے لگا تھا، وہ آگے بڑھ رہا تھا، محبت کی بیڑیوں کو اپنے پاؤں سے نکال کر رمشا کو تپتے صحرا میں لق دق چھوڑ کر، وہ تحیر سے اس کو دیکھ رہی تھی مقدر کی سیاہی آسیب کی طرح اس کو چاروں طرف سے گھیر چکی تھی، جسم سے جان کسی خاردار جھاڑی کی طرح آہستہ آہستہ نکلنے لگی تھی، جگنوں کی تلاش میں کمر بستہ وجود آبلہ پائی کے کٹھن و طویل مرحلوں سے گزر چکے تھے یار چشم آس نے خود ہی اپنے خوابوں کو بکھیر ڈالا تھا خوابوں کے سوداگران کی راکھ کو بحر اوقیانوس سے بہا چکے تھے جبکہ عشق کے جذبوں سے موجزن دل ظالم صیاد کے پنجرے میں پھڑ پھڑا رہا تھا، وہ آگے بڑھ رہا تھا جبکہ وہ وہی کھڑی اس کو روکنا چاہتی تھی، پکارنا چاہتی تھی لیکن آواز اس کے حلق میں ہی پھنس گئی تھی چاروں طرف ہوتی آنسوؤں کی بارش اور بے یقینی کی ہواؤں نے اس کی آنکھوں کو بے نور کر دیا تھا۔

☆☆☆

مین روڈ سے ڈاکٹر افتخار کی گلی میں داخل ہوتے ہی اس کو اپنے تعاقب میں اجنبی قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی تھی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا اور جسم کا ہر ہر عضو کان بن گیا

تھا دل حلق میں آ کر دھڑ کنے لگا تھا، جون کی چلچلاتی دوپہر تھی اور گلی اس وقت مکمل طور پر سنسان تھی دکانیں تقریباً بند ہو چکی تھیں تیز بڑھتے قدموں نے اس کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا خوف کی پرچھائیوں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا دی تھی، اس کے قدم تیزی سے آگے کی جانب بڑھ رہے ہے لیکن تعاقب میں لگے شخص نے بھی لمبے لمبے ڈگ بھرنا شروع کر دیئے تھے اور عین وہ اس کے برابر قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا تھا، اس نے اپنے قدم روک لئے تھے، پہلو میں چلتے شخص کو

اس نے شرر بار نگاہوں سے گھورنا چاہا لیکن اس پر پڑی نگاہوں نے سارا غصہ سارا کرو مزملیا میٹ کر دیا تھا، افتخار اس کی بکس ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

"یہ بکس بس میں بھول گئی تھیں آپ۔" اس کے چمکیلے روشن چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اپنائیت کی واضح چھاپ، کشادہ پیشانی پر بکھرے بال، براؤن آنکھوں میں دو چند ہوتی چمک و روشنی نے اس کی ساری تھکن پل بھر میں اتار دی تھی۔

"شکریہ آپ کا۔" وہ ہولے سے بولی تھی، اس کی آواز اتنی پست تھی کہ افتخار کو بامشکل اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دیئے تھے البتہ آنکھوں میں پھیلی چمک نے اس کو تقویت پہنچائی تھی۔

"آپ اطمینان سے گھر جائیں میں آپ کے پیچھے آ رہا ہوں۔" اس نے شائستہ لہجے میں کہا جبکہ اس کی ترچھی نگاہیں اِدھر اُدھر کا طواف کر رہی تھیں اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھنے لگی تھی، جبکہ وہ اس سے کافی فاصلے پر جیب سے موبائل نکالے مست و مگن چل رہا تھا، جونہی وہ اپنے مکان کے قریب پہنچی وہ فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک سرسری سی نگاہ پیچھے کھڑے افتخار پر ڈالی، اپنائیت کا ایک حصار سا تھا جو اس کے اردگرد بندھ چکا تھا، وہ اندر داخل ہو چکی تھی، جبکہ وہ آنکھوں میں جذبوں اور احساسات کا ایک نیا جہان آباد کیے اس مکان کے بند گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

"آغا جان نے پھر کیا کہا۔" امی جان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، وہ جو بچوں کو پڑھا رہی تھی اس کے تسلسل میں ایکدم سے خلل پڑ گیا تھا۔

"غصہ کر رہے تھے بے نقط سنا رہے تھے کہہ رہے تھے دو سال سے لڑکے کو لٹکایا ہوا ہے تم لوگوں نے آٹھ ماہ کے بعد ہی دو چھوٹی بیٹیوں کی شادیاں کر چکی ہو اور جو بڑی ہے وہ دہلیز پر بٹھا رکھی ہے، ایک ہی بار فیصلہ کر کے بتا دو۔" بی بی جان کی آواز نے اس کے دل میں خنجر سے چلا دیئے تھے، امی اس کو بلا رہی تھی اور مارے باندھے ان کے کمرے میں آ تو گئی تھی لیکن اس کے کان ابھی بھی آغا جان کے الفاظوں کی بازگشت میں الجھے ہوئے تھے۔

"امی آج کیا پکانا ہے؟" اس نے دانستا موضوع بدل دیا تھا، وہ جانتی تھی امی اس سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں وہ پھر سے ان سوالوں جوابوں کے تانے بانے میں الجھ جائے گی۔

"آج پکانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے دال کے جار خالی ہو گئے ہیں، بابا جان آج گھر ہی نہیں آئے کہ میں ان سے ہی سبزی منگوا لیتی۔"

امی جان ایک چارپائی پر بیٹھی سوٹ پر کڑھائی کر رہی تھی جبکہ دوسری چارپائی پر بی بی جان بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں امی جان نے تھکی تھکی سی نظریں اپنی بیٹی کے پرسوز چہرے پر ڈالی تھی اس کے چہرے پر یاسیت و افسردگی کے علاوہ زمانے بھر کی تھکن نمایاں تھی ملگجا حلیہ اور اجاڑ و ویران آنکھوں میں ایک کہانی رقم تھی، اس کے ساتھ کی لڑکیاں کب کی بیاہی جا چکی تھیں جبکہ وہ ماں باپ کے غلط فیصلوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھی عمر کی سیاہی اس کے چہرے پر ہر روز ایک نیا نقش چھوڑ کر جا رہی تھی وہ ماں تھیں بے پرواہ لا پرواہ نہیں رہ سکتی تھیں، انہوں نے بعض اوقات اس کو خود سے الجھتے دیکھا تھا خاص طور پر جب وہ ہانڈی پکانے جاتی تو دیگچی میں چمچہ چلاتے ہوئے

اس کی سوچیں مختلف سمتوں میں محو پرواز ہوتیں تھیں اکثر پیاز کاٹتے ہوئے یا سبزی بناتے ہوئے اس کی آنکھیں زار وقطار اشک باری کرتی تھیں، انہوں نے سلائی مشین کے خانے میں تین سو نکال کر اس کو دیئے تھے، یہ وہی تین سو تھے جو کل رمشا کو ایک بچی نے ٹیوشن فیس کے دیئے تھے، اس نے الجھ کر یاں کو دیکھا تھا، بی بی جان کی دوائیاں ختم ہو چکی تھیں، آٹا، دالیں، سبزیاں، سرخ مرچیں، نمک، گھی، اشیاء خورد کی ایک طویل فہرست منہ پھاڑ کھڑی تھی اور اس کی آنتیں جانے کب سے قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں، اس نے صبح ہلکا پھلکا سا ناشتہ کیا تھا فیکٹری میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا، جب وہ دوپہر کو گھر آئی تھی تو گھر میں صرف بلال (بھائی) تھا بی بی جان اور امی جان عائشہ کے گھر گئی ہوئی تھیں، صبح کے ناشتے کے لوازمات بدرجہ اتم موجود تھے اس نے کھانا زہر مار کیا تھا اور کچھ دیر ستانے کے بعد وہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں مگن ہو گئی تھی، اب بابا جان اور بلال کے آنے کا وقت ہو چکا تھا اور گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا، وہ ان سے کہنا چاہتی تھی کہ تین سو کی تو؟ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی، اس نے اپنی فائل میں سے دو سو نکالے تھے وہاں پر اب محض پانچ سو کا نوٹ اس کا منہ چڑا رہا تھا، یہ وہ پیسے تھے جس سے اس نے ایم اے کا کورس خریدنا تھا۔

☆☆☆

صبح وہ بھاگتے دوڑتے گھر سے فیکٹری کے لئے نکلی تھی، اتنی افراتفری میں نکلنے کی وجہ سے نہ تو اس نے ٹھیک سے ناشتہ کیا تھا اور نہ ہی وہ اپنی فائل لائی تھی ورنہ روزانہ آدھا گھنٹہ فیکٹری میں اس کو مل ہی جایا کرتا تھا جس میں وہ سکون سے بیٹھ کر نوٹس پڑھ لیا کرتی تھی، اب کافی فاصلہ وہ طے کر چکی تھی اور اب وہ واپس نہیں جا سکتی تھی وہ مارے باندھے مرے مرے قدموں سے آگے بڑھنے لگی تھی اس کی بس تو کب کی جا چکی ہوگی، پوائنٹ مس ہو جانے کا سوچ کر ہی اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے، جونہی وہ مین روڈ آئی اپنی مطلوبہ بس کو دیکھ کر وہ ورطہ حیرت میں غوطہ زن ہو گئی بے یقینی کی تندو تیز لہروں نے اس کو حیرت انگیز خوشی عطا کی تھی، بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے بیٹھے افتخار کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''جلدی سے آ جائیں بس چلنے والی۔'' وہ متانت سے بولا تھا، سواریاں ڈرائیور کو مارنے کے در پے تھی اور کچھ تو مغلظات بکتی بس سے نیچے اتر چکی تھی، جبکہ ڈرائیور بے بس ولاچار نظر آ رہا تھا ایک تو وہ افتخار کا پرانا جاننے والا تھا اور دوسرا کچھ افتخار کی پولیس وردی کا کمال تھا جو وہ لوگوں کی سخت سست سن رہا تھا وہ اس کھچا کھچ بس میں بامشکل کھڑی ہو پائی تھی کہ افتخار کی آواز پر اس نے سٹپٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''آپ ادھر بیٹھ جائیں۔'' اس نے عین اپنے سامنے والی سیٹ کی جانب اشارہ کیا، جہاں پر ایک ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی تھیں اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر کتابیں رکھی ہوئی تھیں، وہ جونہی مسافروں کو چیرتی ہوئی سیٹ کے قریب پہنچی آنٹی نے منہ بنا کر کتابیں اس کو تھمائی اور خود کھڑکی کے قریب والی سیٹ پر سرک گئی تھیں، اب وہ افتخار کے بالکل قریب والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی، اس طرح سے کہ وہ اس کو براہ راست بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھ سکتا تھا کتابیں اس نے اپنی گود میں رکھ لی تھیں، شرمندگی و بے بسی کی شدید لہریں، اس کا چہرہ متغیر کر چکی تھیں، آنٹی منہ بنا کر اس کو گھور رہی

تھیں، پھر اس کے قریب ہو کر بولیں۔

''گھر والا ہے تمہارا؟'' ان کی جانچتی نظروں نے اس کے حواس مختل کر دیئے تھے۔

''کافی دیر سے متفکر یہاں وہاں پھر رہا تھا اوپر سے ڈرائیور کے کان میں جانے اس نے کیا سور پھونکے ہیں کہ وہ مشٹنڈا چار چائے کے کپ پی چکا ہے لیکن کیا مجال جو اس نے بس اسٹارٹ کی ہو کتنی ہی سواریاں اس کی جان کو کوستی ہوئی جا چکی ہیں۔'' آنٹی منہ کے زاویے بگاڑ بگاڑ کر بول رہی تھیں جبکہ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئی تھیں رمشا نے تحیر سے شاپر کے نیچے جگمگاتی ایم اے پولیٹیکل سائنس کی بکس کو دیکھا اور پھر بے ساختہ اس کی نظریں افتخار کی جانب اٹھی تھیں وہ ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہا تھا، اس کی اچانک خود پر پڑنے والی نظر نے اس کو بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا، جبکہ وہ اپنی نظروں کا زاویہ بدل چکی تھی وہ تیزی سے پیچھے جاتے مناظر کی بھول بھلیوں میں الجھ رہی تھی، اس کے قریب ہی فون کی ٹون بج رہی تھی۔

''آنٹی آپ کا فون بج رہا ہے۔'' اس نے اونگھتی ہوئی آنٹی کو متوجہ کیا تھا۔

''فون کہاں ہے، فون ارے میرے پاس کہاں سے آ گیا فون، یہ تمہارے شاپر میں سے آوازیں آ رہی ہیں، جگا دیا خواہ مخواہ مجھے۔'' وہ بڑ بڑا رہی تھی، جبکہ اس کی پیشانی پر ندامت کے قطرے جا بجا بکھر چکے تھے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے شاپر کھولا تھا، لیٹسٹ ماڈل کا موبائل پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا، اس پر افتخار کی کال آ رہی تھی، اس نے بے ساختہ نگاہیں سامنے بیٹھے افتخار پر ڈالی تھیں وہ اس کے چہرے کو جانچ رہا تھا اس کے دیکھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا، غصے میں بھڑکتے شعلوں نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا، اس نے فون پٹخ دیا تھا وہ جانتی تھی کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے لیکن اس نے دانستاً اس کی جانب نہیں دیکھا تھا، بس اس کے مطلوبہ اسٹاپ تک آ گئی تھی۔

کتنے ہی مسافر تھے جو اس کو دھکے دے کر باہر نکلے تھے وہ بھی باہر نکل آئی تھی اور درمیان کا راستہ افتخار نے اس کے لئے بنایا تھا ایک ایسے سائبان کی طرح جو کڑی دھوپ میں چھاؤں مہیا کرے وہ بھی اس کو ایسی ہی آسائش دینے کے لئے تگ و دو کر رہا تھا وہ مین روڈ پر آ گئی تھی کچھ ہی فاصلے پر فیکٹری تھی، کتابیں اور شاپر افتخار نے اٹھایا ہوا تھا۔

''رمشا آپ یہ بکس بھول گئی ہیں، ایم اے کا کورس ہے اور اس میں فون ہے میں نے آپ کے لئے خریدا ہے آپ آئندہ گھر سے چلنے سے پہلے مجھے مس بیل دے دیا کریں میں بس روک لیا کروں گا۔'' وہ دھونس بھرے لہجے میں بولا تھا ایسا دھونس جس میں مان تھا، عزت تھی حق جتاتا لہجہ اس کے وجود کو بھر بھر زہر میں مبتلا کر گیا تھا۔

''کس رشتے سے لوں یہ بتائیں گے آپ مجھے؟'' وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی، اس کی آواز میں شعلوں کی سی لپک تھی مخاطب کے قدموں کو ساکت کر دینے والی پھنکار تھی، وہ سٹپٹایا تھا ٹھٹکا تھا لیکن اگلے ہی پل یہ سارے تغیرات بھاپ بن کر فضاؤں میں گم ہو گئے تھے وہ ایک مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا، مقابل کھڑی لڑکی بے یقینی کی چٹان کے آخری حصے پر جا کھڑی ہوئی تھی، وہ اس کو محض دیکھ سکتا تھا اس تک پہنچنا ممکنات میں سے لگنے لگا تھا۔

''رشتے کا تعین قدرت کر چکی ہے رمشا میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہاں ٹھہر کر آپ سے بات کرنا مجھے سخت معیوب لگ

رہا ہے میں نہیں چاہتا کل کو آپ کے نام کے اشتہارات زبان زدعام ہو جائیں آپ یہ کتابیں لیجئے میں آج شام آٹھ بجے آپ کو فون کروں گا پھر بات ہو گی۔" اس نے زبردستی سامان اس کے ہاتھ میں تھمایا اور واپس مڑ گیا تھا، وہ ششدر سی جامد وساکت اس کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی، وہ جا چکا تھا اور وہ مرے مرے قدموں سے آگے بڑھنے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ کتابیں دیکھنے میں محو تھی کہ اچانک فون کی مسلسل بجتی ٹون نے خاموشی کے سینے میں شگاف ڈالنا شروع کر دیئے تھے لیٹسٹ ماڈل کا فون استعمال کرنا تو کجا وہ Silent کرنا بھی نہیں جانتی تھی۔

"رمشا کیا بج رہا ہے تمہارے کمرے سے آواز آ رہی ہے بیٹا۔" باہر سے آتی بی بی جان کی آواز نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے سب لوگ باہر صحن میں سو رہے تھے بس وہ ایک اپنے کمرے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کر رہی تھی، وہ باقاعدہ کپکپا رہی تھی دل پسلیوں کا پنجرہ توڑنے کو بے تاب تھا انگلی کو موبائل اسکرین پر دائیں بائیں گھمانے سے وہ کال آن کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی، بی بی جان اس کا جواب نہ پا کر دوبارہ سو چکی تھیں وہ اپنے کمرے کی واحد کھڑکی کے قریب آ ٹھہری تھی، جہاں سے باغیچے کا منظر واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا، باغیچے میں اس نے اپنی کاوشوں سے کتنی ہی سبزیاں اور پھول اگائے تھے۔

"آخر آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے۔" اس کے سلام کرتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی تھی خفت نے اس کی پیشانی عرق آلود کر دی تھی، وہ اس کے جذبوں کے آگے ہار مان چکی تھی، آواز میں پہلے جیسا طنطنہ نہ تھا دو سال ہونے کو آئے تھے جب سے وہ شخص کسی سائے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا نہ تو اس سے جدا ہوتا تھا اور نہ ہی اس کو جدا ہونے دیتا تھا، بابانگ دہل سربلند کیے اپنے رشتے کا اقرار کرتا تھا بقول بابا جان کہ میراثیوں کی اولادوں میں پیدائشی خودسری اور بے دیدی ہوتی ہے تو کبھی کہتے آج افتخار کی ماں فلاں تھیٹر ڈرامے میں پٹ گئی ہے ان تمام باتوں کو سن کر بھی وہ افتخار سے نفرت و کراہیت کے جذبات پیدا نہ کر پاتی تھی وہ ایک پڑھا لکھا باشعور انسان تھا جو کہ اچھی پوسٹ پر تھا اور اوپر سے باحیا اتنا کہ ہزاروں کی بھیڑ میں بھی صرف رمشا کو دیکھ کر اس کی آنکھیں جگمگانے لگتی تھیں، کتنی ہی بار ایسا ہوا تھا کہ فیکٹری سے اکثر وہ اپنی کولیگز کے ساتھ آتی تھی جو دیکھنے میں اس سے کہیں زیادہ دلکش اور حسین ہوتی تھیں پر مجال جو افتخار ان پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈال لیتا۔

نکاح کے ایک ماہ بعد جب بابا جان کو پتہ چلا کہ وہ کس فیملی کا حصہ ہے بابا جان نے اس کو اور آغا جان کو بلا کر بے نقط سنائی تھیں وہ سر جھکائے ان کی باتیں سنتا رہا تھا لیکن اگلے ہی دن وہ کسی سائے کی طرح ہمہ وقت رمشا کے آس پاس رہنے لگا تھا شروع شروع میں کوفت و جھنجھلاہٹ سے لبریز احساسات نے واقعی اس کو افتخار سے بدظن کر دیا تھا لیکن ہر گزرتے دن اور خصوصاً اپنی دونوں بہنوں کی شادیوں کے بعد وہ اب تھکنے لگی تھی۔

زندگی عجیب مخمصے میں بٹ چکی تھی وہ زندگی کے گورکھ دھندے میں بری طرح الجھ چکی تھی، ماں باپ کے فیصلے کے آگے سر جھکانے پر وہ مجبور تھی۔

"میں آپ کو چاہتا ہوں رمشا صرف آپ کو

اور اب یہ محبت میرا عشق بن چکا ہے میں اپنے عشق سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔'' وہ ٹھوس اور پر عزم لہجے میں بولا تھا اس کے لہجے سے چھلکتا استقلال وثابت قدمی میں چٹانوں کی سی آن بان مضمر تھی۔

''بابا جان نہیں مانتے وہ کبھی نہیں مانیں گے۔'' وہ بوجھل وپست لہجے میں بولی تھی، اس کی آواز میں کچھ ٹوٹنے کا شائبہ تھا جس نے ایک لمحے کے لئے افتخار کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''جانتا ہوں وہ نہیں مانیں گے لیکن میں آپ کے ساتھ رہوں گا، ہر پل ہر قدم وہ مجھے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کر سکتے میرے جذبے بازار میں بکنے والا سامان نہیں ہیں کہ ایک بار بک گئے تو ناپید ہو جائیں گے میرے اندر چٹانوں کو سرنگوں کرنے کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے، میں چشم یار کی ہنسی کے لئے خود کو داؤ پر لگا سکتا ہوں یہ لفاظی نہیں ہے، جذبوں اور احساسات کی وہ کہانی ہے جو میری روح پر رقم ہے، رمشا آپ کا بوجھل لہجہ میرے دل پر آرے چلا رہا ہے لیکن میں کچھ نہیں کہوں گا میں بابا جان کی عزت کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ وہ آپ کے بابا جان ہیں۔'' وہ گھن گرج سے نہیں بول رہا تھا اس کا لہجہ بے لچک تھا لیکن اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس کی تپش نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

''میں کل آغا جان کے ساتھ بابا جان سے بات کرنے آرہا ہوں۔''

''ان کا جواب جاننے کے باوجود۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر استہزائیہ لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر آپ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرتیں، مستقبل آپ کا اور میرا ہے زندگی ہم دونوں نے ساتھ گزارنی ہے تو فیصلہ بھی ہمیں کرنا چاہیے۔'' وہ اس پر پہاڑوں جیسا بوجھ ڈال کر خود بری الذمہ ہو گیا تھا جبکہ وہ لق دق صحرا میں بھٹک چکی تھی اس کے کمرے میں گھٹن بڑھتی جا رہی تھی، اس کا سانس لینا اب دشوار ہوتا جا رہا تھا۔

''میں کیسا فیصلہ کر سکتی ہوں میری بساط ہی کیا ہے۔'' وہ بے چارگی سے بولی تھی، جبکہ ذہن میں جھماکے سے امی جان اور بہنوں کے الفاظ گونجنے لگے تھے وہ کتنی ہی بار اس کو اسٹینڈ لینے کا مشورہ دے چکی تھیں۔

''نکاح کے وقت جو تین الفاظ بولے تھے بس انہی پر پائم رہے گا میں ایک عالم سے لڑنے کو تیار ہوں آپ کے لئے۔''

''لیکن وہ سب جو بابا جان چاہ رہے ہیں وہ میں کسی صورت نہیں ہونے دوں گا۔'' اس کی غیض وغضب میں ڈوبی آواز نے اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا دی تھی۔

''رمشا کس سے باتیں کر رہی ہو۔'' امی جان کی آواز پر بوکھلا کر اس نے سرعت سے موبائل تکیے کے نیچے ڈال دیا تھا۔

''کسی سے نہیں۔'' اس نے بھیگے لہجے میں کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی، فون جو اس نے ہڑبڑاہٹ میں تکیے کے نیچے ڈالا تھا لیکن کال ڈسکنیکٹ نہیں ہوئی تھی وہ کتنی ہی دیر اس کی دبی دبی سسکیوں کو سنتا رہا تھا اور پھر اس کی سسکیاں آہیں نیند میں لو دیتے ہلکے ہلکے ارتعاش میں بدلتی گئی تھیں وہ دم سادھے سن رہا تھا۔

پیاس تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی محبت میں سیرابی نہیں ہوتی اگر سیرابی ہو جائے تو محبت، محبت نہیں ہوتی، وہ اپنے فلسفہ محبت پر بے ساختہ ہی ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

وہ بہت انہماک سے بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی، امی جان سلائی مشین پر کپڑے سی رہی

تھی جبکہ بابا جان کمرے میں سو رہے تھے دروازے پر دستک دے کر آغا جان اندر داخل ہوئے تھے ان کے پیچھے افتخار کو آتا دیکھ کر اس کے الفاظ منہ میں ہی گم ہو گئے تھے کاپی پر رواں دواں اس کا قلم آخری ہچکی لے کر رک گیا تھا، نگاہیں ساکت تھیں اور دل انجانے خوف سے دھڑ کنے لگا تھا، وہ چونکی تب تھی جب وہ دونوں عین اس کے قریب آ گئے تھے، کندھے پر جھولتا دوپٹہ اس نے سرعت سے اپنے سر پر رکھا تھا اس کی اس حرکت کو افتخار نے فرصت اور محظوظ ہوتی نگاہوں سے دیکھا تھا ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ ٹھہری تھی، شام کا وقت ہو چلا تھا سورج کی بنفشی مائل کرنیں اپنے پر سمیٹنے میں مشغول تھیں وہ اٹھ کر ان کے برابر جا ٹھہری تھی، آغا جان نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، امی جان اور بی بی جان آغا جان کی آواز سن کر باہر آ گئی تھی، اور آغا جان ان کی معیت میں اندر جا چکے تھے افتخار اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا، اندر سے بابا جان کی آواز آ رہی تھی، وہ افتخار کے والدین کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے، باہر کھڑے افتخار کا رنگ ایک لمحے کے لئے متغیر ہو گیا تھا، لیکن وہ اگلے ہی پل سنبھل کر بولا۔

''میرے والدین میرا حوالہ ہیں میں ان سے دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن جو ایک چیز میں کر سکتا ہوں وہ یہ کہ میں ان سے قطع تعلق کر لوں۔'' وہ اندر داخل ہو کر بولا تھا اس طرح سے کہ اس کی پشت رمشا کی جانب تھی۔

''تو کون سا احسان کرو گے برخوردار ہم پر، وہ اس قابل ہیں کہ ان سے تعلق رکھا جائے تمہاری ماں نگینہ جان ہر تھیٹر میں رقص کرتی ہے تمہارا بھائی بھانڈ بن کر گانے گاتا ہے تمہاری بہن نرگس جان مجرے کرتی ہے بولو ان سے قطع تعلق نہیں کرو گے تو کیا کرو گے۔'' بابا جان تحقیر آمیز لہجے میں بولے تھے ان کے استہزائیہ انداز نے افتخار کی زبان تالو سے چپکا دی تھی۔

''لیکن افتخار کو میں نے پالا ہے میری گود میں پرورش پائی ہے اس نے اسی لئے میں اس کا رشتہ مانگنے آیا تھا اس وقت جوش میں تم نے ہاں کر دی اور اب میل میخ نکال رہے ہو۔'' آغا جان غصے میں پھٹ پڑے تھے، ایک لمحے کو بابا جان کلکنگ ہو گئے تھے لیکن دوسرے ہی پل انہوں نے خود کو کمپوز کر لیا تھا۔

''چاہے تم نے پالا ہو یا نہیں میں اس میراثی کی اولاد سے اپنی بیٹی کی رخصتی نہیں کروں گا لوگ کیا کہیں گے حافظ ندیم خان کا داماد میراثی ہے اس کی ماں مجرے کرتی ہے تھیٹر میں ناچتی ہے، اس دن کو دیکھنے سے پہلے میں مرنا پسند کروں گا۔''

''ندیم داماد تو یہ اب بھی ہے تمہارا، اس لڑکے کی شرافت ہے کہ دو سالوں سے یہاں وہاں گھوم رہا ہے میری تربیت ہے جو لب پر سوال لاتے ہوئے شرماتا ہے اگر چاہتا تو تمہاری بیٹی کو اغواء کر لیتا، پولیس کے ذریعے رخصتی کروا لیتا لیکن اس نے کچھ ایسا ویسا نہیں کیا۔''

''نہیں کیا تو جو تم ترغیب دے رہے ہو تو ضرور کرے گا اور تم نے اس کے طور اطوار کیا گنوا رہے ہو دوست ہو کر میری پیٹھ میں چھرا تم نے گھونپا ہے جگ ہنسائی تمہاری وجہ سے میرے نصیب میں آئی ہے میں اس لئے کو بھی اپنی لڑکی کا ہاتھ نہیں دوں گا سمجھ لو تم بھی اور اس کو بھی سمجھا دو۔'' وہ ہانپنے لگے تھے، غصے میں ان کی آواز بھاری ہو گئی تھی، منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ساتھ جو امڈنے کو بیقرار سا تھا لیکن انہوں نے حتی المکان خود کو کمپوز کر لیا تھا، ہتک تذلیل سے افتخار کا

چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

''چلو افتخار ان تلوں میں تیل نہیں ہے بہ زور زبردستی تم ان کی بیٹی بیاہ سکتے ہو لیکن شرافت سے یہ شخص تمہیں کچھ نہیں دے گا نہ یہ چائے کا کپ اور نہ لڑکی۔'' انہوں نے قریب کھڑے افتخار کو ٹہوکا دیا ان کی آواز پر وہ چونکا تھا اس نے پلٹ کر صحن کی جانب دیکھا تھا وہ جا چکی تھی، آغا جان آگے بڑھ گئے تھے چاروناچار اس کو بھی ان کی تقلید کرنی پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

ندیم خان اور آغا بلال خان کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی اگرچہ آغا بلال خان ندیم خان سے عمر میں بہت بڑے تھے لیکن کافی عرصے تک دونوں ایک ہی محلے میں رہتے تھے اچانک سے بلال خان کا کاروبار چمک اٹھا تھا اور وہ اپنی بیوی اور ماں کو لے کر وہاں سے چلا گیا تھا، کافی عرصے بعد دونوں کی ملاقات ہوئی تھی اور پھر آغا بلال خان، ندیم خان سے ملنے اس کے گھر آئے تھے وہی انہوں نے اس کی بیٹی کو دیکھا تھا اور اپنے لے پالک بیٹے کے لئے پسند کر لیا تھا، اس وقت چونکہ ندیم خان کی آنکھوں پر بلال خان کی دولت اور عمارت کی پٹی بندھی تھی اس لئے بغیر کسی تحقیق کے انہوں نے نکاح کر ڈالا تھا، اس نکاح کے بعد ان کو افتخار کی حقیقت کا ادراک ہوا تو وہ طلاق پر مصر رہے تھے اور اب یہ ان کی انا کا مسئلہ بن گیا تھا جبکہ دوسری جانب افتخار نے خود ہی نہیں قدمی کر دی تھی اور وہ اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔

☆☆☆

''آپ کو میرے لئے سٹینڈ لینا ہوگا، رمشا اگر آپ ایسا نہیں کرے گی تو میں یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' اس کی آواز میں برسوں کی تھکن رقصاں تھی۔

''مجھے آپ کل تک جواب دیں بس۔'' وہ دھونس بھرے لہجے میں بولا تھا، باہر سے امی جان کی آواز آ رہی تھی اس نے فون بند کر دیا تھا۔

''سنا تم نے کیا کر ڈالا ہے تمہارے ابا نے۔'' وہ اندر آ کر بولی تھیں نہ تو ان کو اس کا شکست خوردہ سراپا نظر آیا تھا اور نہ ہی انہوں نے اس کی آنکھوں میں ناچتی وحشت کو دیکھا تھا۔

''کیا کیا ہے؟'' اس نے آنکھیں جھکائی تھیں۔

''خلع کا نوٹس بھجوا دیا ہے۔'' ان کی آواز میں جتنی تڑپ تھی اس سے زیادہ محشر کا شور اس کے اندر برپا تھا۔

''سائن بھی نہیں لئے تمہارے۔''

''مجھ سے سائن لے لیتے تو کیا میں انکار کر دیتی۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا، اٹھ کر ان کے پہلو سے وہ گزر جانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

''مت کرو رمشا وہ بہت اچھا انسان ہے میں ماں ہوں، تمہاری خوشی کسی میں ہے میں جانتی ہوں مت کھیلو اپنی زندگی کے ساتھ۔''

''میں کھیل رہی ہوں یا پھر آپ لوگوں نے مذاق بنایا ہوا ہے اماں یہ ایک فضول سی زندگی ہی تو ہے آدھی گزر گئی ہے باقی بھی گزر جائے گی، ابا میاں جو چاہتے ہیں وہی ہوگا۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں کہہ کر جونہی باہر نکلی تھی سامنے ہی ابا میاں سے اس کا ٹاکرا ہو گیا تھا، ان کا ہر ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کے درمیان ہوئی ہر بات سن چکے ہیں اس نے سر جھکا تھا اور آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''میں آخری بار آپ سے ملنا چاہتا ہوں

اس کے بعد کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا، آپ کو تنگ نہیں کروں گا آپ لوگ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔'' ایک ہفتے بعد اس کا ایس ایم ایس آیا تھا، اس ہفتے نہ تو اس نے فون کیا تھا اور نہ ہی وہ نظر آیا تھا وہ جان گئی تھی یہ کرشمہ ابا میاں کے نوٹس کا ہے۔

اس نے اوکے لکھ کر ایس ایم ایس سینڈ کر دیا تھا اور آج وہ اس کے بلائے گئے مقام پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی، دونوں کی سوچیں مختلف سمتوں میں محو پرواز تھیں۔

''مجھے اپنے حوالے سے اتنی شرمندگی اتنی پشیمانی کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اب اس کچھ عرصے میں ہونے لگی تھی مجھے اپنے والدین کا حوالہ گالی لگنے لگا ہے بہر حال میں اس کو تبدیل نہیں کر سکتا، میں انہی کی اولاد تھا اور انہی کی اولاد رہوں چاہے ان کے ساتھ رہوں یا نہ رہوں، میں چاہتا تھا زندگی کی ہر رہ گزر ہر راستے پہ آپ ہی میری ہمسفر ہو، لیکن خواب اور ہمارا چاہا ہوا کب پورا ہوتا ہے میں آج شام کو جا رہا ہوں میرا ٹرانسفر ہوگیا ہے، آپ کی خواہش بہت جلد پوری ہو جائے گی، آغا جان کہتے ہیں شریف لوگوں کو لٹکانا نہیں چاہیے ان کو اذیت نہیں دینی چاہیے میں انہی کا بیٹا ہوں ان کے پڑھائے گئے اسباق حفظ ہیں مجھے آپ کو آپ کی منزل مل جائے گی۔''

وہ کہہ کر آہستگی سے اٹھا تھا جبکہ وہ ابھی تک بے یقینی واستعجاب سے اس کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی اس کے لڑکھڑاتے قدم شکست پائی کی ایک عجیب داستان رقم کر رہے تھے، اس کے کانوں میں کئی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔

ابا میاں کی آوازیں، بی بی جان کی آوازیں بہنوں اور امی جان کی آوازیں ایک محشر کا شور بپا تھا۔

''افتخار!'' ان تمام آوازوں کو اس کی تیز گونج نے دبا دیا تھا، وہ مسمرائز ہوگیا تھا، رک گیا تھا، وہ پلٹا نہیں تھا شاید ابھی تک وہ بھی بے یقین تھا، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور اس کو ایسا لگا تھا جیسے سب کچھ فریز ہوگیا ہو۔

ساحل سمندر کی شور مچاتی لہریں فریز ہوگئی ہو
گزرتے پلوں نے وقت کی نبض کو پکڑ لیا تھا
پرندوں کا غول اپنا رستہ بھول کر ہوا میں معلق ہوگیا ہو
ہواؤں نے بادبانوں کو کھلنے اور پھر لہلہانے سے روک دیا ہو

وہ اس کی آنکھوں میں بہتے آنسوؤں کو بھی فریز کر دینا چاہتا تھا اس کے لبوں سے خارج سسکیوں کو فریز کر دینا چاہتا تھا، وہ جونہی اس کی جانب بڑھنے لگا تھا، ہر شے مسکرا دی تھی ہوائیں تواتر سے چلنے لگی تھیں سمے کی ڈور کھل گئی تھی پرندوں کے غول دوبارہ سے محو پرواز ہوگئے تھے، سمندر کی لہریں دوبارہ شور مچانے لگی تھیں۔

''افتخار مجھے تم قبول ہو۔'' وہ سسکاری تھی اس کی یہ سسکی افتخار کے وسیع سینے میں کہیں دب گئی تھی، افتخار نے اس کے چاروں اوڑھ اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھتے ہوئے کہا۔

''ہم سب کو منالیں گے رمشا بہت جلد۔''

اور رمشا مسکرا دی تھی کیونکہ کل نکلنے والا سورج روشن تھا امید سے بھرپور تھا۔

☆☆☆

احساس ندامت

فرح طاہر

وہ سب گول کمرے میں بیٹھے ابا میاں کی آمد کے منتظر تھے، جنہوں نے آنا تو الٰہی کے ساتھ تھا، مگر عشاء کی نماز سے واپسی پر ان کو راستے میں کریمو چچا مل گئے تو انہوں نے ان سب کو گھر جا کر انتظار کرنے کا کہا اور خود کریمو چچا سے حال احوال بانٹنے کھڑے ہو گئے اور اب وہ تقریباً بیس منٹ سے بیٹھے ان کی راہ تک رہے تھے، جب انتظار کی گھڑیاں سمٹیں اور ان کی سماعتوں نے ابا میاں کی لاڈلی چھڑی کی ٹک ٹک سنی، وہ سب موؤدب ہو کر بیٹھ گئے، جب ابا میاں حسب عادت مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر بڑے صوفے پر ان کے سامنے براجمان ہو گئے اور اب وہ منتظر نگاہوں سے اپنے دونوں سپوتوں کی جانب دیکھ رہے تھے، مگر اس سے پہلے کہ ان کے دونوں بیٹوں میں سے کوئی ایک بولتا، ان میں سے جمال کے بیٹے وارث نے ابا میاں سے کہا۔

''دادا ابا! میرے سب دوستوں کے گھر قربانی کے لئے بکرے آ چکے ہیں، وہ اتنا خوشی خوشی اپنے بکرے کو سب جگہ گھماتے پھرتے ہیں، مجھے بہت انسلٹ فیل ہوتی ہے، دادا ابا پلیز آپ چاچو اور پاپا کو کہیے ناں یہ اب ہمارے لئے بھی بکرا لے آئیں۔'' وارث نے منہ پھلا کر بات مکمل کی تو ابا میاں نے شفقت سے مسکراتے ہوئے اس کو مخاطب کر کے کہا۔

''وارث بیٹا! اگر آپ کے دوستوں کے گھر قربانی کے لئے بکرا آ گیا ہے تو اس میں آپ کی انسلٹ کس طرح ہو گئی؟''

''انسلٹ ہی تو ہوئی ناں دادا ابا، وہ اس قدر اترا اترا کر دکھا رہے ہوتے ہیں اور تو اور مجھے اپنے بکرے کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیتے، وہ کہتے ہیں تم غریب ہو، تمہارے پاپا کے پاس بکرا لانے کے پیسے تک نہیں ہیں، اسی لئے تم ابھی تک بکرا نہیں لے سکے۔'' اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے اس بار وہ قدرے روہانسا بولا تھا، دادا ابا نے محسوس کیا تو اس کو اپنے برابر بیٹھاتے ہوئے پیار سے کہا۔

''اگر آپ کے دوست اس طرح کہتے ہیں تو یہ ان کی بہت غلط سوچ ہے، مگر بیٹا ہمیں کسی کی سوچ کو لے کر پریشان تو نہیں ہونا چاہیے ناں اور لوگوں کی سوچ کی وجہ سے ہمیں اپنی انسلٹ تو کسی صورت محسوس نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ہر کسی کی سوچ کا پیمانہ الگ ہوتا ہے، سب اپنی سمجھ کے مطابق سوچتے ہیں، تو جب سب کی اپنی سوچ اپنی سمجھ ہوتی ہے تو پھر اس میں ہمارا تو کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا ناں؟ تو پھر ہمیں کسی کی سوچ کو لے کر اپنی عزت بے عزتی کو لے کر اپنی انا کا مسئلہ بھی نہیں بنانا چاہیے، اگر کوئی کچھ سوچنا چاہتا ہے تو اسے سوچ لینے دیا جائے، وہ خود اپنی سوچ کے ذمے دار ہوں گے، ہاں ہمیں اپنی سوچ کو صاف رکھنا چاہیے کیونکہ اپنی سوچ کے لئے ہمیں خود جواب دے ہونا ہوگا۔'' ابا میاں نے ہمیشہ کی طرح اپنے شفقت بھرے انداز میں اپنی بات کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا تھا، کیونکہ وارث کو منہ

بسور کر بولتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ
وارث کو اصلاح کی اشد ضرورت ہے، وارث
سکس کلاس کا سٹوڈنٹ تھا وہ عمر کے اس دور میں
قدم رکھ رہا تھا جہاں سوچ و جذبات کی تعمیر کا عمل
شروع ہوتا ہے، اس لئے انہوں نے وارث کو
جذباتی ہوتے دیکھ کر بہت نرمی سے اس کی صلاح
کرتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جو
بہت توجہ سے ان کی باتیں سن کر سمجھنے کی کوشش کر
رہا تھا، ابا میاں کو اس کے غور کرنے کا انداز اتنا
اچھا لگا کہ انہیں بے ساختہ اس پر پیار آنے لگا،

اسی لئے انہوں نے اس کی پیشانی پہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتے ہوئے مزید کہا۔
''آپ کو معلوم تو ہے چاچو اور پاپا تھوڑا بزی تھے اسی لئے اس بار ہم بکرا لینے میں لیٹ ہو گئے، مگر حوصلہ رکھیں جلد ہی ہم بھی قربانی کے لئے بکرا لے آئیں گے۔'' انہوں نے تسلی کی جگنو اس کی مٹھی میں دباتے ہوئے کہا۔
''اور یہ آج آپ ابھی تک کیوں جاگ رہے ہیں؟ اتنا لیٹ تو ہو گیا ہے، شعبان، ریحان تو سو چکے ناں، آپ جواب تک جاگ رہے آپ کو مسئلہ ہو گا صبح آنکھ نہ کھلی تو پھر سکول کو لیٹ ہو جائے گا، اس لئے ابھی آپ فوراً اٹھیں اور جا کر سو جائیں۔'' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا تو وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور سب کو گڈ نائٹ کہتا وہاں سے چلا گیا، اب وہاں صرف گھر کے بڑے موجود تھے، جن میں ابا میاں سمیت ان کے دونوں بیٹے جمال اور کمال کے ساتھ ان کی زوجہ محترمائیں شامل تھیں، جب وارث جا چکا تو ابا میاں نے اپنا رخ ان سب کی طرف کرتے ہوئے کہا۔
''بچے کو تو میں نے ٹال دیا، مگر یہ سچ ہے اس بار تم لوگوں نے بہت سستی کا مظاہرہ کیا ہے، عید کے دن میں بس چار روز رہ گئے اور تم ابھی تک ایک بکرا نہیں خرید سکے۔'' انہوں نے ذرا خفگی کا مظاہرہ کیا تو کمال نے فوراً کہا۔
''یہ ساری تاخیر جمال کی وجہ سے ہوئی ہے ابا میاں، میں تو خود کب سے اس سے کہہ رہا تھا۔'' اس نے ٹیڑھی نظر سے جمال کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ناک چڑھا کر بولا۔
''میں نے جان بوجھ کر تاخیر نہیں کی ہے، میرے پیسے دوست کے پاس ادھار میں پھنسے ہوئے تھے، اسی وجہ سے دیری ہو گئی۔'' اس نے وضاحت پیش کی تو ابا میاں نے پوچھا۔
''تو اب مل گئے پیسے؟''
''جی ابا میاں آج صبح ہی اس نے پیسے لوٹائے ہیں۔'' اس نے جواب دیا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔
''تو پھر...... اب کیا ارادہ ہے؟'' وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔
''ارادہ تو یہی ہے کہ کل پہلی فرصت میں بکرا لینے چلیں گے۔''
''ٹھیک ہے مگر ابھی یہ بتاؤ اس بار تم دونوں نے کتنا حصہ ملانا ہے؟'' انہوں نے سوال کیا تو کمال نے کہا۔
''میری طرف سے اس بار پندرہ ہزار کا حصہ ہو گا ابا میاں۔'' وہ بول چکا تو جمال نے کہا۔
''اور میری طرف سے اس بار پینتیس ہزار کا حصہ ہو گا۔'' انداز قدرے فخریہ تھا۔
''ماشاء اللہ اس بار تو پھر ہمارے پاس پیسے زیادہ ہو جائیں گے، دس ہزار میری طرف سے ہو گا، کل ملا کر ساٹھ ہزار جمع ہو جائے گا، اتنی رقم میں تو ہم بڑا جانور بھی لے سکتے ہیں، مگر دن کم ہونے کی وجہ سے منڈیوں میں رش بہت زیادہ ہو گا اور دنوں کی کمی کی وجہ سے ریٹ بھی دگنا ہو چکا ہو گا، جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اچھا جانور تلاشنے میں بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' ابا میاں نے ذرا پریشانی کا اظہار کیا تو جمال نے کہا۔
''جب مویشی منڈی جائیں گے تو کچھ نہ کچھ پسند آ ہی جائے گا ابا میاں، مگر ابھی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس بار قربانی میں زیادہ حصہ میری طرف سے شامل ہو گا تو اس لئے میں چاہتا ہوں

اس بار قربانی میری طرف سے ہو۔" اس نے بات مکمل کی تو ابا میاں ابرو اچکا کر بولے۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟"

سوال اس سے ہوا تھا مگر اس نے سوال کی وضاحت کے لئے اپنی زوجہ محترمہ کی جانب دیکھا تھا اور وہ ان کے اشارے کی منتظر فوراً ان کی نظروں کے مفہوم کو سمجھ کر وضاحتی انداز میں بولی۔

"ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے ابا میاں کہ اس بار یہ قربانی میں سب سے زیادہ حصہ ڈال رہے ہیں تو اس بار ساری قربانی ان کے نام کی جائے۔" جمال کی بات کا مفہوم ابا میاں سمجھ تو پہلے ہی گئے تھے، یہ وضاحت تو انہوں نے جان بوجھ کر طلب کی تھی اور اب جب وضاحت پیش کر دی گئی تھی تو کسی کے بھی کوئی اعتراض اٹھانے سے پہلے ابا میاں نے ملامتی نگاہوں سے جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"قربانی اللہ کی رضا کے لئے کی جاتی ہے جمال، جس میں سات حصے ڈالے جا سکتے ہیں، تم نے اس بار حصہ زیادہ ملا دیا تو تم چاہتے ہو سب حصوں کو ایک طرف کر کے بس قربانی تمہارے نام سے کی جائے، میں اور کمال، کم حصہ ڈالنے والوں کا نام تک نہ ہو؟ کس نیت سے حصہ ڈال رہے ہو تم؟ اس سے تو اچھا تھا تم تھوڑا حصہ ڈالتے اور اپنی نیت کو صاف رکھتے، یوں زیادہ حصہ ڈال کر اپنی نیت میں ریاکاری بعد برتری کی ملاوٹ کرنے کے بعد تم جو قربانی پیش کرو گے تمہیں کیا لگتا ہے اللہ تمہاری اس قربانی کو قبول کرے گا؟" انہوں نے ذرا سا توقف کیا تو بڑی بہو جمال کی زوجہ محترمہ سے بولی۔

"ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا ابا میاں۔"

وہ پھر سے وضاحت پیش کرنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی ابا میاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"تم چپ رہو بڑی بہو، مجھے ابھی جمال سے بات کر لینے دو۔" اس کو کہنے کے بعد انہوں نے اپنا رخ ایک بار پھر جمال کی جانب کیا۔

"اگر تم اس طرح زیادہ حصہ چاہتے ہو، تو اس طرح دوسروں کے جذبات سے کھیلنے سے بہتر ہے تم اپنے زیادہ پیسوں سے الگ قربانی کر لو، اتنے پیسوں میں تم ایک اچھا بکرا لے کر الگ مکمل اپنے نام کی قربانی کر سکتے ہو۔"

"بالکل یہی بات تو میں نے بھی ان کو کہی تھی ابا میاں مگر ان کو اس وقت تو میری بات مناسب نہیں لگی مگر اب جب آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں تو ان کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔" گو کہ ابا میاں نے جمال سے جو بھی کہا مکمل ملامتی انداز میں کہا، مگر ان کی بات سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنے کے بعد بڑی بہو نازو بیگم نے انتہائی پرجوش انداز میں کہا تو ابا میاں اسے گہری نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔

اپنی باتوں میں اس کی بار بار کی مداخلت یہ یقین دلانے کو کافی تھی کہ جمال کی ان سب باتوں کے پیچھے اس کی بیوی کا بڑا ہاتھ تھا، اس کی شہہ پہ وہ آج ایسی اوچھی باتیں کر رہا تھا اور اوچھی بات کرنے والے جمال نے تیز نگاہوں سے اپنی زوجہ محترمہ کو دیکھا، جس کو بارہا مرتبہ اس نے ابا میاں کے سامنے اس طرح بولنے سے منع کیا تھا، مگر اس کے منع کرنے کے باوجود وہ بڑھ بڑھ کر بول رہی تھی۔

جب نازو بیگم بات مکمل کر چکی تو اس کے بعد بھی انہوں نے کچھ کہنے کو لب نہ کھولے تو جمال نے بات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہ جو بھی کہتی رہے ابا میاں مگر میں ہرگز

بھی ایسی کسی بات پر عمل نہیں کرونگا، آپ کے ہوتے مجھے یہ بٹوارا کسی صورت قبول نہیں ہوگا۔"
بظاہر تو اس نے بندوق کو ابا میاں کے کندھے پہ دھر دیا تھا مگر اس کے پیچھے بھی خود اس کا مقصد چھپا تھا، ایک تو وہ ابا میاں کی نظروں میں اچھا بنا رہنا چاہتا تھا، دوسرے وہ الگ ایک بکرے کی قربانی کر کے خود اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنا نہیں چاہتا تھا الگ قربانی کی صورت میں اسے کمال اور ابا میاں کے ساتھ ساتھ اپنے حلقہ احباب اور لمبی چوڑی سسرالی رشتے داروں کو بھی نمٹانا تھا، جس کی بدولت ایک بکرے کا گوشت کس صورت پورا نہیں پڑنے والا تھا، اسی لئے تو سال بھر اتنی تگ و دو کرنے کے بعد اس نے پینتیس ہزار جمع کیا تھا تاکہ اس بار بڑے جانور کی قربانی کی جائے، جس سے ایک تو ہر سننے والے پر رعب پڑے گا، دوسرا گوشت بھی آرام سے سب میں تقسیم ہو جائے گا اور اس طرح حصہ ڈال کر قربانی کرنے سے ایک فائدہ تو یہ بھی ہو جاتا کہ کمال اور ابا میاں کے ساتھ اپنی اکلوتی بہن کو بھی الگ سے گوشت دینا نہیں پڑتا، مل ملا کہ سب جاتا اور ان ساری باتوں سے ہٹ کر ابھی تو اسے ابا میاں سے ایک اور اہم بات بھی کرنا تھی، مگر اپنی اس اہم بات کو کرنے سے پہلے اس نے ابا میاں کے تاثرات کو جانچا، وہ ہنوز خاموش تھے، وہ ان کے تاثرات سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تو گہری سانس بھر کر سیدھا ہوتا بولا۔
"قربانی تو ہم سب مل کر ہی کریں گے، مگر بس یہ ہے کہ اس بار قربانی میرے نام کی ہوگی، دوسرا زیادہ حصہ میری طرف سے ہوگا تو گوشت کی تقسیم کے وقت گوشت کا زیادہ حصہ مجھے دیجئے گا۔" اتنا کہہ کر اس نے حاضرین پر ایک نظر ڈالی جن کو اس کی بات سن کر ایک بار پھر گویا کہ سانپ سونگھ چکا تھا، ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی بات کی وضاحت دینا ضروری سمجھتے ہوئے مزید کہا۔
"آپ سب کو معلوم تو ہے، ایک تو میرے یار دوست اتنے زیادہ ہیں دوسرا میرا سسرال اتنا بڑا، سب کا خیال کرتے کرتے بھی ہر بار کوئی نہ کوئی رہ جاتا، اس لئے میں چاہتا ہوں اس بار مجھے میرے حصے کے مطابق گوشت ملے تاکہ میں سب کی شکایتیں دور کر سکوں۔" اس نے بات مکمل کی تو کب سے چپ بیٹھا کمال حد درجہ ناگواری سے ذرا تیز لہجے میں بولا۔
"زیادہ حصہ ڈالنے کی بدولت تمہاری شرائط جس حساب و کتاب سے بڑھ رہی ہیں، جمال مجھے یہ سب شرائط قبول نہیں ہے، تمہاری ان شرائط کے ساتھ تم سے مل کر قربانی کرنے سے بہتر ہے میں جیسے تیسے کر کے اپنی الگ قربانی کر لوں۔"
"ہاں تو میں مرا نہیں جا رہا تمہارے ساتھ مل کر قربانی کرنے کے لئے، میں خود اپنی الگ قربانی کر سکتا ہوں، مگر یہ تو بس ابا میاں کا خیال ہے مجھے ورنہ میں خود تمہارے ساتھ مل کر قربانی کرنا نہیں چاہتا، ہر بار چالاکی دکھا کر کم حصہ ڈالتے ہو اور برابر کا گوشت لے جاتے ہو۔" جمال نے بے انتہا غصہ دکھاتے ہوئے اکڑ کر کہا، تو خاموشی سے مشاہدہ کرتے ابا میاں ایک دم دھاڑ کر بولے۔
"چپ کرو ناہنجار اور ابھی میں زندہ ہوں اور فیصلہ کرنے کا حق ابھی میرے پاس ہے میں فیصلہ کرونگا، کس نے کیا کرنا ہے، اس لئے اپنی یہ میں میں لگا کر اس فضول کی بحث کو ختم کرو۔" انہوں نے بیک وقت دونوں کو غصیلی نگاہوں سے گھورا پھر کمال کی طرف رخ کرتے ہوئے اس

سے مخاطب ہوئے۔
''اور جمال...... تم مجھے بتاؤ، قربانی کے نام پہ یہ سودا بازی کرنے کا سوچا بھی کیسے تم نے؟ کیا سمجھا ہے تم نے قربانی کو، یہ کوئی دنیاوی رسم ہے جس کی ادائیگی میں تم سراسر اپنے فائدے کا کاروبار کرنے کا سوچ کے بیٹھے ہو؟ اگر تم بھول رہے ہو تو میں تمہیں یاد کرا دیتا ہوں کہ یہ کوئی کاروبار نہیں ہے، قربانی ہے جسے اللہ کی راہ میں پیش کیا جاتا ہے اور اللہ اپنی راہ میں پیش کی گئی قربانی کو دینے والے کی نیت کے مطابق قبولتا ہے، تو تم کو لگتا ہے تمہاری کاروباری نیت کے تحت پیش کی گئی اس قربانی کو وہ قبول کرے گا؟ نہیں اسے ہرگز بھی ایسی قربانی قبول نہیں ہوگی، وہ تمہاری قربانی کو الٹا تمہارے منہ پر دے مارے گا۔'' قدرے تیز لہجے میں بولتے بوتے وہ آخر میں دکھی ہوئے مزید کہہ رہے تھے۔
''دکھ ہو رہا ہے مجھے کہ تم میری اولاد ہو کر اس طرح کی سوچ رکھتے ہو، اس سے تو بہتر تھا اللہ تمہیں قربانی کی توفیق ہی نہ دیتا تاکہ آج تم اس توفیق کو پا کر اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیش کی گئی قربانی کی توہین نہ کر سکتے، جس طرح تم نے قربانی پیش کرنے سے پہلے اپنے فوائد کو مدنظر رکھا اس طرح کا کوئی ایک بھی فائدہ تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے ذکر میں ملتا ہے؟ اس عظیم الشان نبی نے اللہ کے حکم سے اللہ کی راہ میں اپنی سگی اکلوتی اولاد کو چھری تلے ڈال دیا اور تم آج ایک جانور کی قربانی پیش کرنے جا رہے ہو، تو جانے اس ذات کا شکر ادا کرنے کے کہ اس نے تمہیں اتنا اہم فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تم سودے بازی کرنے بیٹھ گئے ہو۔'' ان کا لفظ لفظ چمکتے موتی کی طرح روشن اور ستھرا تھا، مگر دنیا داری میں الجھے ذہنوں تک ان موتیوں کی روشنی پہنچانا ذرا مشکل تھی، اس لئے انہوں نے اپنے دماغ کو اسی طرح الجھنوں میں مبتلا محسوس تو کیا مگر ابا میاں کے جلال انداز کے سامنے اپنے لبوں کو سختی سے بند کر لیا، کیونکہ بہرحال فیصلہ ابا میاں ہی کا مانا جانا تھا اور ابا میاں کا فیصلہ تھا کہ قربانی میں حصہ ڈال کر قربانی سب کی طرف سے پیش کی جائے گی اور گوشت بھی برابر حصوں میں مل ملا کر تقسیم کیا جائے گا، انہوں نے فیصلے کو سنا اور اختلافات کے باوجود اپنے سر کو جھکا دیا۔

☆☆☆

پھر اگلے دن کام سے فرصت ملتے ہی وہ تینوں قربانی کا جانور لینے کے لئے مویشی منڈی کی جانب چل دیئے، منڈی کی حدود کے قریب پہنچتے ہی وہ بری طرح چکرا کر رہ گئے، کیونکہ ان کی نگاہوں کے سامنے منڈی کی حدود سے باہر تک پھیلے انسان اور جانور دکھائی دے رہے تھے، سڑک کے کنارے ٹھیلے والے بھی قربانی کے جانور خریدنے آنے والوں سے اپنے حصے کا رزق وصولنے کے لئے اپنا ٹھیلہ سجائے کھڑے تھے کچھ بچے بڑے اپنی پسند کا جانور خریدنے کے بعد اب پر جوش سے گھر واپس لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے، جبکہ کچھ افراد پسند کا جانور نہ ملنے کی وجہ سے پریشان یہاں وہاں پھیرتے دکھائی دے رہے تھے، ان سب کے ساتھ ساتھ وہاں مانگنے والوں کا بھی اچھا خاصا رش دکھائی دے رہا تھا، انہوں نے رکشے کو ایک سائیڈ رکوا دیا، اور پھر کرایے کی ادائیگی کے بعد قدم بڑھاتے خود بھی اس رش کا حصہ بن گئے، جس میں ہر رنگ اور ہر بولی کا جانور بکنے کو تیار کھڑا تھا، انہوں نے پہلے مویشی منڈی کے باہر کھڑے جانوروں میں سے اپنی پسند کا جانور تلاشنے کی کوشش کی، مگر جب وہ اپنی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

س کوشش میں ناکام ہونے لگے تو انہوں نے ویشی منڈی کے اندر قدم رکھ دیا، جہاں باہر سے کہیں زیادہ رش تھا، وہ حقیقتاً چکرانے لگے تھے، دھکم پیل سے گھبرائے ابا میاں نے تیز نظروں سے ان کو کچھ اس طرح گھورا جیسے کہنا چاہا ہے ہوں۔

''دیکھو میں نے کہا تھا ناں دیر اور سستی کی دولت منڈی میں رش بہت ہوگا۔'' بہر حال اب جانور تو ہر صورت انہیں لینا ہی تھا، اس لئے نہوں نے ابا میاں سے نظریں چراتے ہوئے مت کی اور دھکم دھکا ہوتے آگے بڑھنے لگے، ہت دیر کی خواری کے بعد بالآخر اللہ اللہ کر کے ہیں ایک لال رنگ کی درمیانے قد والی صحت ند گائے پسند آ ہی گئی، اس لئے وہ اس کی قیمت ا کر کے شکر کا سانس لیتے ہوئے گائے کی رسی پکڑ کر منڈی سے باہر نکل آئے، اب مسئلہ گائے لو گھر لے جانے کا تھا، اس کے لئے جمال نے شورہ دیتے ہوئے کہا۔

''ابا میاں! گائے کو گھر تک لے جانے کے لئے ہمیں ڈالا (مزدا) کروانا پڑے گا، اس کے لئے انتظام ہم خود کر لیں گے تم ایسا کرو یہاں سے اپنی بہن کوثر کی طرف چلے جاؤ آتے وقت ں نے اس کو اطلاع کر دی تھی وہ تیار بیٹھی ہوگی، م اسے اور بچوں کو ساتھ لے کر گھر آ جانا۔'' ہوں نے کہا تو وہ چپ ہو کر سر ہلاتا ان کی بات مل کرنے کے لئے ان سے الگ ہو کر دوسری رف بڑھ گیا۔

☆☆☆

پھر جس وقت وہ حال سے بے حال ہوتا وثر کے گھر پہنچا دوپہر شام میں ڈھل چکی تھی، وک سے گرمی سے ویسے ہی حالت خراب ہو ی تھی اس لئے اس نے تیزی سے اندر داخل ہونا چاہا، مگر اس سے پہلے کہ وہ قدم بڑھا کر چوکھٹ عبور کرتا، اندر سے آتی کوثر کی آواز نے اس کے قدموں کو چوکھٹ سے ذرا پرے جما سا دیا۔

''قاسم، انس تم دونوں کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے کیوں تم صبح سے مجھے تنگ کیے جا رہے ہو؟'' وہ بے حد زچ دکھائی دے رہی تھی، اسی لئے جمال نے حیران ہو کر اپنے قدموں کی حرکت کو روک لیا تھا کیونکہ آج سے پہلے اس نے کبھی کوثر کو اپنی اولاد کی طرف سے اس قدر زچ انداز میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا اور کوثر کے بچے تو بے حد اچھے بچے تھے تو پھر آج انہوں نے ماں کو پریشان کیوں کر رکھا تھا؟ جاننے کی چاہ میں اس نے وہیں چوکھٹ میں کھڑا رہنا مناسب سمجھا اور سماعتوں کو اندر سے آتی آوازوں کی جانب متوجہ کر لیا، جہاں قاسم ماں سے کہہ رہا تھا۔

''ہم آپ کو پریشان نہیں کر رہے امی، بلکہ آپ کی ضد کی وجہ سے ہم پریشان ہو رہے ہیں، جب ہم نے کہہ دیا ہم نانو کے گھر نہیں جانا چاہتے تو آپ ہمیں زبردستی کیوں لے جانا چاہتی ہیں؟''

''تمہارے نانو نے ہر بار کی طرح خود فون کر کے تم لوگوں کو لانے کا کہا ہے، میں کیسے ان کو انکار کر دوں؟'' کوثر پریشانی سے کہہ رہی تھی جبکہ قاسم نے اس کی بات پر قدرے نروٹھے پن سے کہا۔

''ہاں نانو کو انکار نہیں کر سکتی، مگر ہمیں وہاں لے جا کر ہماری انسلٹ کروانا منظور ہے آپ کو؟ اس وقت بہت اچھا لگتا ہے آپ کو جب جمال ماموں کا وارث، اور کمال ماموں کے شعبان، ریحان ہماری انسلٹ کرتے ہوئے ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ ہم ان سے غریب ہیں اس

لئے ہم نے ان کی طرح نہ تو ہم کبھی قربانی کے لئے بکرا لیتے ہیں نہ قربانی کرتے ہیں، الٹا ہم غریبوں کی طرح ان کے گھر آ کر گندی نظروں سے ان کے بکرے کونظر لگاتے ہیں، اسی وجہ سے وہ ہمیں اپنے بکرے تک کو ہاتھ لگانے نہیں دیتے۔'' کس قدر محرومی بول رہی تھی اس کے الفاظ و انداز میں، جمال بری طرح چونکا۔

اسے تو خبر ہی نہیں تھی ان کے اپنے بچے اپنے کزنز کے ساتھ اس طرح غیروں والا رویہ روا رکھتے ہیں، اسے اس بات کا خیال آنے لگا تھا کہ جب رات وارث اپنے دوستوں کے رویے کی شکایت ابا میاں سے کر رہا تھا تو اسے سن کر اسے کس قدر غصہ آ رہا تھا۔

اس نے بہت مشکل سے یہ بات برداشت کی تھی کہ اس کے بیٹے کے ساتھ کسی نے ایسا رویہ اختیار کر کے اس کے بیٹے کا دل دکھایا تھا، مگر اب یہ جو قاسم اور انس خود اس کے بچوں کو شکایت کر رہے تھے، اس سب کی تو انہیں خبر ہی نہیں تھی اور اب جب خبر ہوئی تو اسے ذرا سی شرمندگی ہونے لگی، جس سے بے خبر اندر انس ماں سے کہہ رہا تھا۔

''اور پھر نانو کے گھر مامی جس طرح کا کھانا ہمیں دیتی ہیں، وہ ہمیں اچھا بھی نہیں لگتا امی، ان چھیچھڑوں سے بھرے سالن سے روٹی کھانے سے بہتر ہے ہم آج اپنے گھر رک کر آپ کے ہاتھ کی پکی دال کھالیں۔'' انس کا انداز قاسم سے کہیں بڑھ کر خفا محسوس ہو رہا تھا، اسی خفگی بھرے لہجے میں اس نے حتمی انداز میں کہا۔

''وہاں جا کر اپنا دل دکھی کرنے سے بہتر ہے ہم اپنے گھر رک جائیں امی، ہاں آپ نے جانا ہے تو آپ چلتی جائیں بس نانو کو ہماری طرف سے معذرت کر لیجئے گا۔'' ان دونوں کی طرف سے قطعی انداز میں انکار کی وجہ سن کر کوثر سناٹے میں آ گئی جن باتوں کو وہ ہمیشہ درگزر کیا کرتی تھی آج اس کی اولاد انہی باتوں کو محسوس کر کے اپنا دل ماموں مامی کی طرف سے خراب کر چکے تھے، اس نے خود کو بے بسی کی انتہا پہ محسوس کیا تو آخری حربے کے طور پر کب سے خاموش بیٹھی اپنی پندرہ سالہ بیٹی آلیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''ان نالائقوں نے تو انکار کر دیا، یہ تو بچے ہیں ان کی طرف سے کوئی بہانہ میں کر لوں گی، مگر تم تو میرے ساتھ چل رہی ہو ناں آلیہ۔''

''نہیں......نہیں امی، میں بھی نہیں جا رہی، قاسم اور انس نے جو بھی کہا سب درست کہا، میرا تو خود دل نہیں کرتا دونوں ماموں کی موجودگی میں نانو کے گھر جانے کو، کیونکہ جب بھی ہم جاتے ہیں ہمیں دیکھتے ہی ان کی ناک چڑھ جاتی ہے جبکہ میں نے دیکھا ہے اپنے رشتے داروں کے ساتھ تو وہ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آتی ہیں، بس ہم سے انہیں مسئلہ ہے اور مجھے معلوم ہے یہ مسئلہ ان کو صرف اس لئے ہے کیونکہ ہم غریب ہیں، ان کو کچھ دے نہیں سکتے، ہاں بس ہر بار ان کے گھر جا کر ان سے کچھ نہ کچھ لے آتے ہیں، مگر امی وہ ہمیں دیتی ہی کیا ہیں، ابھی یہ قربانی کے گوشت کی مثال لے لیجئے آپ، بکس میں ہم نے ہمیشہ یہی پڑھا ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے زیادہ اور اچھا حصہ ان غریب رشتے داروں کو دو جو اس حصے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اللہ کے اس حکم کے باوجود وہ ہمیں کیا دیتے ہیں؟ ہر بار احسان جتاتے ہوئے آپ کو چربی والے گوشت کا وہ حصہ دیتے ہیں جس میں گوشت سے زیادہ ہڈی لگی ہوتی ہے، ایسا گوشت دے کر وہ احسان تلے دبا دیتے ہیں اور آپ سر جھکائے واپس چلی

آتی ہیں، ہم غریب ضرور ہیں مگر فقیر نہیں ہیں امی، پلیز ہمیں وہاں جانے کا مت کہیے گا، ہاں اگر آپ کا دل کرتا ہے تو آپ چلی جائیں۔'' بے انتہا تلخ و ترش انداز میں اس کی طرف سے بھی صفا چٹ انکار ہو چکا تھا، جسے سن کر کوثر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی، وہ آج تک اپنے سسرال اور اپنے گھر میں اپنے بھائی اور بھابھیوں کی طرف سے اپنا بھرم قائم رکھے ہوئے تھی مگر اب اس کے چھوٹے ناسمجھ بچے، سمجھ داری کی دہلیز کو چھو کر اس کے بھرم کی پوٹلی کھول چکے تھے، وہ شرمندہ سی ہاتھ مسلتی نجانے کس سوچ میں ڈوبی تھی، جبکہ باہر کھڑا اجمال ان کی باتیں سن کر پتھر کا ہو چکا تھا۔

یہ حقیقت تھی اس نے بہن کا حق فرض سمجھ کر ادا نہیں کیا تھا، اس نے ہمیشہ ایک بوجھ کی طرح اس فرض کو نبھایا تھا۔

آلیہ کے کہے الفاظ، ''کہ ماموں ہمیشہ چربی سے بھرا ہڈی والا گوشت ہمیں دیتے ہیں۔'' نے اس کی نظروں کو جھکا دیا تھا، یہ بات بھی سچ تھی وہ اور کمال ہمیشہ یہی کچھ کرتے تھے، کیونکہ ایسا کر کے وہ گوشت کو بچا کر اپنے لئے رکھتے تھے یا پھر بہت ضروری اور اہم گھروں میں اچھے گوشت کی ادلے بدلے والی ترسیل کیا کرتے تھے، وہ اچھا گوشت ہمیشہ اس گھر بھیجتے تھے جہاں سے انہیں اچھا گوشت آنے کی امید ہوا کرتی تھی، باقی مستحق لوگوں کے ساتھ غریب اور سگی حقدار بہن کی طرف سے تو وہ ہمیشہ نظر بچا جایا کرتے تھے، ایک دم ہی اس کی سوچ کے در وا ہوئے اور ساری باتیں روز روشن کی طرح اس پر عیاں ہونے لگی تو انہی کوتاہیوں کا احساس اسے ندامت کے سمندر میں ڈبونے لگا، دل اعتراف کرنے لگا کہ ابا میاں نے ٹھیک کہا تھا وہ قربانی نہیں قربانی کے نام پر سودا بازی کر رہا تھا، جو کچھ وہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا وہ سراسر سودا بازی ہی تو تھی، اگر وہ قربانی کرتا تو اسے اللہ کے تمام احکامات کا احساس ہوتا اور وہ قربانی کو قربانی کے اصل مقصد کے ساتھ اللہ کے حضور پیش کرتا، کس قدر غلط کرتا رہا تھا وہ اور اس کا احساس دلانے والے اس سے کئی گناہ چھوٹے اس کے اپنے بھانجا بھانجی تھے، بے حد ندامت محسوس کرتے ہوئے اس نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور لب بھینچ کر اندر خاموش بیٹھی اپنی بہن کی خاموشی کو بہت شدت سے محسوس کیا، اس کے دل نے خواہش کی کہ اس سے اس کی بہن اپنے بھائیوں کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے اپنے بچوں کو ڈانٹ دے، مگر وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی، اسے خود بھی احساس تھا کہ اس کے اپنے بھائی غلطی پر تھے اور اب تو اسے خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا، اس لئے اس نے ایک نظر سر اٹھا کر راہداری سے باہر نظر آتے کھلے آسمان کو دیکھا اور دل میں اللہ سے توبہ کرتے ہوئے اس نے قدم اٹھا کر چوکھٹ کے اس پار قدم رکھ دیا، کیونکہ اس نے اب فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ قربانی کو اس کے اصل مقصد کے ساتھ ادا کر کے وہ تمام مستحق لوگوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ان کا حق دیا کرے گا اور فرض کی ادائیگی کے لئے وہ اپنی بہن کا فرض مکمل مان سمان کے ساتھ اس کو دیا کرے گا۔

صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آیا تھا، اب بس اسے گھر والوں کو اپنے آنے کا یقین دلانا تھا، اس کے بعد پھر سب ٹھیک ہو جانا تھا، اپنی سوچ پہ سر ہلاتے ہوئے اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کو لبوں پہ سجایا اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

ایک گریزاں موج کی خاطر

سعدیہ عابد

میں شمس الدین ہوں، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ واپسی کا سفر ہمیشہ دشوار کن ہوتا ہے، کتنے ہی بھنور آگے بڑھنے سے روکتے ہیں مگر پلٹنا بھی مجبوری بن جائے تو واپسی کا دشوار کن سفر طے کرنا ہی پڑتا ہے اور میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو رہا تھا جن راستوں کو میں نے غرور میں اپنی پر جوش جوانی کے زعم میں ٹھوکر لگا کر چھوڑا تھا آج کئی طویل برسوں بعد انہی راستوں پر چل رہا تھا کہ خاک جہاں کی ہی ہو وہیں لوٹ کر آتی ہے، جسے میں لوٹ آیا تھا ہر راستہ، پرانے راستہ سے وابستہ ہر ایک شے مجھ پر ہنس رہی تھی اور میں شکستہ قدموں سے آگے بڑھتا جا رہا تھا، کتنے مقامات، کتنی اشیاء بدل گئی تھیں، راستے وہی تھے، منزلیں کھو گئی تھیں اور میں چلتے رہنے پر مجبور تھا زندگی تو بہت پیچھے کہیں راستے کی دھول ہو گئی تھی اور میں چلتا جا رہا تھا پھر میرے قدم ایک چوکھٹ پر آ کر جم گئے تھے، وہیں مٹی کا کچا گھر، دروازہ پر لٹکتا بوسیدہ سا پردہ مجھے بناء کوشش کے بھی یاد تھا کہ دروازہ پر لٹکتے اس بوسیدہ سے پردہ کا جس کا رنگ روپ وقت کی دھول ہو گیا تھا کسی زمانے میں یہ سبز اور پیلے پھولوں کا خوش رنگ پردہ تھا اور اب بے رنگ جگہ جگہ سے پھٹا اپنی مفلوک الحالی بیان کر رہا تھا، میں نے ہاتھ بڑھا کر پردہ ہٹایا تھا لکڑی کا دروازہ میرے سامنے تھا یہ وہ دروازہ تھا جو کبھی مقفل نہیں ہوا تھا اور آنے والے نے صدیاں لگا دی تھیں، آہٹ کو ترستا، دستک کی چاہ میں یہ دروازہ کئی صدیوں سے چپ سادھے ہوئے تھا، میرا ہاتھ دروازہ کو چھو گیا تھا اور دھیرے سے میرے ہاتھ دروازہ کھولتے چلے گئے تھے اور میں نے ایک طویل عمر جس گھر میں اجنبی بن کر گزاری تھی وہیں ایک عرصے کے بعد قدم رکھا دیئے تھے صحن ویران پڑا تھا، ہر طرف ہو کا عالم تھا میری نگاہ در و دیوار پر پھسلتی جا رہی تھی اور کچن کی دیوڑھی میں نگاہ ٹھہر گئی تھی، کوئی عکس سا نمایاں ہوا تھا اور شکوہ بھرا نم لہجہ خاموش فضا میں بکھیرتا چلا گیا تھا۔

"میرے لئے محبت کا ہر احساس تم ہو اور تمہارے لئے ایک میرے علاوہ سب اہم ہیں۔"

مجھے میرا ماضی شدتوں سے پکار رہا تھا کیا وقت تھا، کہ جس وقت دل کی گہرائیوں سے یہ شکوہ ہوا تھا اس وقت دو حسین آنکھیں نم تھیں اور میں ہنکارا بھر کر گزر گیا تھا اور آج میری آنکھیں نم کیا ہوئی تھیں مجھے فضا میں نمی محسوس ہونے لگی تھی۔

"شمس! میں روتی ہوں تو تمہیں فرق بھی نہیں پڑا، خدا نہ کرے کہ کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو آئے نا تو میں تمہارے ساتھ ساتھ روؤں گی کہ تم کو میں دکھی نہیں دیکھ سکتی، تمہاری ہر بے مروتی و بے اعتنائی کے باوجود۔"

میں نے کمرے میں قدم رکھا تھا بہت کچھ صدیوں پرانا تھا بس ایک نیا تو میں ہی تھا جب گیا تھا تو اس کمرے میں زندگی بولتی تھی لوٹ کر آیا تھا تو استقبال کرنے والا بھی کوئی نہ تھا، تکیہ کے ساتھ رکھا سبز آنچل مجھے اپنی طرف بلانے لگا تھا۔

"شمس! نہ جائیے، پلیز آپ کے بنا میں کیا کروں گی۔" ہاتھ میں سبز آنچل تھاما ہی تھا کہ صدا گونج اٹھی تھی میں نے نگاہ دوڑائی تھی جیسے کسی کو میری نگاہ ڈھونڈ لینا چاہتی ہو۔

"جا تو رہے ہیں شمس! مگر جب لوٹ کر آئیں گے تو یہاں ہر چیز ہو گی، میں نہیں ہوں گی، آپ کا استقبال ہر شام کرتی ہوں مگر صدیوں بعد جب آپ تھکے ہارے شکستہ قدم لوٹ کر آئیں گے تو میں استقبال کو موجود نہ ہوں گی، میں تو آپ کے ہجر کی نذر ہو چکی ہوں گی، مجھے مرنے سے بچا لیں، جانے کے ارادے بدل

دیں۔‘‘

سسکیاں میرے قدموں کی اس وقت زنجیریں بنی تھیں اور اب میں ان سسکیوں کو محسوس کرنے کے قابل ہوا تھا تو آس پاس سسکیاں تو تھیں سسکیاں لینے والی روٹھ چکی تھی کہ اس نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ اسے ہجر راس نہیں آئے گا اس نے چوکھٹ پار کی تھی اور وہ دیوانی زندگی ہار گئی تھی اس کا استقبال کرنے کو موجود ہی نہ تھی۔

گھر واپس جب آؤ گے تم
کون تمہیں پہچانے گا
کون کہے گا تم بن ساجن
یہ نگری سنسان
بن دستک دروازہ گم صم، بن آہٹ دہلیز
سوتے چاند کو تکتے تکتے راہیں پڑ گئیں ماند
کون کہے گا، تم بن ساجن
یہ نگری سنسان

قدموں سے برسوں پرانی آواز لپٹی جا رہی تھی اور میں سر ہاتھوں میں گرائے بچوں کی طرح رو رہا تھا کہ یہ خسارہ میں نے خود چنا تھا، انتظار سونپ کر گیا تھا مگر میرا کوئی منتظر ہی نہ تھا ایک برسات چھوڑ گیا تھا، ایک برسات ساتھ لایا تھا، آنسو پونچھے نہ تھے کبھی کسی کے اور آج میرے آنسو بھی پونچھنے والا کوئی نہ تھا میں اپنے زعم میں اکیلا رہ گیا تھا۔

کون کہے گا تم بن ساجن کیسے کٹے دن رات
ساون کے سو رنگ کھلے اور ڈوب گئی برسات
کون کہے گا تم بن ساجن یہ نگری سنسان
پل جیسے پتھر بن جائیں، گھڑیاں جیسے ناگ
دن نکلے تو شام نہ آئے، آئے تو کہرام
کون کہے گا تم بن ساجن
یہ نگری سنسان

میرا روم روم اسے پکار رہا تھا جس کی آخری پکار پر میں نے کان تک نہ دھرے تھے، وہ لپک کر میری راہ میں آئی تھی اور میں نے بازو جھٹک دیا تھا، نین کٹوروں میں آس لئے وہ نیر برسا رہی تھی، الجھے گیسو ہوا سے اٹھکیلیاں کرتے اسے چھیڑ رہے تھے اور اسے کہاں پرواہ تھی کہ وہ میری داسی میرے قدموں میں پڑی مجھے قدم بڑھانے سے روک لینا چاہتی تھی اور میں نے ایک ٹھوکر سے اپنی داسی کو خود سے دور کر دیا تھا۔

’’دشمس! خدا کا واسطہ یوں نہ جائیے، آپ کے بنا مر جاؤں گی، اگلا سانس نصیب نہ ہو گا مجھے، اتنے بے رحم نہ بنیئے۔‘‘ میں کونے کونے میں دیوانوں کی طرح اسے ڈھونڈ رہا تھا جو وہاں ہو کر بھی نہیں تھی اور نہ ہو کر بھی صرف وہی تھی۔

گھر واپس جب آؤ گے تم
کیا دیکھو، کیا پاؤ گے۔
یار نگار، وہ سنگی ساتھی
مدھ بھریاں تھیں، اکھیاں جن کی
باتیں پھلجھڑیاں
بجھ گئے سارے لوگ وہ پیارے
رہ گئی کجھ لڑیاں
تم بن ساجن یہ نگری سنسان

میں وہیں صحن میں آ گیا تھا، میرا بچپن، وہ سنگی ساتھی، وہ ماں کی پھٹکار، باپ کی گھوریاں اور مدھ بھری آنکھوں کا پیار میرے ذہن و دل پر دستک دینے لگا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے بیچ میں طویل صدیاں آئی ہی نہ تھیں کسی خوش رنگ منظر نے میرے لبوں پر مسکان بکھیر دی تھی، نگاہ اٹھائی تھی میں نے مگر وہ منظر نہیں نہ تھا، املی کا درخت بالکل خالی تھا ویران بنجر صدیوں سے اس پر ایک املی نے اپنی شکل نہ دکھائی تھی کہ اس کی نگہداشت کرنے والی ہی نہ رہی تھی، میری مسکان سمٹ گئی تھی اور آنسو آنکھوں میں ٹھہرنے

لگے تھے۔

ڈھول بول بگولے دیکھو
ایک گریزاں موج کی خاطر
صحرا صحرا ابھرتے ہیں
تم بھی پھر درویش صفت اب
رقصاں رقصاں حیراں حیراں
لوٹ کے اب کیا آؤ گے
اور کیا پاؤ گے
کون کہے گا، تم بن ساجن
یہ نگری سنسان

لوٹ کر تو میں آ گیا تھا مگر پا کچھ نہیں سکا تھا کہ میں نے جو کچھ پایا تھا وہ سب برسوں پہلے ٹھکرا گیا تھا میرے منتظر جا چکے تھے اور میں حیراں سا کھڑا تھا، نگری سنسان ہو چکی تھی، درو دیوار آہٹ نہ پا کر آہٹ کی آرزو فراموش کر گئے تھے، مجھے ہر چیز خود پر ہنستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کہ آج بھی میرے محسوسات میں اخلاص کی شدت نہ تھی میں صرف اپنے لئے جیا تھا، اپنی ہنسی محسوس کرتا تھا، اپنے آنسو گنتا تھا، ایسے میں مجھے ماضی میں بھی روتے چہرے دکھائی نہ دیئے تھے کہ میری نگاہ تو نئی منزلوں پر لگی تھی، میں سکھ کی پرواز کر رہا تھا کسی کا دکھ مجھے کیا نظر آتا تھا اور آج میں اپنے دکھ کی آبیاری کر رہا تھا، میری آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں اور میری نگاہ صرف اپنی آنکھ سے بہتے لہو پر تھی میں محسوس نہیں کر رہا تھا کہ سامنے چارپائی پر بیٹھا میرا باپ حقہ کے ساتھ آنسو پی رہا ہے، باورچی خانہ میں آگ بھڑکاتی میری ماں کی آنکھیں آج بھی بہہ رہی ہیں، کمرے کی دیوار سے لگی وہ عورت جو میرے لئے جیتی تھی، میری خاطر مر گئی تھی، کبھی اپنے لئے ہنسی تک نہ تھی اور آج میرے ساتھ میرے دکھ پر رو رہی تھی، صحن میں پڑا موڑھا مرغیوں کا خالی پنجرہ، بنجر املی کا درخت، صحن میں لگی سوکھی کیاری، ہر ایک شے میرے ساتھ میرے لئے اشک کناں تھی اور میں اپنے آنسوؤں پر روتا گھٹنوں کے بل زمین پر گرتا چلا گیا تھا کہ میرے لوٹ آنے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا میں سب کچھ گنوا بیٹھا تھا۔

کون کہے گا تم بن ساجن
یہ نگری سنسان

☆☆☆

میں شمس الدین ولد شریف الدین، میرا باپ ایک موچی تھا، میں ضلع چکوال میں پیدا ہوا وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھایا، میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد، والدین کی امیدوں کا مرکز، میرا باپ نسلوں سے موچی تھا، میرے پردادا، دادا سب اسی پیشہ سے منسلک رہے تھے، میرے باپ کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی، پھٹے پرانے جوتے میرے باپ کے ہاتھ میں آ کر یوں نئے نکور ہو جاتے کہ جیسے کبھی پرانے ہی نہ ہوئے ہوں، میرے باپ کے ہاتھ میں ہنر تھا اور کہتے ہیں کہ ہنر مند کبھی فاقہ نہیں کرتا، میرے گھر میں خوشحالی تھی کہ میرے والدین صبر و شکر کا پیکر تھے، ملنے پر تو سب ہی شکر کرتے ہیں میں نے اپنے والدین کو نہ ملنے پر کچھ میسر نہ ہونے پر بھی شکر کا کلمہ پڑھتے دیکھا تھا، تکلیف کی گھڑی میں یوں مسکراتے گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو، ابا نے مجھے زندگی میں اٹھتے بیٹھتے گر کوئی نصیحت کی تو وہ صبر و شکر کی تلقین تھی اور میرے والدین اس دولت سے جس قدر مالا مال تھے میں اتنا ہی قلاش زندگی میں اگر مجھے کچھ نہ کرنا آیا تو وہ صبر تھا اور جو میں کبھی کر نہ سکا وہ شکر تھا اور صبر و شکر تو وہ سواری ہیں جو اپنے شہوار کو کبھی گرنے نہیں دیتی اور میرے والدین بھی کبھی نہیں گرے مشکل سے مشکل گھڑی میں

بھی آسمان کی طرح بلند رہے اور میں اپنی ناشکری کے ہاتھوں سب کچھ لٹا بیٹھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے میں گیارہ برس کا تھا جب میری اکلوتی پھپھی سکینہ بیوہ ہو گئی، سسرال والوں نے پھپھی اور اس کی نو سالہ بیٹی کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا میرے ابا اور اماں اگلے ہی دن پھپھی کو اور اس کی نو سالہ بیٹی عریم کو گھر لے آئے، پھپھی بہت کم گو عورت تھی اور شوہر کی موت نے تو اس سے اس کا سب کچھ ہی چھین لیا تھا اماں کبھی روایتی بھابھی ثابت نہیں ہوئی ہر وقت پھپھی کی دلجوئی میں لگی رہتی تھی اماں گر بہت اچھی بھابھی تھی تو پھپھی بھی روایتی نند نہ تھی کہ ابا اور پھپھی اپنے والدین کا پرتو تھے، اور میرے دادا، دادی کی مثال تو پورا چکوال دیتا تھا کہ ہم رہتے تو ایک چھوٹے سے قصبہ میں تھے مگر دادا کا ہنر اسے دور دور تک شہرت دلا گیا تھا اور دادی کی فیاضی تو حاتم طائی کی فیاضی کو بھی مات دیتی تھی، کبھی گھر کی چوکھٹ سے کوئی خالی ہاتھ نہ گیا تھا، میں دس برس کا تھا جب دادی فوت ہوئی اور میں ہمیشہ حیران ہی رہا کہ دادی کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے کہ وہ ہر آئے گئے کے ہاتھ میں دبا کر رکھ دیتی ہے، میں یہ جان نہیں سکا تھا کہ دادی کی نیت نیک تھی اور جب نیت نیک ہوتی ہے تو کبھی کم نہیں پڑتا، خیر میں پھپھی کا بتا رہا تھا پھپھی بڑی خاموشی سے گھر میں رہنے لگی تھی اور پھپھی کی بالکل الٹ پھپھی کی اکلوتی لڑکی عریم جو مجھ سے تین برس چھوٹی تھی پھولے گالوں اور سرخ رنگت والی عریم دیکھتے ہی دیکھتے اماں ابا کی لاڈلی بن گئی تھی، وہ تھی ہی اتنی پیاری کہ جو دیکھتا نثار ہو جاتا، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں کو جب شرارت سے مٹکاتی تو مانوں سویرا ہو جاتا تھا، وہ مجھے بھی بے حد اچھی لگتی تھی کہ وہ تھی ہی اتنی پیاری، مگر رفتہ رفتہ مجھے اس سے چڑ ہونے لگی تھی، کہ وہ سب کی ہر دلعزیز ہوتی جا رہی تھی، ذہین بھی بلا کی تھی اسکول میں ہمیشہ اول آتی تھی اور میں گہری سانولی رنگت کا عام سا بچہ جسے ایک نظر دیکھنے کے بعد نگاہ پلٹ کر مجھ تک نہیں آتی تھی اور ذہین بھی نہ تھا بمشکل جماعت میں پاس ہوتا تھا، دھیرے دھیرے اماں ابا عریم کی مثالیں دینے لگے اور مجھے عریم بری لگنے لگی، ایک خاص قسم کی چڑ ہو گئی، میں اسے والدین اور پھپھی کی نظر بچا کر تنگ کرنے لگا وہ مجھ سے بہت ڈرتی تھی مگر کبھی میری شکایت کسی سے نہیں لگاتی تھی اور یہی بات مجھے شیر بنا گئی تھی۔

بچپن تو بیتا ہی تھا لڑکپن نے بھی خیر باد کہا جوانی نے قدم بوسی کی، میں وہی عام سا لڑکا تھا، دبلا پتلا، سانولا چہرہ عام سی آنکھیں اور لب کچھ بھی تو خاص اور تعریف لائق نہ تھا اور دوسری جانب عریم تھی سولہ برس کی عمر میں جوانی یوں ٹوٹ کر برسی تھی کہ اسے دیکھ کر آنکھ سیر ہی نہ ہوتی تھی، چھریرا بدن، گوری سرخی مائل رنگت جسے دیکھ کر یوں گماں ہوتا تھا جیسے دودھ میں جام شیریں ملایا ہو، یاقوتی لب، مدھ بھری سیاہ جھیل سی گہری آنکھیں، جن پر دیوان کے دیوان لکھے جا سکتے تھے، جس محفل میں جاتی، محفل کی جان بن جاتی، سولہویں سال میں قدم رکھا ہی تھا کہ رشتے داروں اور آس پڑوس سے گویا رشتوں کی لائن لگ گئی، ان دنوں پھپھی بہت بیمار تھی اور پھپھی نے رشتوں کی بھرمار دیکھ ابا سے اپنی خواہش کہہ ڈالی، ابا پہ تو جیسے شادی مرگ طاری ہو گیا، اماں بھی بڑی خوش تھی اور جب مجھے پتہ چلا کہ عریم اور میری شادی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے افق پر تو میں بھی اڑنے لگا، کہاں میں اور کہاں عریم، مگر میں تھا بڑا خوش، گو چاہے میں عریم سے جتنا

بھی چڑتا تھا وہ مجھے اچھی لگتی تھی اس کے حسن کی چکا چوند نے میری آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں، ابا نے مجھ سے پوچھا تو میں نے فرمانبرداری کی تمام حدیں توڑ ڈالیں سب کچھ ان پر چھوڑ کر ابا کو نہال کر دیا، میں ان دنوں بی کام کے پیپرز دے کر فارغ ہوا تھا اور عریم انٹر میں تھی، بڑی دھوم دھام سے ہماری منگنی ہوئی تھی، منگنی سے قبل میں جتنا خوش تھا، منگنی کی تقریب کے اختتام تک اتنا ہی مضمحل اور قدرے غصہ میں تھا، کہ تقریب میں ہوتی سرگوشیاں میں نے سنی بھی تھیں محسوس بھی کی تھیں۔

''حور کے پہلو میں لنگور والی بات ہے، لگتا ہے سکینہ نے بھائی کے احسانوں کا بدلہ چکانے کو اس بے جوڑ شادی کے لئے حامی بھری ہے۔''

''ارے سکینہ کچھ تو دیکھتی، بیٹی چاند سی ہے اور داماد کالے کوئلہ جیسا ڈھونڈ لیا ہے۔''

جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں جہاں مجھ پر رشک کیا جا رہا تھا وہیں عریم پر ترس بھی کھایا جا رہا تھا میں تو لڑکپن سے ہی عریم کی تعریفوں کا مارا تھا زندگی کے اس موڑ پر جل کر خاک ہی تو ہو گیا، میں نے سوچ لیا تھا کہ میں نے عریم سے شادی نہیں کرنی کہ لوگوں کی جلی کٹی باتیں سننے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا، تین ماہ گزرے تھے، کہ پھپھی سکینہ وفات پا گئی تھی، ان ہی دنوں مجھے میرے ایک دوست نے کراچی جانے کا مشورہ دیا، سرفراز میرا جگری یار تھا میرے دل کے ہر راز کا امین اور اس کا کہنا تھا کہ مجھے پڑھ لکھ کر بہت کامیاب انسان بننا چاہیے کہ عورت چاہے کتنی ہی توپ شکن حسن کی مالک ہو اگر مرد کماؤ پوت ہو، نوٹوں کی ریل پیل ہو تو عورت کا حسن ماند پڑ جاتا ہے اور مجھے سرفراز کی بات سمجھ آ گئی تھی میں نے سوچ لیا تھا کہ میں نے کچھ ایسا کرنا ہے کہ لوگ مجھ پر رشک کرنے کے بجائے عریم پر رشک کریں اور اس کے لئے مجھے دولت درکار تھی، میں نے جب شہر جانے کی بات کی ابا اور اماں دونوں نے ہی صاف انکار کر دیا یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بچپن میں ابا مجھے اسکول کے بعد اپنی دکان پر بٹھاتے تھے، دکان کیا تھی ٹاٹ کا پردا لگا کر دھوپ سے بچاؤ کا انتظام کیا تھا اور اونچے سے چبوترہ پر ابا کا لکڑی کا بکسہ تھا جس میں اس کے اوزار تھے جن کی مدد سے وہ جوتوں کی مرمت کرتا تھا، مجھے یہ کام کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا کہ دوسروں کے پھٹے پرانے جوتوں کی مرمت کی جائے اور سب سے بڑی تذلیل تو مجھے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب کوئی کروفر سے پاؤں میں پہنا جوتا ابا کے سامنے کرتا تھا اور ابا بڑی دلجمعی سے ان کو پالش کرتا تھا، میں اکثر چپ رہتا تھا مگر جس دن چپ نہیں رہا جاتا تھا تو میں پھٹ پڑتا تھا۔

''ابا تو چھوڑ کیوں نہیں دیتا یہ کام، اس کام میں بڑی ذلت ہے، میری مان کچھ اور کام کر لے۔'' میرا لہجہ جتنا سخت ہوتا تھا ابا اتنی ہی نرمی سے بولتا تھا۔

''نہ میرا بیٹا ایسے نہیں کہتے، کام چھوٹا بڑا نہیں ہوتا کہ ہر کام کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کر کے دکھایا، وہ ذات جن کے لئے دنیا تخلیق ہوئی وہ اپنا ہر کام خود کرتے تھے، اپنے جوتے کا تسمہ تک خود ٹھیک کر لیتے تھے اور جو کام ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا وہ چھوٹا نہیں ہو سکتا۔''

ابا کی بھی اپنی منطق اپنے دلائل تھے، میں قائل نہیں ہوتا تھا مگر الجھ بھی نہیں پاتا تھا کہ ابا کی کوئی بھی بات اللہ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی تھی اور مجھے ابا کی باتوں سے بڑا ڈر لگتا تھا، ہاں تو میں کہہ

رہا تھا کہ جب میں نے شہر جانے کا خیال دل سے نکال کر باپ دادا کے پیشہ کو اپنا لوں یہ سن کر تو میں ہتھے سے ہی اکھڑ گیا اور نہایت بدتمیزی سے سالوں کی بھڑاس نکالتا چلا گیا۔

''ابا! یہ دوسروں کی چاکری تمہیں ہی مبارک، میں اس گھٹیا کام کو کرنا تو دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں نے اتنی تعلیم اس لئے حاصل نہیں کہ کہ میں جوتے مرمت کروں۔'' ابا کا سفید چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور میں جو دل میں تھا زبان سے ادا کرتا چلا گیا تھا، ابا کی وہی نصیحتیں تھیں، سنت نبویؐ کے ذریعے میرا دل موم کرنے کی کوششیں تھیں مگر میرا تو دل پتھر کا ہو گیا تھا باپ کے چہرے کی تاریکی و آزردگی نظر میں نہیں آتی تھی ہر چیز بہت واضح ہونے کے باوجود میں قائل نہیں ہو پایا تھا مجھے اپنی تعلیم کا زعم تھا اور فخر یہ اپنی تعلیم کا بار بار ذکر کرتا کچھ اپنی شایان شان نوکری کرنے کا دعویٰ کرتا جا رہا تھا تب ابا کی دھیمی آواز گونجی تھی اور میں ابا کے منہ سے انکشاف کو سن کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

''پتر! تعلیم نوکری کے حصول کے لئے نہیں، شعور کے حصول کے لئے حاصل کی جاتی ہے، علم بہتر وہ ہے جو خود پر فخر کرنا نہ سکھائے، آدمیت کو انسانیت کے راز جو بتائے وہ علم ہے، علم پر فخر تو جاہل کرتے ہیں، جو جانتے ہی نہیں کہ دراصل علم ہے کیا، اگر علم یہ ہے کہ ''میں'' کو پروان چڑھائے، حقیر و برتر کا امتیاز پیدا کرے تو میرا بچہ، وہ علم نہیں ہے، ہم نے بھی اسکول کالج کی شکل دیکھی ہے، اپنے وقت میں، تمہارا باپ بہترین مقرر تھا، انٹر بورڈ میں پہلی پوزیشن لی تھی، تمہیں اپنا موچی باپ جاہل لگتا ہے، تمہیں لگتا ہے کہ تمہارا باپ موچی اس لئے ہے کہ وہ جاہل ہے، تو تم غلطی پر ہو تمہارا باپ گریجویٹ ہے اور موچی اپنے شوق سے باپ دادا کے ورثے میں ملے پیشہ سے ہے کہ اپنی حقیقت، اپنی اصل انسان کو کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے، زندگی نے ہمیں بھی مواقع دیئے مگر ہم نے اپنی اصل کبھی فراموش نہ کی، آج بھلے میں لوگوں کے جوتے صاف کرتا ہوں، جوتے مرمت کرتا ہوں مگر آٹھ لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں کہ میں نے علم نافع حاصل کیا، اپنے علم پر فخر نہ کیا اور اپنے پیشہ کو حقیر نہ جانا، اپنے علم پر کبھی فخر نہ کرنا کہ علم پر فخر انسانیت کا دشمن بن جاتا ہے۔'' ابا اپنی بات ختم کر کے جا چکا تھا، اور میں وہیں محو حیرت کھڑا تھا میں جانتا ہی نہ تھا کہ میرا باپ اتنا قابل تھا میں جو اپنے باپ کی گفتگو سے اکثر متاثر ہو جاتا تھا، اس بات سے ہی ناواقف تھا کہ گفتگو کا ہنر میرے باپ نے علم سے سکھا تھا، میں اپنے آپ میں شرمندہ رہ گیا تھا، مگر میری راہیں بڑی کھوٹی تھیں مجسم روشنی کے ہوتے بھی میرے نصیب میں بھٹکنا لکھا تھا اس لئے دل کے جھکنے کے باوجود دماغ کی سنتا میں کراچی چلا گیا تھا اور کراچی میں ایک نئی زندگی شروع ہوئی تھی، میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا اور نوکری کی تلاش شروع کر دی تھی وہاں میرے بھٹکنے کے تمام راستے کھلے تھے مجھے نوکری جلد ہی مل گئی تھی۔

چند ماہ بعد مجھ پہ کھلا تھا یہ کمپنی دراصل تھی کیا ظاہری طور پر امپورٹ ایکسپورٹ کے کام سے وابستہ کمپنی اندر ہی اندر کیسے ملک دشمن عناصر کو تقویت دے رہی تھی یہ چند ماہ میں ہی مجھ پر عیاں ہو گیا تھا میں پلٹنا چاہتا تھا مگر چھ ماہ میں جو آسائشات میرا مقدر ہوئی تھیں میں پلٹ نہ سکا اس دلدل میں، اندر ہی اندر اترتا چلا گیا، ابا کو جب ایک کثیر رقم بھیجی تو میرا رزق حلال کمانے والا باپ حرام کی بو پا گیا زندگی میں پہلی دفعہ ابا بڑا

غصہ ہوا، مجھے تھپڑ بھی مارا، زندگی کا پہلا تھپڑ، میں جو نصیحت چاہتا تو پا سکتا تھا مگر میں ابا سے لڑ جھگڑ کر واپس شہر آ گیا اور یونہی دو سال گزر گئے، کراچی میں میرا اپنا بنگلہ تھا، گاڑی تھی دنیا کی ہر آسائش مجھے میسر تھی بس ایک سکون کو میں ترسنے لگا تھا۔

☆☆☆

ابا بیمار تھا اور میں جب گھر پہنچا تو ابا نے بس میرے سلام کا ہی جواب دیا کہ جب سے میں نے غلط راہوں کا انتخاب کیا تھا ابا نے مجھ سے کلام تک کرنا چھوڑ دیا تھا، اس بار میں تقریباً چھ ماہ بعد آیا تھا اور عریم کو دیکھ کر مجھے قدرے حیرانگی ہوئی تھی اس کی رنگت کملائی ہوئی تھی، آنکھوں کے نیچے بھی حلقے پڑے ہوئے تھے اسے دیکھ کر مجھے یہی خیال گزرا تھا کہ وہ شاید بیمار رہی ہے مگر اس سے پوچھا نہ تھا کہ ہم کافی طویل عرصہ ایک چھت تلے رہے تھے، مگر میں اسے مخاطب نہ کرتا تھا وہی اکثر بھی چائے تو کبھی کھانے کے لئے مجھے بلانے آتی تھی اور صرف بلا کر ہی چلی جاتی تھی کہ میں بات کرتا نہ تھا وہ آگے سے کچھ کیسے کہہ سکتی تھی مجھے یاد ہے جب میں کراچی جارہا تھا مجھے اس کی مدبھری آنکھیں کچھ کہنے لگی تھیں مگر میں نے دھیان ہی نہ دیا تھا اور چھ ماہ بعد جب لوٹا تھا اور مجھ پر ابا نے واپسی کے راستے بند کر دیئے تھے اس وقت ان آنکھوں میں کیسی التجاء تھی میں جان کر بھی انجان بن گیا تھا اور اب ایسا کیا ہوا تھا کہ مدھ بھری آنکھیں بڑی اداس تھیں، بڑی خاموش تھیں اور یہ عقدہ بھی کھل گیا تھا ابا نے اس کی شادی اپنے بھائی کے لڑکے سے طے کر دی تھی میں تو سن کر ہی غصہ سے آپے سے باہر ہو گیا تھا مگر ابا نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی بہن کی آخری نشانی کو ایسے شخص کے پلے نہیں باندھ سکتے جو حرام کی کمائی سے اپنا گھر اور پیٹ کا دوزخ بھر رہا ہے، میں نے ابا کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں مانا تھا میری ہر دلیل بے کار تھی، ابا نے عریم کی شادی طے کر دی تھی فقط ایک ماہ بعد عریم کی شادی تھی اور میں ابا سے لڑ جھگڑ کر واپس شہر جارہا تھا اور تب پہلی دفعہ عریم مجھ سے مخاطب ہوئی تھی، مجھے شہر جانے سے روکنے کے لئے کوشاں تھی روتی سسکتی عریم نے اظہار محبت کی منزل طے کر ڈالی تھی۔

''شمس! اظہار عورت کو جچتا نہیں مگر میں بہت بے کس و مجبور ہو گئی ہوں، میری محبت نے مجھے سوالی بنا دیا ہے، ماموں جان کی بات مان لیں واپس لوٹ آئیں، آپ کے بناء میں بہت ادھوری ہوں، میں نے صرف آپ کو چاہا ہے، آپ کے ساتھ کے سپنے سجائے ہیں، مجھے میری محبت دان کر دیں، خدا کے لئے اندھیرے سے نکل آئیں یہاں سوکھی روٹی ضرور ہے شمس مگر اپنوں کا ساتھ اور محبتیں بھی ہیں شہر میں آپ کو سب کچھ مل جائے گا اپنوں کا ساتھ محبت اور عریم نہیں ملے گی۔''

وہ کسی داسی کی طرح میرے چرنوں میں بیٹھی فریاد کناں تھی اور میں اندر ہی اندر بہت خوش تھا کہ وہ عورت جس کے سپنے سجاتے بھی لوگ ڈرتے ہیں وہ میرے سپنے دیکھتی تھی، اس بات کو میں نے پالیا تھا مگر محسوس نہ کیا تھا کہ اگر میں مغرور ہو کر اپنی ذات کے زعم میں مبتلا نہ ہوتا تو ضرور عریم کی محبت کو محسوس کرتا اور ٹھہر جاتا میں نے تو اس کی محبت میں اپنی انا کو یوں تقویت پاتا محسوس کیا کہ مجھے پھر محبت نظر ہی نہ آئی، وہ روتی رہی، سسکتی رہی، مجھے روکتی رہی اپنی محبت کی دہائی دیتی وہ حسین عورت میری نہ جانے کون سی حس کی تسکین کا سبب بن رہی تھی کہ اس کا رونا، محبت کی

بھیک مانگنا مجھے تسکین پہنچاتا رہا اور جب تسکین کا ذریعہ دوسرے کی ذلت و رسوائی بن جائے تو انسانیت اور محبت کا پنچھی اڑن چھو ہو جاتا ہے، وہ مجھے روک رہی تھی اور میں نے جانے کا قصد کرلیا تھا، ابا نے مجھ سے کہا تھا۔

''جن محبتوں کو ٹھکرا کر جا رہے ہو شمس الدین جب جیون کی پونجی لٹا کر شکستہ سے لوٹو گے تو سب کچھ پرانا ہوگا اور محبتیں بھی پرانی ہو چکی ہوں گی، جب شکستہ لوٹو گے تو تمہیں خوش آمدید کہنے والا بھی کوئی نہ ہوگا، کہ محبت کو ٹھکرانے والے کو تو کہیں بھی امان نہیں ملتی۔'' ابا نے بھانجی کی محبت کو محسوس کر کے مجھے سمجھانے کی لاحاصل کوشش کی تھی مگر میں اپنی ذات کے زعم میں تھا میری نظر آسماں کی طرف تھی میں ہر محبت ہر مان سے گریزاں تھا اور گریز کی راہ پہ چلتا راہ فرار اختیار کر گیا تھا، نہ ابا کی نصیحتیں کام آئی تھیں نہ اماں کے آنسو اور نہ ہی عریم کی محبت قدموں کی زنجیر بنی تھی اور میں نے کبھی پلٹ کر نہ آنے کا ارادہ کر کے دہلیز پار کر لی تھی وہ دہلیز جو میری آہٹ کو ترس گئی تھی اور دستک کی آس میں دروازہ گم صم ہو گیا تھا، ابا نے مقررہ تاریخ پر عریم کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا تھا، عریم جس کی رگوں میں خون سے زیادہ میری محبت گردش کر رہی تھی محض ڈیڑھ سال ہی جی پائی اور زچگی کے دروان پیچیدگیوں کے باعث دار فانی سے کوچ کر گئی اس کی بیٹی نے فقط چند سانسیں لیں اور ماں کے ساتھ ہی ابدی سفر پر روانہ ہوگئی، عریم اماں ابا کو جتنی عزیز تھی چند ماہ ہی اس کی موت انہیں زندہ رکھ سکی اور فقط چند ماہ کے آگے پیچھے سے وہ دونوں بھی مالک حقیقی سے جا ملے، عریم کی وفات کا مجھے پتہ چلا تھا اس وقت میں کوریا میں تھا چاہ کر بھی آ نہیں سکتا تھا اور اماں ابا کی وفات کا تو مجھے

پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ ابا اور اماں دونوں ہی وصیت کر کے مرنے تھے کہ جس اولاد نے زندگی میں جیتے جی سہارا نہ دیا وہ بعد مرے کے کاندھا بھی نہ دے اور میں نے خواہشات کے پیچھے بھاگتے، اپنی ذات کے زعم میں سب کچھ کھو دیا، سارے پیارے مٹی کا ڈھیر ہو گئے تھے، وہ زندگی سی حسین زندگی سی لڑکی میری راہ دیکھتی پہلے پتھر بنی پھر منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔

☆☆☆

میں نے زندگی میں بہت کچھ حاصل کیا تھا، ایک کامیاب بزنس مین، لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں، بیوی ہے بچے ہیں ہر طرح سے خوشحال زندگی ہے اور حقیقت میں سب مٹی کا ڈھیر ہے اور میری ذات کنکری بن کے میری ہی آنکھوں میں چبھنے لگی ہے۔

آج جب میرے بیٹوں نے مجھے میری اوقات یاد دلائی، تمام بزنس پر قبضہ کر کے مجھے ناکارہ شے کی مانند نکال باہر کیا تو مجھے واپسی کا خیال آیا محل میں رہتے تو کبھی کچا صحن یاد نہ آیا تھا محل سے نکلتے ہی کچے صحن کی یاد میں مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی تھی اور جب میں تھکا ہارا زندگی کی تمام پونجی لٹا کر واپس لوٹا ہوں تو میرا استقبال کرنے والا کوئی نہیں، کوئی نہیں جو کہے تم بن ساجن یہ نگری سنسان کہ میں نے ایک گریزاں موج کی خاطر جو خود سے دشمنی نبھائی تھی، اپنوں کو بے سہارا کیا تھا، محبت کو لب دم چھوڑ گیا تھا تو میرا انجام یہی ہونا چاہیے تھا کہ سارے اپنے روٹھ چکے تھے، موت کی آغوش میں میٹھی نیند سو رہے تھے اور میں اپنی حرماں نصیبی کو لئے ایک ایک کی قبر پر ندامت کے آنسو اور چند پھول نچھاور کرتا نہ جانے کس منزل کی اور چل پڑا ہوں۔

ڈھول، ببول بگولے دیکھو
ایک گریزاں موج کی خاطر
صحرا صحرا پھرتے ہیں
تم بھی پھر و درویش صفت اب
رقصاں رقصاں حیراں حیراں
لوٹ کے اب کیا آؤ گے
اور کیا پاؤ گے
کون کہے گا تم بن ساجن
یہ نگری سنسان

واپسی کا سفر صرف دشوار ہوتا ہے اور واپسی سے واپسی کا سفر دشوار ترین اور میں اسی دشوار ترین سفر کا مسافر ہوں کہ بہت کچھ حاصل کرنے کی چاہ نے مجھے تمام عمر بھٹکایا اور آدھی کو چھوڑ کر ساری کے پیچھے بھاگنے کی لگن نے مجھے تہی دست کر ڈالا ہے کہ جو موجیں ہوتی ہیں کب کسی کی ہوئی ہیں اپنی مرضی سے اٹھتی ہیں، شور مچاتی ہیں اور خاموش ہو جاتی ہیں جیسے ابا نے چپ سادھ لی تھی، جیسے اماں نے خاموش رہنا سیکھ لیا تھا اور جیسے عریم کی محبت خاموشی کا پیرہن اوڑھ گئی تھی اور یہ خاموشی کیسی جان لیوا ہوئی ہے کہ مجھے برسوں بعد پتہ چلا ہے اور کوئی فائدہ نہیں کہ میں ایک گریزاں موج کی خاطر سکون و محبت کا دریا عبور کر گیا تھا اور اب میرے لوٹنے کا کوئی فائدہ نہ تھا میں بے نشاں منزل کو چل پڑا ہوں کہ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ''ناراض ہونے والوں کو منایا جا سکتا ہے، مگر خاموش ہو جانے والوں کو نہیں۔''

☆☆☆

"پورے پچاس ہزار ہیں۔" وفورِ مسرت سے حنا کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"آج شام تک شاندار بکرا صحن میں بندھا ہوگا انشاء اللہ۔" اقبال نے احتیاط سے رقم شلوار کی جیب میں ڈال کر کہا، اب وہ بکرا منڈی جانے کے لئے تیار تھا۔

"بابا بکرا بلیک اینڈ وائٹ لینا ہے۔" سات سالہ حنان نے چہکتے ہوئے اپنا پسندیدہ رنگ بتایا، خوشی اور جوش اس کے معصوم چہرے سے چھلک رہا تھا۔

"نو بابا بکرا ییلو لینا ہے۔" پانچ سالہ معصوم سارہ ٹھنکی، حنا اور اقبال ہنس پڑے۔

"بکرا ییلو کلر کا نہیں ہوتا پاگل۔" حنان نے معصومانہ سنجیدگی سے قابلیت جھاڑی۔

"مجھے ییلو بکرا ہی چاہیے۔" سارہ روہانسی ہوگئی۔

''او کے او کے میں بلیو بکرا ہی لاؤں گا، حنان کے لئے بلیک اینڈ وائٹ اور سارہ کے لئے بلیو بکرا، اب خوش۔'' دونوں کے چہرے خوشی سے دہکنے لگے۔

''یس بابا۔'' اقبال نے سارہ کی پسند کے مطابق بکرے کا حل نکالا لیا تھا، حنا دل میں رب کی شکر گزار بچوں اور اقبال کا آپس میں لاڈ پیار دیکھتی رہی، اقبال نے اپنی بائیک باہر نکالی تو حنا اور بچے بھی دروازے میں آ کھڑے ہوئے۔

''حنا دعا کرنا، مناسب قیمت پر دو بکرے مل جائیں تاکہ میرے بچے خوش ہو جائیں، پہلی مرتبہ اللہ نے ہمیں قربانی کرنے کی سعادت بخشی ہے۔'' اقبال کا لہجہ عاجزی بھرا تھا۔

''آپ اللہ کا نام لے کر جائیں، ہم تینوں دعا کریں گے۔'' حنا نے مسکراتے ہوئے دعائیہ کلمات کے ساتھ اقبال کو رخصت کیا۔

☆☆☆

اقبال اور حنا کی شادی کو دس سال بیت چکے تھے، اقبال اور حنا دونوں کے والدین حیات نہیں تھے، حنا کے میکے میں کوئی نہ تھا، اقبال کا ایک بھائی تھا، جو دوسرے شہر میں مقیم تھا، اقبال پرائیویٹ کمپنی میں معمولی عہدے پر کام کرتا تھا، قلیل تنخواہ میں حنا کھینچ تان کے گزارا کرتی تھی، کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی، شادی کے بعد دس سالوں میں شدید خواہش اور جذبہ قربانی دل میں رکھنے کے باوجود عید الاضحیٰ پر قربانی کی استطاعت حاصل نہ ہو پائی، حنا کے دل کی شدید خواہش بکرے کی قربانی تھی، یعنی قربانی گھر میں کی جاتی، دس سالوں میں اقبال کی تنخواہ میں اضافہ بھی ہوا، معمولی دوجے کی ترقی بھی ہوئی، لیکن خرچ بھی اسی شرح سے بڑھتا گیا، بچے بھی اب ضد کرنے لگے تھے، حنا نے اقبال سے مشورہ کر کے محلے میں ہی خالہ رشیدہ کے پاس کمیٹی ڈال لی، ہر ماہ بہت سی ضروریات پس پشت ڈال کر بچت کر کے کمیٹی دیتی رہی، حنا نے پہلے ہی کہہ رکھا تھا مجھے ذوالحجہ سے پہلے ذی قعد کے مہینے میں کمیٹی چاہیے، عید سے دس دن قبل خالہ رشیدہ پچاس ہزار کمیٹی کی رقم تھما گئی تھی، کمیٹی ہاتھ میں آتے ہی اتوار کے دن اقبال کو بکرا منڈی روانہ کر دیا تاکہ رقم کسی دوسری ضرورت میں خرچ نہ ہوئے، اس کی زندگی کی شدید ترین آرزو پوری ہونے جا رہی تھی، اس کے رب نے ان کو اس قابل کر دیا تھا، اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی وہ لوگوں کے گھر سے گوشت آنے کا انتظار کرتی تھی، شادی کے بعد بھی نظریں عید کے دن بیرونی دروازے کا طواف کرتی رہتی تھیں، کوئی گوشت دینے آئے تو ہانڈی چڑھائیں، کبھی کبھار عید کے دن سبزی کھا کر ہی گزارا کرنا پڑا، اس عید پر بکرے کی صورت خوشیوں کا نزول ہونے والا تھا، بچے اور حنا بے تابی سے اقبال کی بمعہ بکروں کے واپسی کے منتظر تھے۔

☆☆☆

شاداں اور فرحاں اقبال بائیک پر بکرا منڈی کی جانب رواں دواں تھا، بائیک کی حالت کافی خستہ تھی، نئی بائیک لینے کی گنجائش نہ تھی، قربانی کا جذبہ دل و دماغ پر حاوی تھا، بائیک کی رفتار ہلکی تھی، اچانک اقبال کی نظر فٹ پاتھ پر چلتے ضعیف بزرگ پر پڑی، جو پیدل، شکستہ اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلتے بزرگ کے لئے دل میں ایک لخت جذبہ ہمدردی امڈا، بائیک بزرگ کے قریب جا کر روک دی، بزرگ نے بائیک کی آواز پر پلٹ کر دیکھا، جھریوں زدہ چہرے پر صدیوں کی تھکن رقم تھی، سفید ریش پر آنسو ٹپک رہے تھے، بوڑھی آنکھوں

میں غم کا جہان آباد تھا، اقبال نے نرمی سے استفسار کیا۔

''آپ کو کہاں جانا ہے، آپ کی حالت بھی ٹھیک نہیں لگتی، آیئے میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔''

جواباً بزرگ نے خالی اور دکھی نظروں سے اقبال کو دیکھا، اقبال کا دل ہل گیا آنکھوں کی بے بسی پر نہ جانے کیا دکھ ہے۔

''آپ کو کوئی پریشانی ہے؟'' بائیک سے اتر کر بزرگ کے قریب کھڑے ہو کر اقبال بے ساختہ استفسار کرنے بیٹھا۔

''بس بیٹا کیا کرو گے جان کر۔'' بزرگ نے آہ بھری۔

''پھر بھی بابا جی بتائیں اپنا بیٹا سمجھ کر دکھ شیئر کریں، ہو سکتا ہے میں آپ کے کسی کام آ سکوں۔'' اقبال کے پر زور اصرار پر بوڑھی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہنے لگا، پھوٹ پھوٹ کر روتے بزرگ کی تکلیف اقبال نے اپنے دل پر محسوس کی، اقبال نے ان کے آنسوؤں کو بہنے دیا، آنسو بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں معاون ہوتے ہیں اور سارا دکھ درد نکال کر روح کو ہلکا پھلکا کر دیتے ہیں، بوڑھی آنکھیں آنسو بہاتے بہتے تھک گئیں، بزرگ وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئے، اقبال بھی ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''اب بتایئے کیا پریشانی ہے؟'' نرمی بھرے استفسار پر بزرگ نے اپنی داستان الم سنانا شروع کر دی۔

''میرا ایک ہی بیٹا تھا، بھری جوانی میں بیٹا اور بہو معصوم بچی کو چھوڑ کر ٹریفک حادثے میں چل بسے، ہم دونوں میاں بیوی نے مشقتوں سے پالا پوسا، جتنی گنجائش تھی پڑھایا پھر شادی کر دی، بدنصیبی نے گویا ہمارا گھر تاک لیا تھا، پوتی کی چار بیٹیاں ہیں، بیٹا کوئی نہیں، پچھلے سال اس کا شوہر بھی بم دھماکے میں چل بسا، سسرال والوں نے گھر سے نکال دیا، وہ پھر ہمارے گھر آ گئی، اب وہ بیمار ہے۔'' بزرگ پھر سسکیاں بھرنے لگے۔

''میری پوتی مر رہی ہے اس کے پتے میں پتھری ہے، اس کے علاج کے لئے ڈاکٹر نے پچاس ہزار مانگے ہیں، میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، خیراتی ہسپتال بھی لے کے گیا تھا، انہوں نے علاج کے لئے سامان نہیں کہہ کر پرائیویٹ ہسپتال سے علاج کرانے کو کہا۔'' بزرگ نے روتے روتے اقبال کو بتایا، ٹوٹا بکھرا لہجہ، اقبال کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔

''اب آپ کی پوتی کہاں ہے؟'' بزرگ کے چہرے پر کربناک مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

''گھر میں ہی ہے، ہاتھ میں کچھ ہو گا تو ہسپتال میں داخل کرواؤں گا، یہ بھی ڈاکٹر نے ترس کھا کر پچاس ہزار رقم کا انتظام کرنے کو کہا ہے، انتظام کر کے مریضہ کو فوراً لے آئیں داخل کر دیں گے، چار بچیاں رل جائیں گی اگر میری پوتی کو کچھ ہو گیا، میں اور میری بیوی بوڑھے اور ضعیف، ہم کب تک جئیں گے۔'' اقبال کی نگاہوں کے سامنے حنا اور بچوں کے منتظر چہرے گردش کرنے لگے، بزرگ کی تکلیف اور پریشانی بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی، ایک انسان کی جان بچانے میں مدد کرنا گویا پوری انسانیت کو بچانا ہے، اللہ کی مستحق مخلوق کی مدد کرنے سے میرا اللہ کتنا خوش ہو گا، اقبال اپنے رب کی رضا کی خاطر اس کے بندے کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔

''اٹھیں بابا جی، میں آپ کی مدد کروں گا جہاں تک مجھ سے ہو سکا۔'' بزرگ نے بے یقینی

سے اس فرشتہ صفت نوجوان کو دیکھا۔

''آپ جلدی سے ایڈریس بتائیں تا کہ ہم آپ کی پوتی کو ہاسپٹل میں جلد سے جلد ایڈمٹ کروا دیں۔'' اقبال نرمی سے کہہ کر بائیک سٹارٹ کرنے لگا، بزرگ دعائیں دیتے ہوئے اقبال کے پیچھے بیٹھ کر ایڈریس سمجھانے لگے۔

☆☆☆

''اب آپ کی مریضہ کی حالت خطرے سے باہر ہے۔'' ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے اقبال اور بزرگ بابا جی کو خوشی کی نوید سنائی، بزرگ کی آنکھیں خوشی کے بے پایاں احساس تلے جھلملانے لگیں، اقبال نے بھی شکر کیا بروقت ہاسپٹل لانے سے دو گھنٹے کے آپریشن کے بعد مریضہ خطرے سے نکل آئی تھی، رات کے آٹھ بج چکے تھے، اس دوران حنا کی کال آنے پر وہ مختصراً صورتحال سے آگاہ کر چکا تھا، حنا کے چپ کرنے پر اقبال نے کال منقطع کر دی۔

گھر جا کر تفصیل سے بتا دوں گا، یہی سوچ کر مطمئن وہ گیا، اب سب ٹھیک ہو چکا تھا، اقبال نے بزرگ سے اجازت چاہی۔

''بابا جی اب میں چلتا ہوں، انشاء اللہ میں چکر لگاتا رہوں گا۔'' بزرگ نے محبت سے اقبال کے سر پر ہاتھ رکھا اور دعاؤں کا نہ ختم ہونے والا گویا سلسلہ شروع ہو گیا، اقبال جب ہاسپٹل سے باہر نکلا تو دعاؤں کے بوجھ تلے دب چکا تھا۔

یہ ایسا بوجھا تھا جو اسے جی جان سے قبول تھا، دکھی انسان نے خوش ہو کر اسے دعائیں دی تھیں، اقبال اپنے رب کو راضی کرنے پر مسرور تھا۔

اقبال گھر واپس لوٹا تو بچے سو چکے تھے، حنا نے جلدی سے کھانا گرم کر کے چارپائی کے سامنے میز پر رکھ دیا، اقبال فریش ہو کر کھانا تناول کرنے لگا، حنا بھی چہرے پر مسکراہٹ لیے اقبال کے پاس بیٹھ گئی، کھانا ختم کرنے کے بعد اقبال نے حنا کو محبت بھری مسکراہٹ سے نوازا اور حنا کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے، ان کے درمیان محبت تھی جہاں محبت ہو وہاں سکون کی حکمرانی ہوتی ہے، حنا کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے اقبال گویا ہوا۔

''حنا میں بیان نہیں کر سکتا جو سکون اور اطمینان مجھے بزرگ کی مدد کر کے حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع میں کیسے گنوا دیتا۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا، اگر آپ مدد نہ کرتے تو مجھے دکھ ہوتا، بچوں کو میں بہلا چکی ہوں، ان سے کہہ دیا ہے اس سال شاید ہم بکرے نہ لا سکیں گے کیونکہ بابا وہ رقم اللہ کو قرض دے چکے ہیں، جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کہے تو بندہ انکار نہیں کر سکتا۔۔ وہ مطمئن بھی ہو گئے اور خوش بھی، اب آپ آرام کریں، کل آفس بھی جانا ہے۔'' حنا کے بے ریا چہرے پر مسکان سجی تھی، حنا کے چارپائی سے اٹھنے پر اقبال لیٹ گیا، حنا بھی اپنی چارپائی پر لیٹ گئی، اقبال نے محبت سے بچوں اور حنا کو دیکھا اور پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں کہ حنا جیسی بیوی تو نعمت خداوندی ہے۔

☆☆☆

اقبال اگلے دن آفس پہنچا، ابھی چیئر سنبھالی تھی کہ لڑکا باس کا پیغام لئے ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''سر آپ کو باس نے بلایا ہے۔''

''یا اللہ خیر، کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔'' اقبال پریشان ہو اٹھا کیونکہ باس کا بلاوا ہمیشہ اس کے لئے پریشانی لاتا تھا، دھڑکتے دل کے ساتھ اقبال نے باس سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب

کی، باس نے خوشگوار موڈ کے ساتھ اندر بلایا تو اقبال کا دل پرسکون ہوا۔

''جی سر۔'' اقبال نے مودبانہ استفسار کیا۔

''اقبال کمپنی تمہیں پرموٹ کر رہی ہے، تمہاری سیلری میں بھی انکریمنٹ (اضافہ) کر دیا گیا ہے، سب سے خوشی کی خبر تمہیں بونس مل رہا ہے پورے پچاس ہزار بہت مبارک ہو اقبال۔'' باس نے خوشدلی سے مبارکباد دی۔

''تھینک یو سر، ویری تھینکس۔'' اقبال خوشی سے بے قابو ہو کر بولا، اس کے ذہن میں بزرگ کی دعائیں گونجنے لگیں۔

''اللہ تمہیں اتنا دے بیٹا کہ کسی چیز کی کمی تمہاری زندگی میں نہ رہے۔'' سیلری میں اتنا اضافہ ہو چکا تھا وہ دو ماہ بعد نئی بائیک خرید سکتا تھا، پچاس ہزار کے تو بکرے ہی خریدوں گا، دل ہی دل میں پلان بنایا، اس نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے دوگنا کر کے لوٹایا تھا، واہ میرے مولا تیری شان کریمی، باس کے کمرے سے باہر نکل کر وہ اپنی سیٹ کی جانب بڑھا، دل میں رب کے لئے بے پایاں محبت کا سمندر موجزن تھا، اس کو اپنے رب پر کامل یقین تو تھا لیکن اللہ تعالیٰ اتنی جلدی نوازے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، آفس میں سب کو علم ہو چکا تھا، سب نے اس کو مبارکباد دی، اقبال بے چینی سے گھر جانے کا منتظر تھا، اتنی خوشی کی خبر حنا کو سنائے بغیر ایک ایک پل کاٹنا دشوار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''حنا...... حنان...... سارہ...... کہاں ہو سب، میرے پاس ایک خوشی کی خبر ہے۔'' اقبال نے دروازے کو کھول کر بائیک اندر کھڑی کی، صحن میں کسی کو موجود نہ پا کر آوازیں دینے لگا۔

''کیا ہوا، آپ نے آج سے پہلے تو اتنی آوازیں نہیں دیں؟'' حنا نے اقبال کے خوشیوں سے دمکتے چہرے کو نگاہوں میں سمو کر استفسار کیا۔

''خبر ہی ایسی ہے، جس نے مجھے آوازیں دینے پر مجبور کر دیا۔'' کھلکھلاتا لہجہ، حنا نے دائمی ہونے کی دعا کی۔

''میری پروموشن ہو گئی ہے، سیلری میں بھی اضافہ ہوا ہے بونس پورے پچاس ہزار کل پرسوں تک مل جائے گا، پھر دو بکرے لاؤں گا۔'' حنان اور سارہ کے لئے اقبال نے سرخوشی سے حنا کو بازوؤں سے پکڑ کر گھماتے ہوئے ایک ہی سانس میں بتایا تو خوشی اور مسرت سے حنا کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے، بچے بھی ماما بابا کے گرد گھومنے لگے، خوشیوں کی بارش نے اس چھوٹی سی فیملی کو بھگو ڈالا۔

''اللہ کا فرمان سچا ہے، میری راہ میں خرچ کرو دوگنا کر کے لوٹا دوں گا۔'' حنا کا دل اپنے رب کی حمد میں رطب اللسان ہو گیا۔

☆☆☆

''حنا بچوں کو جلدی ریڈی کر دو اور خود بھی پیارا سا تیار ہو جاؤ، آج کا کھانا ہم باہر کھائیں گے، واپسی پر آئس کریم بھی کھائیں گے۔'' بچے خوشی سے اچھلنے لگے، ان کے گھر میں کب یہ سب ہوتا تھا۔

''بابا ہم بائیک پر سب بیٹھ سکیں گے۔'' حنان نے الجھن آمیز نگاہوں سے استفسار کیا۔

''جی بابا کی جان، ہم بیٹھ سکیں گے، بس آپ جلدی سے ریڈی ہو جائیں۔'' حنا بچوں کو لئے کمرے میں چلی گئی، اقبال بھی چینج کرنے پیچھے ہی کمرے میں چلا گیا، اقبال احمد اپنی نیکی کا ثمر پا کر خوشی سے ہولے نہیں سما رہا تھا، آسودگی اور خوشحالی کے راستے اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر کی طرف موڑ دیئے تھے۔

☆☆☆

تحریم محمود

حدیث نبوی ﷺ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا، جب تجھ کو مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور یقین کر لے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات کا نفع پہنچا دیں ہر گز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہو جائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچا دیں تو تجھ کو ہر گز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔'' (ترمذی شریف)

سارا حیدر، ساہیوال

کام کی باتیں

- جہاں دو راستے آتے ہوں وہاں سوچ آتی ہے، جس آدمی کے پاس راستہ ہی ایک ہو اسے سوچنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔
- زندہ رہنا چاہو تو موت قیامت ہے اور مرنا چاہو تو زندگی قیامت ہے۔
- سخی تب سخاوت کریگا جب سائل بھی موجود ہو۔
- گناہ گار کا گناہ عاجزی پیدا کر رہا ہے تو وہ بچ سکتا ہے۔
- چھوٹی نیکی کو کبھی چھوٹی نہ سمجھنا، چھوٹے گناہ کو کبھی چھوٹا گناہ نہ سمجھنا۔
- اگر ایک ہاتھ اللہ کے لئے رکھ دو تو سارا وجود ہی اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا۔
- پیسہ آتا ہے ''غرور'' دینے کے لئے اور جاتا ہے مسکینی دیکر۔
- اللہ تعالیٰ کا راستہ مومن کے دروازے سے شروع ہوتا ہے۔
- فلسفہ انسان کو بوڑھا کر دیتا ہے اور شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔
- جس سے ایک لفظ بھی سیکھو دل سے اس کی عزت کرو۔
- کامیابی کا زینہ بہت سی ناکامیوں کی سیڑھیوں سے بنا ہوا ہے۔
- اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے اگر کوئی چیز اچھی نہیں تو یہ اسلام نہیں کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔
- بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے، خواہ بچے کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو۔
- خیرات دیا کرو، تاکہ تمہارے بچے کبھی بھیک نہ مانگیں۔
- تحریر ایک خاموش زبان ہے اور قلم ہاتھ کی زبان۔

مسز نگہت غفار، کراچی

طلبا کی نفسیات

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو عموماً بند رکھتے ہیں وہ عام طور پر مغرور ہوتے ہیں مگر تنہائی پسند ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو کھولتے

اور بند کرتے رہتے ہیں وہ عموماً نالائق ہوتے ہیں مگر گھریلو مسائل بڑی خوبصورتی سے حل کر لیتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کھول کر رکھتے ہیں مگر لکھتے کم ہیں وہ عموماً ذہین ہوتے ہیں مگر وہ دوسروں کو اچھا مشورہ نہیں دیتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کی نب جان بوجھ کر دوسروں کو چبھوتے ہیں وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر انہیں زندگی میں کامیابی بڑی دیر بعد ملتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو خواہ مخواہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور الٹی سیدھی لکیریں کھینچتے رہتے ہیں، وہ عموماً حاضر جواب ہوتے ہیں مگر ان کی پڑھائی میں دلچسپی کم ہوتی ہے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کو بار بار منہ میں رکھتے ہیں وہ عموماً ہوشیار ہوتے ہیں مگر کسی کی چیز کو حفاظت سے نہیں رکھتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پین کا ڈھکنا دوسرے ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ عموماً لیکچر کو سمجھ لیتے ہیں، مگر ان کے جذبات سرد ہوتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو کسی مسئلے کو حل کرتے وقت پین کو بار بار کتاب پر مارتے ہیں وہ ریاضی میں کمزور ہوتے ہیں مگر بہترین وکیل ثابت ہو سکتے ہیں۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران صرف خاص خاص باتیں نوٹ کرتے ہیں وہ عموماً امتحان میں اچھے نمبر حاصل کر سکتے ہیں مگر وہ کسی کے صحیح دوست نہیں ہوتے۔

☆ ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران پنسل کو دانتوں میں دباتے رہتے ہیں وہ عموماً آرٹ میں ماہر ہوتے ہیں مگر وہ جذباتی حوالے سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔

ساجدہ احمد، ملتان

قابل غور

۱۔ گر جانا بزدلی کی بات نہیں بلکہ گر کر نہ اٹھنا بزدلی ہے۔

۲۔ کسی شہنشاہ کے تاج سے زیادہ قیمتی موتیوں سے زیادہ چمکدار اور چاندنی رات سے زیادہ پرکشش کوئی چیز ہے تو وہ 'وفا' ہے۔

۳۔ شاعر وہ سپیرا ہے جس کی پٹاری میں سانپوں کی بجائے انسانوں کے دل بند ہوتے ہیں۔

صفہ خورشید، لاہور

بڑی باتیں

O سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں زمین پر جھکی ہوئی ہیں، جس نے اس کی شاخ کو تھام لیا وہ اسے جنت میں لے جائے گی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

O تعجب ہے اس شخص پر جو خدا تعالیٰ کو جانتا ہے اور پھر غیروں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ بھی کرتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

O زبان کو شکوہ سے روک، خوشی کی زندگی عطا کی جائے گی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

O جو شخص اپنی قدر آپ نہیں کرتا اس کی قدر کوئی دوسرا نہیں کرتا۔ (حضرت علیؓ)

O سب سے زیادہ عقلمند شخص وہ ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

عابدہ حیدر، بہاول نگر

سوچنے کی باتیں

☆ سورج کی طرح اپنی شخصیت بناؤ جو ہمیشہ روشنی بکھیرتا ہے۔
☆ اپنا زخم اس کو مت دکھاؤ جس کے پاس مرہم نہ ہو۔
☆ ہمت ایک ایسا ہتھیار ہے جو بزدل کو بھی بہادر بنا دیتا ہے۔
☆ بوڑھے آدمی کا مشورہ جوان کی قوت بازو سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔
☆ جو نام دل کی ڈائری پر نقش ہوا سے کاغذوں کی ڈائری پر تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔
☆ کسی کا دل نہ دکھاؤ ہو سکتا ہے اس کے آنسو تمہارے لئے سزا بن جائیں۔
☆ زندگی خدا کی نعمت ہے اسے دوسروں کے وقف کر دو۔
☆ ایسا پھول مت بن جو خوش نما ہو مگر اس میں خوشبو نہ ہو۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

بے چارہ سماج

اگر اسی طرح ہر بات میں غریب سماج کو قصوروار ٹھہرایا گیا تو وہ دن دور نہیں جب کسی کو بخار چڑھے گا تو وہ منہ بسور کر کہے گا کہ یہ سماج کا قصور ہے کوئی کمزور ہوا تو کہے گا کہ یہ سماج کی برائی ہے اور اگر کوئی بہت موٹا ہو گیا تو بھی سماج کو ہی کوسا جائے، نالائق طالب علم امتحان میں فیل ہونے کی وجہ سماج کی کھوکھلی بنیادوں کو قرار دیں گے، یہاں تک کہ گالیاں بھی یوں دی جائیں۔
خدا کرے تجھ پر سماج کا ظلم ٹوٹے، یا اللہ اسے سماج کے پنجے میں کر، یہ ماتما نے چاہا تو سماج سر پر چڑھ کر بولے گا اور دعائیں بھی اس قسم کی ہوں گی، پیسہ دیتا جا بابا، خدا تجھے سماج سے بچائے، یا میرے اللہ مجھے سماج کی ظالم ہوا سے بچائیو، وغیرہ۔

فرینہ اسلم، میاں چنوں

اللہ کی رسی

سورۃ آل عمران کی آیت 103 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔"
اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی ہے کہ اس رسی کو مضبوطی سے تھام لو جو اللہ نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں عطا فرمائی ہے، اس رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر خدا کے وحدہ لاشریک ہونے پہ دل کی پوری صداقت سے ایمان لائیں اور اس ایمان پر راسخ رہیں غیر اللہ کو وہ مال و دولت ہو کہ اقتدار اہل و عیال کی محبت ہو کہ جابر حکومت کا خوف، خود پر غالب نہ آنے دیں ہر چیز ان کے ایمان باللہ ک تابع رہے گی، وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے صرف اس کی امداد و استعانت پر بھروسہ کریں گے راہ حق میں ہر سختی، ہر آزمائش کو صبر اور استقامت سے برداشت کریں گے سابقہ امتوں کی طرح فروعات میں الجھ کر فرقوں میں بٹ کر نہیں رہ جائیں گے۔

مہین آفریدی، ایبٹ آباد

اقوال زریں

O محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔
O خاموشی سے وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

مسز نگہت غفار ---- کراچی

کہیں بے کنار سے رتجگے کہیں زرنگار سے خواب دے
تیرا کیا اصول ہے زندگی مجھے کون اس کا جواب دے
جو بچا سکوں تیرے واسطے جو سجا سکوں تیرے راستے
میری دسترس ستارے رکھ میری مٹھیوں میں گلاب دے

....

شاخ سے ٹوٹ کے غنچے بھی کبھی کھلتے ہیں
رات اور دن بھی کبھی زمانے میں ملتے ہیں
بھول جا جانے دے تقدیر سے تکرار نہ کر
میں تو اک خواب ہوں اس خواب سے تو پیار نہ کر

مریم انصاری ---- سکھر

اب میں یہ کہہ سکتا ہوں
ہجر کے صدمے سہہ سکتا ہوں
تو بچھڑا تو میں نے جانا
میں تنہا خوش رہ سکتا ہوں

....

احباب کو رہی میری عیوب کی جستجو
میں پرخلوص ان کے ہنر تولتا رہا

....

چاہ کر تم کو ہر خوشی گنوا دی ہم نے
زندگی تم کو سمجھا تو زندگی لٹا دی ہم نے
خواب تیرا سجایا پلکوں میں جب
پتلیوں سے آنکھ کی روشنی گنوا دی ہم نے

عزہ فیصل ---- قصور

لمحہ موجود کے اندر بھی لمحہ امکان رہتا ہے
مجھے اکثر خود سے بھی بڑھ کر اس کا دھیان ہے
جو سرشاریاں عطا کرتا ہے ذہنوں کو
میرے پاس آ کر وہ کیوں بے جان رہتا ہے

....

یاد آتا ہے اس سے متعارف ہونا
خوشبو کا ہوا سے تعارف ہونا
دکھ کے آنسو کیوں بہتے ہیں غزل
ارماں تھا دل کا محبت سے واقف ہونا

....

ویران ہے تیرے بغیر یہ گھر
آ جاؤ کہ زندگی ہے مختصر
لوٹ کے پھر کب آیا ہے انجم
وقت گیا ہے جو اک بار گزر

نورانور ---- فیصل آباد

تو جو مل جائے تو زندگی سنور جائے
نہ کرو ستم اتنے کہ کوئی مر جائے

....

تیرا ملنا اک خواب جیسا
اور جینا ہے عذاب جیسا

....

اس طرف سمندر کے خوفناک تیور ہیں
اور ہم گھروندوں میں سیپیاں سجاتے ہیں
وحشتوں کے صحرا میں کون یہ بتائے گا
کس کو یاد رکھتے ہیں کس کو بھول جاتے ہیں

فاریہ سلیم ---- شرقپور

میں نے پوچھا زندگی کیا ہے
ہنس پڑے پھول رو پڑی شبنم

....

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے

تسلی دی کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے
اسے تو محسوس ہونے دیا کرو

....

یہ سوچ میں ڈوبا ہوا ٹھہرا ہوا انداز
جیسے کبھی آپس میں تعلق نہ رہا ہو
مجھ سے تو نہیں رکتے یہ بہتے ہوئے آنسو
کیا بات ہے کیا ہو گیا کیوں مجھ سے خفا ہو
سارا حیدر ---- ساہیوال

تنہائی سے باتیں کرتے شام گزاری ہے
لمحہ لمحہ جیتے مرتے شام گزاری ہے
وہ جانے کس گھر آنگن کی رونق بن بیٹھا
جس کی یاد میں آہیں بھرتے شام گزاری ہے

....

اے میری جان برسات کے موسم میں روٹھا نہ کر
موسم اور بھی بہت ہیں روٹھنے کے لئے

....

اگر آؤ تو عجب سا پتہ ہے میرا
دل سے لینا اجازت اور چل پڑنا
ساجدہ احمد ---- ملتان

تنہائی کا زہر پینا ہے مجھے
تجھے ماں یاد کرکے رونا ہے مجھے
دنیا کی باتیں جو میرے دل پہ گہرا زخم ہیں
کہ اس زخم کو بھی پینا ہے تجھے

....

تو جو رہتا نہ تھا کہ اک پل بھی میرے بغیر
مدت ہو گئی ہے اب تجھ سے ملے ہوئے

....

آنکھوں میں آنسو مٹتے نہیں
لوگ زخم لگانے سے باز آتے ہیں
صفہ خورشید ---- لاہور

ہوا مت مری گلیوں میں آیا کرو
آؤ تو اس کی خوشبو بھی لایا کرو
مت اتنا شور کر مت اتنا تیز چلو

....

تیرے حسن کے شعلوں سے جلتی ہوں مدتوں
پھر بھی تیرے قرب کی تلاش میں رہتی ہوں

....

اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
چڑیوں کے چہکنے سے پھولوں کے مہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی
عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

تمام عمر تعلق سے منحرف رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے
ہر اعتراض پہ گہری خاموشی
یہی تو وصف مرے ہمسفر بچایا ہے

....

لہجہ تھکا تھکا ترا پلکیں جھکی جھکی تری
اتنی خفیف سی خوشی کتنی صعوبتوں کے بعد
خوشبو چراغ شاعری یہ ہدیہ تیرے نام ہوں
تو بھی نہ آ سکا اتنی نشانیوں کے بعد

....

ہم تو یوں اپنی زندگی سے ملے
اجنبی جیسے اجنبی سے ملے
ہر وفا ایک جرم ہو گویا
دوست کچھ ایسی بے رخی سے ملے
آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

....

تم نے پھر بھی زمانے کے چلن سیکھ لئے
میں تو کچھ بھی نہیں کر پایا محبت کے سوا

....

کب تک بنے گا ذہن میں لفظوں کے دائرے
میں مسئلہ نہیں ہوں تو سوچا نہ کر مجھے
فرینہ اسلم ---- میاں چنوں
عشرت غم نے پھیر لیں آنکھیں
اب تیری یاد آ کے بہلائے

....

عطا میں یوں بھی گیا اپنی عمر سے آگے
کہ میرے ساتھ میری حسرتوں کا لشکر تھا

....

عشق گم گشتہ تو شاید ہی ملے تم کو صبا
جینا چاہو تو جیو دوسری صورت لے کر
مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد
عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

....

اب ڈوب گئی ہیں وہ صدائیں
لوگوں سے کہو کہ لوٹ جائیں

....

اگر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر
راحیلہ فیصل ---- راولپنڈی
اور دنیا سے بھلائی کا صلہ کیا ملتا
آئینہ میں نے دیکھایا تھا کہ پتھر برسے

....

اب انہیں پرسش حالات گزراں گزرے گی
بدگمانی ہے تو ہر بات گراں گزرے گی

....

افق یہ دیکھتا تھا میں قطار قازوں کی
مرا رفیق کہیں دور جانے والا تھا
صابرہ سلطانہ ---- کراچی
ایک اجنبی کے ساتھ میں کہاں نکل آیا
یہ تو میری بستی کا راستہ نہیں لگتا

....

بہت یہی تیز تھی یارو غم حیات کی دھوپ
ملا جو زلف کا سایہ تو سو گئے ہم بھی

....

برا نہ مانئے لوگوں کی عیب جوئی کا
انہیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے
حنا شاہین ---- حیدرآباد
بے وفا ہے ہو زمانے بھر کا
پھر بھی اچھا ہے زمانے بھر سے

....

فکر اک عمر میں احساس میں حل ہوتی ہے
بڑی مشکل سے طاقوں میں دیئے جلتے ہیں

....

فرصت شوق بن گئی دیوار
اب کہیں بھاگنے کا رستہ نہیں
سدرہ خانم ---- ملتان
فلک نے سر پہ کڑے وقت ہاتھ کب رکھا
جو خیر کی ہو توقع جہاں شر سے مجھے

....

فرصت ملے تو اپنی سماعت کر
میرے غموں کی لے بھی تیر قہقہوں میں ہے

....

گھٹی دلوں کی محبت تو شہر بڑھنے لگا
مٹے جو گھر تو ہویدا ہوئے مکاں کیا کیا
آسیہ فرید ---- خانیوال
گئے دنوں کا بھی مجھ سے یہی سلوک رہا
یہ رنگ دیدہ و دل میں نے کب نہیں دیکھے

....

گنبد کا کیا قصور اسے کیوں کہوں برا
آیا جدھر سے تیز ادھر ہی پلٹ گیا

☆☆☆

نازیہ کمال ---- حیدر آباد
کہاں سے لایئے دل اہتمام کرنے کو
خموشی چاہیے اس سے کلام کرنے کو
بہت ہجوم سہی تیرے آس پاس مگر
کھڑے ہیں گوشے میں ہم بھی سلام کرنے کو

....

تہمتیں مجھ پہ آتی رہیں ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوبصورت مگر جو ایک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے تھے آشنا ہو گئے پارسا ہو گئے
ساتھ میرے رسوا جو سر عام تھا وہ تیرا نام تھا

....

اک اور برس بیت گیا اشک رواں کے ساتھ
اب کے برس خدا کرے کوئی خوشی ملے
رباب احمد ---- ساہیوال
گو کہ تم بہت دور بس رہے ہو مگر
ان ہواؤں پہ اعتبار کر لینا
نئے سال کی ابتدا ہے جان جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کر لینا

....

نیا سفر ہے نئی منزلیں نئے حالات
نہ ڈھونڈ گزرے ہوئے کارواں کے نقش قدم

....

ملتے رہتے ہیں بہت لوگ تمہارے جیسے
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہی میں کیا ہے
میں نے یہ سوچ کے روکا نہیں جانے سے اسے
بعد میں بھی یہی ہو گا تو ابھی سے کیا ہے
ام خدیجہ ---- فیصل آباد
ہر سال تیری یاد کی چاہت کے نام تھا
ہر سال تیری دید کی چاہت ہمیں رہی

....

میں کس حساب میں لکھوں وہ ہجر کے لمحے
کہ جن میں تو نہ ملا اور نہ تیری یاد آئی

....

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ زندگی اپنی
فضائے دہر میں کیوں موت سے بھی سستی ہے
ہم اہل مشرق ہیں سورج تراشنے والے
ثنا حیدر ---- سرگودھا
جو ہو سکے تو بانٹیے اپنی مسرتیں
یہ سوچنا غلط کہ ہمیں زمانے سے کیا ملا

....

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکر وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا، خود کو خدا نہیں کیا
جو بھی ہم تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا

....

جشن وصال کی لاکھ سبیلیں اور سنجوگ ہزار
مجھے اک بس تو نہیں ملتا، ویسے لوگ ہزار
ہمیں بدل کے جوگی والا گاتا پھرے فرحت
عشق میں روگ ہزار سائیں عشق میں روگ ہزار
رابعہ حیدر ---- قصور
حسن مری آنکھوں کا دھوکا
عشق مرے دل کی سچائی
چلتے چلتے عمر بتا دی
منزل پھر بھی پاس نہ آئی

....

کوئی تو جھانک کے دیکھے شکستگی ان کی
جو دیکھنے میں ہیں اونچی عمارتوں کی طرح

....

فرح طاہر ---- سرگودھا
گر یہ جدائی کی گھڑی ہے تو میرا تم حوصلہ دیکھو
نہ تو پلٹوں گی نہ پکاروں گی نہ ہی لوٹ کہ آؤں گی

☆☆☆

سارا حیدر ---- ساہیوال

س: حنا کی محفل میں شرکت چاہتی ہوں پلیز اجازت دیجیے؟

ج: اجازت ہے۔

س: حصول رزق حلال عبادت ہے آج کل کیسے سمجھا جائے؟

ج: نوٹ دے کر۔

س: جو لوگ حسد کی بھٹی میں جلتے ہیں ان کا علاج بتائیں؟

ج: ان کو جلنے دو جب جل جائیں گے تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔

س: آپ کے پاس سے جلنے کی بو کیوں آ رہی ہے سچ سچ بتاؤ کون ہے وہ؟

ج: تم ہی تو ہو جو جل رہی ہو۔

س: میں نے سنا ہے آپ کی عینک بہت موٹی ہے، ویسے کیا نمبر ہے؟

ج: کیا تم اپنی عینک گھر بھول آئی ہو جو میری لگانا چاہتی ہو۔

ساجدہ احمد ---- ملتان

س: سکون بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم، کیوں؟

ج: بدہضمی کی وجہ سے ہے۔

س: کیوں جان پر بن آئی ہے بچھڑا ہے اگر وہ؟

ج: اس سے بھی پوچھو کہ تم سے بچھڑ کر وہ کتنا خوش ہے۔

س: شعر کا جواب دیں۔

سب کو فکر ہے مگر اپنے آپ کی
مجھے فکر ہے تو صرف اس کی

ج: جواب حاضر ہے۔

یہ راہ محبت کہتے ہیں پر خار بھی ہے اور دور بھی ہے
لیکن دل مضطرب کیا کیجیے مشتاق بھی ہے مجبور ہے

صفہ خورشید ---- لاہور

س: کبھی لمحے صدیوں جتنے ہو جاتے ہیں
کبھی سال یہ لمحوں میں مک جاتے ہیں

ج: دنیا بے ثبات میں ہر شے ہے تیز گام
ہر دن کے ساتھ رات ہے اور صبح کی ہے شام

س: کبھی آنسوؤں سے ہتھیلیوں پر پڑے چھالے
کبھی کوئی بے بسی سے انہیں چھپالے

ج: نازک خیال ال بھی ہیں موجود اے فلک
خالی رہا نہیں کبھی دریا حباب سے

عابدہ حیدر ---- بہاول نگر

س: انسانیت کی معراج کیا ہے؟

ج: انسان بننا۔

س: دنیا کا مشکل مرحلہ کیا ہے؟

ج: آدمی کا انسان بننا۔

س: تدبیر اور تعبیر میں کتنا فاصلہ ہے؟

ج: بہت تھوڑا۔

آصفہ نعیم ---- فورٹ عباس

س: یہ چلتے چلتے رک کیوں گئے؟

ج: تم نے آواز جو دی۔

س: سوچ لو پھر نہ کہنا؟

ج: سوچ بھی لیا کچھ نہیں کہوں گا۔

فرینہ اسلم ---- میاں چنوں

س: یہ دنیا والے بڑے بے وفا ہوتے ہیں؟

ج: مجھے تو دنیا والوں میں شامل نہ کرو۔
س: کل میں نے اسے ڈانٹا تو بہانے بنانے لگا؟
ج: چھوٹا بھائی ہے پیار سے بھی بات کریں اس بیچارے سے۔
س: میں جب بھی اس کی طرف دیکھتی ہوں تو نظریں جھکا لیتا ہے؟
ج: ابتدائے عشق جو ہے نا۔
س: میرا دل زور زور سے ہنسنے کو چاہتا ہے؟
ج: بڑی خطرناک علامت ہے۔

مہین آفریدی ---- ایبٹ آباد

س: چپ چاپ میری بات سنو؟
ج: شکر ہے کچھ سنانے کا خیال تو آیا۔
س: یہ روگ مجھے اس جوگی سے لگا ہے؟
ج: سانپ کی چال نہ چلیں کیونکہ جوگی پڑ لیتے ہیں۔
س: یہ زندگی افسانہ ہے ناول ہے یا ناولٹ؟
ج: سچی کہانی بھی ہو سکتی ہے۔

راحیلہ فیصل ---- سرگودھا

س: میں کیا کروں مجھ سے کچھ نہیں ہو پاتا؟
ج: سارا دن لیٹے رہنا یہی حال ہو گا۔
س: میں نے سنا ہے کہ وہ؟
ج: کیا سنا ہے اس کے بارے میں۔
س: میں بھی کتنی نادان ہوں؟
ج: چلو اب پتہ چل گیا۔

آمنہ خان ---- راولپنڈی

س: لوگ آسمان سے کیا چاہتے ہیں؟
ج: گرمیوں میں بارش اور سردیوں میں دھوپ۔
س: یہ دنیا والے محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن محبت کرنے والوں کے دشمن ہوتے ہیں؟
ج: سے فعل اور قول میں فرق کہتے ہیں۔
س: اب میرے پاس پوچھنے کے لئے کچھ بھی نہیں؟
ج: لیکن میرے پاس جواب دینے کو بہت کچھ ہے۔

صابرہ سلطانہ ---- کراچی

س: یہ بزرگ لوگ ہر وقت اپنے جوانی کے قصے کیوں سناتے ہیں؟
ج: اس کے سوا ان کے پاس اور ہوتا ہی کیا ہے۔
س: وہ پہلے سے آیا کچھ نہ کہا اور چلا گیا؟
ج: اس نے کسی کے آنے کی آہٹ سن لی ہو گی۔
س: میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں کروں یا نہ کروں چلو نہیں کرتے آپ بھی کیا یاد کریں گے کسی رئیس سے پالا پڑا تھا؟
ج: اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش نہ کرو۔
س: عین غین جی تم آخر ہو کیا شے؟
ج: بس عین غین ہوں جو سمجھنا ہے سمجھ لو۔

حنا شاہین ---- حیدر آباد

س: میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکی کہ آپ سوالوں کے جواب کیا دیتے ہیں؟
ج: جواب سمجھنے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔
س: چلو جی مان لیتے ہیں کہ آپ بڑے عقلمند ہیں لیکن ہم بھی کسی سے کم نہیں؟
ج: یہ میں نے کب کہا ہے آپ کسی سے کم نہیں میں تو میں ہی ہوں۔
س: سنو سنو اے دنیا والوں عین غین کی امر کہانی؟
ج: آپس کی باتیں دوسروں کو نہیں بتاتے۔

☆☆☆

نکتہ چیں

ایک شخص کو بیوی کے کاموں میں نکتہ چینیاں کرنے کی عادت تھی، ایک روز وہ دفتر سے لوٹا تو اس کی بیوی نے انڈہ ابال کر دیا جس پر اس نے کہا۔

''آج تو میں نے آملیٹ کھانا تھا؟''

دوسرے روز بیوی نے آملیٹ بنا دیا تو وہ بولا۔

''میں نے تو ابلا ہوا انڈہ کھانا تھا۔''

تیسرے روز بیوی نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے ایک ساتھ آملیٹ اور ابلا ہوا انڈہ پیش کیا جس پر شوہر ناراض ہونے لگا۔

''کر دیا ناں ستیاناس جس انڈے کا آملیٹ بنانا تھا اسے ابال دیا اور جسے ابلنا تھا اس کا آملیٹ بنا دیا۔''

آمنہ خان، راولپنڈی

فکر

لیکچر روم میں پروفیسر صاحب لیکچر دے رہے تھے کہ ایک بات پر بحث شروع ہوگئی کہ انسان کے مرنے کے بعد روحیں نہیں مرتیں، بلکہ زندہ رہتی ہیں۔

کچھ شاگردوں کا نظریہ تھا کہ روحیں مرنے کے بعد کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں، اسی دوران ایک لڑکے نے اٹھ کر سوال کیا کہ۔

''اگر میرے مرنے کے بعد میری روح کسی گدھے کے جسم میں چلی گئی تو پھر کیا ہوگا؟''

پروفیسر صاحب اطمینان سے بولے۔

''تم فکر مت کرو روحیں کبھی اپنے پرانے جسم میں واپس نہیں جاتیں۔''

صابرہ سلطانہ، کراچی

شجرہ نسب

ابن انشاء اپنے شجرہ نسب پر روشنی ڈالتے ڈالتے ایک پتے کی بات کر جاتے ہیں کہ آدمی کے لئے کیا ایک ہی حوالہ کافی نہیں کہ وہ ابن آدم ہے وہ لکھتے ہیں۔

''پروفیسر محمد ایوب قادری ایک محقق آدمی ہیں، شجرہ نسب مانگ رہے تھے ہمارے ہاں کہاں سے آتا۔''

ہم نے کہا کہ ''بزرگوں میں ہمیں اپنے والد کا نام دیا ہے ایک اور مورث اعلیٰ کا کہ اپنے زمانے کے مشہور پیغمبر تھے، بولے کون؟''

ہم نے حضرت آدم کا نام بتایا تو عقیدت سے ادھ موئے ہو گئے۔ (ابن انشاء کی تصنیف ''خمار گندم'' سے)

حنا شاہین، حیدر آباد

گھاٹا

کرتے کرتے وہ یہ بات بھی کر گیا
مری محبت میں اسے گھاٹا پڑ گیا
پچھلے سال تھا جیب میں لاکھ روپیہ
سال کے بعد جیب میں سناٹا پڑ گیا
پچھلے سال چلتا تھا سپر اسٹور
اب کے سال ٹھیلہ فٹ پاتھ پر پڑ گیا

کل تک کھاتا تھا میں برگر فائیو اسٹار کے
آج مجھ کھانا لنگر سے پڑ گیا
مری کوٹ پتلون سب گئی ہیں بک
فقط مرے پاس کرتا رہ پجامہ گیا
گھر کر دیا جب سے میں نے تیرے نام
سونا مجھے جب سے سڑک پر پڑ گیا

سدرہ خانم، ملتان

ماہر امراض نسواں

ڈاکٹر صاحب ایک مریض کو دیکھتے ہی بولے۔

''آپ کو تو عینک کی بہت عرصے سے ضرورت ہے لیکن آپ آج نظر چیک کرانے آئیں ہیں۔''

مریض نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''کمال ہے، آپ کو یہ بات میرا معائنہ کرنے سے پہلے ہی معلوم ہوگئی، آپ تو یقیناً تجربہ کار ڈاکٹر ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

''تجربے کی تو اس میں کوئی بات نہیں ورنہ آپ بورڈ پڑھ لیتے، میں ماہر امراض نسواں ہوں۔''

آسیہ فرید، خانیوال

مناسب موقع

اسٹیج ڈرامے کے دوران ایک کارندہ ہانپتا ہوا دوڑا دوڑا پروڈیوسر کے پاس پہنچا، پروڈیوسر اس وقت ڈریسنگ روم میں ہیروئن کے ساتھ کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔

''کیا بات ہے اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''سر وہ ہیرو نے ولن کو گولی ماردی ہے لیکن ولن نے چپکے سے ہاتھ بڑھا کر مجھے یہ چٹ تھما دی ہے۔''

کارندے نے ایک چٹ پروڈیوسر کو دے دی، اس پر لکھا تھا۔

''میرے بقایا جات پچھلے پردے کے پیچھے سے دے جاؤ ورنہ میں گولی کھانے کے باوجود نہیں مروں گا۔''

مریم انصاری، سکھر

نشے باز

ایک شرابی نشے کی حالت میں ایک عورت سے ٹکرا گیا، عورت غصے کی ذرا تیز تھی، گالیوں کے ساتھ ساتھ اس نے شرابی کے دو ہاتھ بھی جڑ دیئے، شرابی کو بھی جواباً غصہ آگیا اور وہ جل کر گویا ہوا۔

''میں نے پوری زندگی میں تمہارے جیسی بدصورت عورت نہیں دیکھی۔'' عورت شرابی کے اس جملے پر بولی۔

''میں نے بھی اپنی پوری زندگی میں تمہارے جیسا گھٹیا نشے باز نہیں دیکھا۔''

''میرا نشہ۔'' شرابی ذومعنی انداز میں مسکرایا۔

''میرا نشہ تو صبح تک اتر جائے گا۔''

عزہ فیصل، قصور

ریسرچ

''تم دو سال کہاں غائب تھے؟''

محبوبہ نے طویل جدائی کے بعد ملاقات ہونے پر اشتیاق سے سوال کیا۔

''کیا تم دوبئی چلے گئے تھے؟''

''نہیں۔''

عاشق نے جواباً قہقہہ لگایا۔

''میں گزشتہ دو سال سے نیورو تھراپی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ فار برین ڈس آرڈر میں

مصروف تھا۔"
"مائی گاڈ"
محبوبہ حیرت زدہ رہ گئی۔
"تمہارے پاس تو میڈیکل نہیں تھی پھر دماغی امراض کے اسپتال میں تم کیا کام کرتے رہے؟"
"میں وہاں عشق کرتا رہا۔"
عاشق ہسٹریائی انداز میں قہقہہ لگایا۔
"دماغی ماہرین مجھ پر ریسرچ کر رہے تھے۔"

نورانور، فیصل آباد

قریب ترین راستہ

ایک دوست مند آدمی کو مچھلی شکار کا بہت شوق تھا، ایک روز وہ کچھ تو انتظار کی کوفت سے بچنے کے لئے اور کچھ سردی سے خود کو بچانے کے خاطر تھوڑی تھوڑی دیر بعد شراب پیتا رہا، شام کو جب اس نے اپنا سامان سمیٹ کر کار میں رکھا تو وہ بالکل ہوش سے بے گانہ ہو رہا تھا۔
کار چلانے کے کچھ سیکنڈ بعد ہی جب پانی اس کے پیروں کو چھونے لگا تو اس نے سوچا۔
"اف یہ تو بارش آ گئی ہے میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ آج پانی برسنے لگے گا، خیر اب مجھے جلد سے جلد اپنے گھر تک پہنچنا چاہیے۔"
اتنے میں اس کی نظر ایک کسان پر پڑی جو اپنے گھر جا رہا تھا، رہنمائی کے لئے اس نے کسان سے پوچھا۔
"بھئی شہر تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ کون سا ہے؟"
کسان نے جواب دیا۔
"میری رائے میں سڑک کا راستہ ٹھیک رہے گا، ندی میں کار چلاتے ہوئے جائیں گے تو شہر بہت دیر میں پہنچیں گے۔"

فاریہ سلیم، شرقپور

اقوال زریں

1 ادب سے بڑھ کر کوئی میراث نہیں۔
2 بیماری میں جب تک ہمت ہو چلتے پھرتے رہنا چاہیے۔
3 مسلمان جتنا غیرت مند ہوگا اتنا ہی پاک دامن ہوگا۔
4 مشورہ کر لینا بہترین مددگاری ہے۔
5 عمل صالح سے بڑھ کر کوئی تجارت نہیں۔
6 ناراض دوست کو منا لو اور اچھے طریقے سے راضی کر کے اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ کیونکہ وہ تمہارے راز جانتا ہے۔
7 ایمان کے چار ستون ہیں، صبر، یقین، عدل، جہاد۔
8 جب دیکھو خدا تعالیٰ برابر نصیحتیں دے رہا ہو تو پھر اور محتاط ہو جاؤ اور گناہوں سے دوری اختیار کر لو۔
9 فرائض کی ادائیگی سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔
10 ایمان کی حقیقت ہے "حیا" اور "صبر"۔
11 مشورے سے بہتر کوئی اقدام بھروسے کے قابل نہیں۔
12 عورت کا جہاد شوہر سے حسن معاشرت ہے۔
13 ہر چیز کی زکوٰۃ ہے بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔
14 حاجت مند کو تھوڑا دینے پر نہ شرماؤ کیونکہ بالکل خالی ہاتھ لوٹانا بہت ہی گری ہوئی بات ہے۔
15 غداروں سے وفا کرنا اللہ تعالیٰ سے غداری ہے۔

مسز نگہت غفار، کراچی

☆☆☆

صائمہ محمود

مسز نگہت غفار: کی ڈائری سے ایک نظم

ادھ جلے سگریٹوں کے ٹکڑے
میز پر پھیلی ہوئی چائے کی پیالیاں
ڈسٹ بین میں کاغذ کے بیشمار ٹکڑے
کہانیوں کے مختلف صفحات نامکمل اور ادھورے
آتشدان میں جلتی آگ گھڑی کی ٹک ٹک
پرہول سناٹا، رات کا پچھلا پہر اور اس کی سوچیں
دور کہیں سے جھینگروں کی کان میں چبھتی آوازیں
گلی میں بھونکتے لڑتے کتوں کا بے ہنگم شور
''سہی'' کی آواز کے ساتھ اس نے
انگلی میں پکڑی سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک دی
اس کے لبوں پر ہیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی
اور پھر اس نے اپنی ہی آپ بیتی لکھ ڈالی

سارا حیدر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

میں اپنی ذات
انا اور خودداری کے سپرد کیے
منزل بہ منزل چلتی جا رہی تھی
یہ سوچے بنا کہ
کبھی کبھی ذات کی حفاظت کے لئے
انا اور خودداری بھی قربان کرنا پڑتی ہے
کبھی اک لمحہ کی خوشی کی خاطر
ہزار لمحوں کی غموں کی مسافت
کبھی طے کرنا پڑتی ہے

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

تم بن لیتے ہو ریشمی خواب
دھاگے کچے بھی ہوا کرتے ہیں
کہتے ہیں ناں چند لوگ محبت کو دغا
جذبے سچے بھی ہوا کرتے ہیں
اک جھوٹ پہ قائم نہیں دنیا ساری
لوگ سچے بھی ہوا کرتے ہیں
مانا کہ ٹوٹا کرتے ہیں وعدے پیار کے
بندھن پکے بھی ہوا کرتے ہیں
بدنام تو زمانے نے کیا انہیں آنسہ
دل والے اچھے بھی ہوا کرتے ہیں

صفہ خورشید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''مشورہ''

اپنی سب خواہشوں کا گلا گھونٹ کر
جسم و جاں کو نئی زندگی بخش دے
وقت یونہی نہ رو رو کے ناشاد کر
یوں نہ اپنی جوانی کو برباد کر
بیتے لمحوں کو ہر پل نہ اب یاد کر
خدا کی یاد سے دل کو آباد کر
مجھ سے بہتر ملے گا تجھے ہمسفر
اے میری جان جاں!
گر نہ ہوتیں مرے پاؤں میں بیڑیاں
بنا کے دلہن تجھے لاتا میں اپنے گھر
اے مری دلربا اب نہ آنسو بہا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
بیتے لمحوں کو جان وفا بھول جا
یوں سمجھنا کہ ماضی اک خواب تھا
اک حسین خواب تھا

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

تم سے اچھا تو یہ چاند ہے
جو نظر نہ آتا ہے

تم سے اچھے تو یہ ستارے ہیں
جو دل کی بات تو سنتے ہیں
تم سے اچھے تو یہ آنسو ہیں
جو سدا آنکھوں میں رہتے ہیں
تم سے اچھی تو تمہاری یاد ہے
جو بھولتی ہی نہیں
مگر پھر بھی دل کہتا ہے
کہ تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں
اس جہاں میں تمہیں بھی نہیں

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے وصی شاہ کی غزل

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں مرے خواب دمک اٹھیں گے
مرے چہرے پہ مہکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر ہر سو میری روح میں جل تھل کر دو

مہین آفریدی: کی ڈائری سے ایک غزل

باندھ لیں ہاتھ پہ سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے تعویذ بنائیں تم کو
پھر تمہیں روز سنواریں بڑھتا دیکھیں
کیوں نہ آنگن میں چنبیلی سا لگا لیں تم کو
کیا عجب خواہش اٹھتی ہیں ہمارے دل میں
کر کے منا سا ہاتھوں میں اچھالیں تم کو
کبھی خوابوں کی طرح آنکھ کے پردے میں رہو
کبھی خواہش کی طرح دل میں بلائیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کے تم پہ ہمیں پیار آتا ہے
اپنی بانہوں میں بھرے مار ہی ڈالیں تم کو

راحیلہ فیصل: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

سوچ نگر کے باسیو
مت مرا دل پریشان کرو
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت دل میں چراغ جلایا کرو
وہ آیا بھی تو
دہلیز سے لوٹ جائے گا
جب بھی مرے نگر آئے گا
مرا دل بھی اب تو ہے
قید و بند تجربے میں
وقت کی فصیل کا
لگا ہے تالا سا
وہ لوٹ نہیں آئے گا
مت چراغ امید جلایا کرو

آمنہ خان: کی ڈائری سے ایک نظم

اسے اپنے قرار کی فکر تھی
وہ جو میرا واقف حال تھا
وہ جو اس کی صبح عروج تھی
وہ ہی میرا وقت زوال تھا
میری بات کیسے وہ مانتا
میرا حال کیسے وہ جانتا
وہ تو خود منزل کے سفر میں تھا
اسے روکنا بھی محال تھا
کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کر
میں پوچھ پوچھ کر تھک گئی
وہ جواب مجھے نہ دے سکا
وہ تو خود سراپا سوال تھا
کیا اس کا ہیبت حسن تھا
کیا اس کا رنگ جمال تھا
وہ ستارہ کہاں کھو گیا
جو اپنی مثال آپ تھا
وہ ملا تو صدیوں بعد بھی
میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا

میری چپ نے اسے رلا دیا
جیسے گفتگو میں کمال تھا

صابرہ سلطانہ: کی ڈائری سے ایک غزل

عکس خوشبو ہوں بکھرنے سے روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھی ہوں میں یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی
جس طرح خواب میرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی
میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی
اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی
کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

حنا شاہین: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی ایسا ہو
تجھ سے ملن کی
کوئی صورت نہ ہو
مایوسی آکر آخری حد ہو
جب دعائیں بے اثر لگیں
آنکھیں ویران ہوں
وجود ریگزار ہو ایسے
میں اچانک مجھے تیری طرف سے
I miss you
کا کارڈ ملے اور سارا وجود
تیرے جذبوں کی خوشبو سے
مہک اٹھے

سدرہ خانم: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو تو رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
مری دکھوں کی کتاب میں یہ
رفاقتیں ان میں چھوٹتی ہیں
محبتیں ان میں روٹھتی ہیں
پنپتی ہیں ان میں وحشتیں سی
اذیتیں ان میں پھوٹتی ہیں
انہی کے ڈر سے خزاں میں جذبے
انہی سے شاخیں سی ٹوٹتی ہیں
غموں کی بندش میں ہیں خواب میرے
دکھوں کی بارش ہیں خواب میرے
ابل رہا ہے دکھوں کا لاوا
رہن آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھل گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے

آسیہ فرید: کی ڈائری سے ایک نظم

”اک سپنا“

خیالوں کی بستیوں میں دور نکل جائیں
خوابوں کے تتلیوں سے من کو بہلائیں
آنکھوں میں سپنے لے کر تم بھی جب
میرے راستے سے گزرو تو میرے
ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پگڈنڈی پر
مل کر چلیں اور اس زمانے سے
دور بہت دور اک ایسے
دیس میں نکل جائیں جہاں
یہ زمانہ یہ سماج یہ دستور
میرے اور تیرے قریب نہ آئیں

☆☆☆

افراح طارق

اسٹیم رائس ود ھ ٹماٹو چکن

اشیاء

مرغی کا گوشت ابال لیں	ایک کپ
گاجر	ایک سے دو عدد
ہری مرچیں چوپ کر لیں	دو عدد
پیاز	ایک عدد
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
چائنز نمک	ایک چائے کا چمچہ
یخنی	آدھا کپ
کارن فلور	آدھا کپ
(پانی میں گھول کر پیسٹ بنالیں)	
تیل	آدھا کپ
چاول ابال لیں	ایک کپ

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں گوشت ڈال کر فرائی کریں، دو منٹ بعد اس میں گاجر، ہری مرچیں، پیاز ڈال دیں اور تین سے چار منٹ تک فرائی کریں، اب اس میں یخنی نمک، چائنز نمک اور ٹماٹو کیچپ ڈال کر دو منٹ تک پکائیں، اب کارن فلور کا پیسٹ ڈالیں اور چمچے سے مکس کرتے ہوئے گریوی بنالیں، ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

مرغ انڈہ پلاؤ

اشیاء

مرغی دھو کر صاف کر لیں	آدھا کپ
لہسن کے جوے	چھ عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
چھوٹی الائچی	چار عدد
بڑی الائچی	دو عدد
لونگ	چھ عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
ثابت دھنیا	دو ٹکڑے
ثابت سیاہ مرچیں	دو چائے کے چمچے
ثابت زیرہ	دو چائے کے چمچے
تیز پات	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	چار عدد

(دو پیاز کے بڑے ٹکڑے اور دو پیاز کے سلائس کاٹ لیں)

انڈے ابال لیں	چھ عدد
چاول صاف کر کے بھگو دیں	ایک کلو
ہری مرچیں	چار عدد
ٹماٹو پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
دہی	چار کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت
پیاز تلی ہوئی	گارنشنگ کے لئے
ادرک، لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے

ترکیب

ململ کے سفید کپڑے میں تین عدد لونگ اور چھوٹی الائچی، بڑی الائچی، ثابت دھنیا، ایک

چائے کا چمچہ ثابت سیاہ مرچیں، ایک کھانے کا چمچہ زیرہ، تیز پات، پیاز کے ٹکڑے، ادرک، لہسن کے جوے اور دار چینی ڈال کر پوٹلی بنا لیں، ایک پتیلی میں پانی میں نمک، مرغی کا گوشت اور تیار کی ہوئی پوٹلی ڈال کر ابالیں، (پانی اتنا ڈالیں کہ گوشت گلنے کے بعد تین سے چار کپ یخنی باقی بچ جائے) اب گوشت کو نکال کر الگ رکھ لیں اور یخنی کو چھان کر الگ رکھ دیں۔

ایک پتیلی میں تیل گرم کریں، اس میں باقی بچا ہوا زیرہ، لونگ، الائچی اور ثابت سیاہ مرچیں ڈال کر چمچہ چلائیں، اب اس میں سلائس کی ہوئی پیاز ڈال کر ساتھ فرائی کریں، دہی، ٹماٹو پیسٹ، ہری مرچیں، نمک، لال مرچ کٹی ہوئی، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ادرک لہسن کا پیسٹ اور ابالا ہوا گوشت ڈال کر بھونیں، تیل الگ ہو جائے تو اس میں چاول ڈال کر چمچہ چلائیں اور الگ رکھی ہوئی یخنی ڈال کر تیز آنچ پر ابال آنے تک پکائیں، پانی خشک ہونے لگے تو آنچ دھیمی کر کے دم لگا دیں، سرونگ ڈش میں نکال کر تلی ہوئی پیاز چھڑکیں اور ابلے ہوئے انڈے رکھیں، مزے دار مرغ انڈا پلاؤ تیار ہے، رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

چکن بریانی مسالا

اشیاء

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
پیاز چوپ کر لیں	دو عدد
دہی	ایک کپ
لال مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	چوتھائی کپ
دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہرا مسالا	آدھا کپ
زرد رنگ	ایک چٹکی
نمک	حسب ذائقہ
سونف پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
چاول ابال لیں	آدھا کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
آلو بخارے	چار عدد
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

تیل گرم میں پیاز ڈال کر فرائی کریں، اس کے بعد اس میں گوشت، لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر فرائی کر لیں، اب اس میں نمک، کٹی ہوئی لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر ڈال کر بھونیں، اب دہی، گرم مسالا پاؤڈر، سونف، آلو بخارا، زیرہ پاؤڈر ڈال کر پکائیں، سوس پین میں چاول گوشت، ہرا مسالا، لیموں، زرد رنگ اور کیوڑہ ڈال کر دم پر رکھیں، مزے دار چکن بریانی مسالا تیار ہے، رونگ ڈش میں نکال کر گارنش کر کے رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

کلرفل چکن رائس

اشیاء

مرغی کا گوشت بون لیس	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
چاول ابال لیں	دو کپ
چائنز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
انڈے	دو عدد

کھانے کا رنگ ایک چٹکی
گاجر باریک کاٹ لیں ایک عدد
شملہ مرچ باریک کاٹ لیں ایک عدد
ہری پیاز باریک کاٹ لیں دو عدد
بند گوبھی باریک کٹی ہوئی ایک کپ
تیل تلنے کے لئے

ترکیب

ایک پیالے میں چاول، مرچ پاؤڈر، ہری مرچیں، ادرک، لہسن پیسٹ، آلو، نمک اور بیسن ملا کر کی جان کر لیں، اب آمیزے کے بیضوی (انڈے) شیپ کے کٹلس بنا لیں، ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں، اب اس میں چاول کے انڈوں کو بریڈ کرمبز میں کور کر کے گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کر لیں، سرونگ ڈش میں نکال کر پودینے کی چٹنی یا رائتے کے ساتھ نوش فرمائیں، مزے دار چاول کے انڈے تیار ہیں، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

(بیج نکال کر چوپ کر لیں)
ہری مرچیں چار سے پانچ عدد
ثابت گرم مسالا ایک چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری پسی ہوئی چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک حسب ذائقہ
چکن کیوب ایک عدد

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر براؤن ہونے کے بعد نکال لیں، اب اسی تیل میں کالا زیرہ، ثابت گرم مسالا، چھوٹی الائچی اور لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر چمچہ چلائیں، اب اس میں ابالی ہوئی چانپیں ڈال کر فرائی کریں، اس کے بعد اس میں پودینہ، ٹماٹر، ہری مرچیں، نمک اور چکن کیوب مسل کر ڈال لیں، چمچہ چلا کر اس میں ابالے ہوئے چاول ڈال کر احتیاط سے مکس کر کے ڈھکن ڈھک کر دس منٹ تک دھیمی آنچ پر پکائیں، سلاد، رائتے اور کباب کے ساتھ سرو کریں۔

چانپس پلاؤ

اشیاء

چانپ آدھا کلو
(نمک تھوڑا ثابت گرم مصالحہ، ایک چائے کا چمچہ لہسن پیسٹ، ایک چائے کا چمچہ، ادرک پیسٹ ڈال کر ابال لیں)
چاول آدھا کلو
لہسن، ادرک پیسٹ دو چائے کے چمچے
پیاز دو عدد
کالا زیرہ آدھا چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی چار عدد
تیل آدھا کپ
پودینہ آدھا کپ
ٹماٹر تین عدد

چکن ویجی ٹیبل کاجو بریانی

اشیاء

مرغی کا گوشت آدھا کلو
لہسن ادرک پیسٹ دو کھانے کے چمچے
مکھن آدھا کپ
نمک حسب ذائقہ
کاجو پیسٹ دو کھانے کے چمچے
ٹماٹو پیوری دو کپ
ٹماٹو پیسٹ ایک کپ
کریم ایک کپ
ہری مرچیں چوپ کر لیں تین عدد
چاول ابال لیں آدھا کلو
زرد رنگ چوتھائی چائے کا چمچہ

تیل	چوتھائی کپ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
(سلائس کاٹ لیں)	
پیپریکا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
ہری پیاز	ایک کپ
گاجر چوکور کٹی ہوئی	دو عدد
آلو (چوکور چھوٹے کٹے ہوئے)	تین عدد

سجاوٹ کے لئے

ہرا مسالا	حسب ضرورت
(ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچیں)	
پیاز تلی ہوئی	ایک کپ
ادرک سلائس کیے ہوئے	حسب ضرورت

ترکیب

پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں مکھن، ثابت گرم مسالا، ادرک، لہسن پیسٹ اور گوشت ڈال کر فرائی کریں، اب نمک، لال مرچ پاؤڈر، کاجو پیسٹ، ٹماٹو پیوری ڈالیں، پانی خشک ہو تو ہری مرچیں، کریم، ٹماٹو پیسٹ، پیپریکا پاؤڈر ڈال کر بھون لیں، چاول میں زرد رنگ مکس کر دیں، اب ایک دیگچی میں پہلے تھوڑے سے ابلے ہوئے چاول ڈال کر اس پر گوشت کا آمیزہ، آلو، گاجر، ہری پیاز اور ہرا مسالا ڈال کر اس پر بقیہ چاول اور تلی ہوئی پیاز، لیموں اور ادرک وغیرہ ڈال کر دم پر رکھیں اور سرو کریں۔

اسٹیم رائس چکن رولز

اشیاء

چاول صاف کر لیں	ایک کپ
مرغی کا قیمہ	ایک پاؤ
ہرا دھنیا چوپ کر لیں	آدھا گٹھی
ہری مرچیں چوپ کر لیں	تین سے چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

چاولوں کو بھگو دیں، قیمے میں ہرا دھنیا، ہری مرچیں، نمک، تیل، زیرہ پاؤڈر، ادرک، لہسن پیسٹ ملا کر پیس لیں اور رولز بنا لیں، چاولوں میں سے پانی نتھار کر انہیں ایک پلیٹ میں رکھیں، اب اس پر تیار کیے ہوئے رول رکھ کر اچھی طرح کوٹ کر لیں، تاکہ چاول چاروں طرف لگ جائیں، اب ایک دیگچی میں تھوڑا پانی ڈالیں، اس پر چھنی رکھیں، چھنی پر رولز رکھیں، ڈھکن لگا دیں آدھا گھنٹہ ہلکی آنچ پر اسٹیم دیں، چاول پک جائیں تو چولہا بند کر دیں اور سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

اسپائسی فرائیڈ رائس

اشیاء

چاول	دو کپ
مٹر ابلے ہوئے	آدھا کپ
گوبھی کٹی ہوئی	ایک چوتھائی کپ
گاجر باریک کٹی ہوئی	ایک چوتھائی کپ
لہسن	ایک چائے کا چمچہ

تیل گرم کریں اور پیاز فرائی کر لیں، پھر لہسن فرائی کر لیں اور تمام سبزیاں ڈال دیں، انڈے کا آملیٹ بنا لیں اور اس میں شامل کر دیں۔

ابلے ہوئے چاول ڈال کر پانچ منٹ دم پر رکھ دیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

وقت کے چڑھتے اترتے سمندر میں سب ایک پل کی حقیقت، سب ایک پل کا سراب، بلاشبہ ہمیشہ قائم رہنے والی ذات رب کی ہے، وہی عزت و شرف سے نوازتا ہے اور وہی ذلت کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے، لیکن انسان ہے کہ اختیار و اقتدار پا کر سامنے نظر آتی اس سب سے بڑی حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کرسی کو دائمی سمجھ کر ہر ظلم و زیادتی کو جائز سمجھتا ہے پھر حالات کی ایک ہی کروٹ اسے منہ کے بل زمین پر لا گراتی ہے۔

اپنے وقت کے بڑے بڑے فرعون اور نمرود جب رب کی پکڑ میں آئے تو دنیا کے لئے عبرت بن گئے، ان جیسوں کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

"بے شک انسان خسارے میں ہے۔"

آیئے آپ کے محبت بھرے ناموں کی محفل میں چلتے ہیں، درود پاک، استغفار اور تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے اس عہد کے ساتھ اس ورد کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانا ہے، تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی ہمارا مقدر بن جائے آمین یا رب العالمین۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں یہ پہلا خط ہمیں شیخوپورہ سے شمع شریں شازب کا موصول ہوا ہے بہت ساری دعاؤں کے بعد وہ لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے تو میں یہ بتاتی چلوں کہ میں آپ سے بہت ناراض ہوں، ناراضی کی وجہ آپ کا میرے خط کا جواب نہ دینا ہے، پہلے لکھے گئے خط میں اپنی شاعری اور ناول بھیجنے کی اجازت چاہی تھی، مگر آپ کی نظر میں میرا معمولی سا خط توجہ حاصل کرنے سے قاصر رہا، پانچ ماہ میں کئی بار خط ارسال کیا جس کا جواب نہیں دیا گیا اور بارہا میری کالز کو بھی مسترد کر دیا گیا ہے، مسترد ہونا تو خیر زندگی ہی کا حصہ ہے مگر آپی جی انتظار کے لمحات بہت جان گسل ہوتے ہیں، اس لئے براہ کرم ضرور جواب دیا کریں، چاہے انکار ہی کر دیا کریں اور کیا میں اس مہکتے حنا میں لگانے کے لئے اپنے اسکیچ بھیج سکتی ہوں، یقین جانیے آپ کے جواب کی منتظر پچھلے پانچ ماہ سے ہوں، اس لئے کچھ زیادہ ہی شکوے کر گئی ہوں، کوئی بات بری لگی ہو تو اپنی اس بہن کو معاف کر دیجئے گا، حنا کا ہر سلسلہ داد طلب ہے، ہر افسانہ، ناول، ناولٹ دلچسپ ہونے کے ساتھ سبق آموز بھی ہوتا ہے، بہت سی پرانی تحریریں ایسی ہیں جو آج بھی میرے ذہن پہ نقش ہیں، ہر سلسلہ ہی عمدہ ہے، چاہے وہ حاصل مطالعہ ہو یا میری ڈائری سے ہے یا حنا کا دستر خوان ہو، غرضیکہ ہر سلسلہ کمال اور دلچسپ ہے اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں

لی۔

شمع شریں شازب: خوش آمدید اس محفل میں آپ کے نام کی طرح آپ شکوے شکایات بھی ہمیں بڑے پیارے لگے، پہلے تو ایک بات کی وضاحت کر دیں کہ اس سے پہلے آپ کے خطوط ہمیں نہیں ملے ورنہ ضرور شائع کرتے اور کال آپ نے کی تو ہم نے بات نہیں کی آپ کو، یہ بات تو ہمارے لئے بھی باعث حیرت ہے، ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی بہن نے کال کی ہو اور اس سے بات نہ کی جائے، آپ جو تحریریں شاعری اور اسکیچ وغیرہ بھیجنا چاہتی ہیں وہ ضرور بھیجیں، حنا آپ کا اپنا پرچہ ہے اس میں شامل ہونے کے لئے اجازت کی ہرگز ضرورت نہیں، حنا کے سلسلوں کو پسند کرنے کا شکریہ ہم آپ کی تحریروں کے منتظر ہیں جلد بھجوائیں دیں شکریہ۔

زینب سحر: سکھر سے تشریف لائیں ہیں وہ لکھتی ہیں۔

اس ماہ کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے ''کس قیامت کے یہ نامے'' کی طرف دوڑ لگائی، وہاں پر اپنے نام کا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اتنی کہ دل باغ باغ ہو گیا، بس غلطی یہ ہوئی کہ اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئے، فوزیہ آپی آپ کی بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے میرا خط شائع کر کے حوصلہ افزائی کا موقع دیا اور میری غلطیوں کی نشاندہی بھی کی، اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازے آمین۔

اس کے بعد ''دل گزیدہ'' کی قسط پڑھی بہت اچھی قسط تھی، قدر اور حمدان کی نوک جھونک پڑھ کر بہت مزا آیا۔

''پربت کے اس پار کہیں'' بھی بہت اچھا چل رہا ہے، ''ان لمحوں کے دامن میں'' کی قسط شاندار تھی، مبشرہ آپی آپ سے ایک ریکوئسٹ ہے ماننہ بہت پیاری ہے آپ ماننہ کو اور نہیں رلائیے گا پلیز، باقی تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں، اب اجازت دیں۔

زینب سحر جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا پیغام مبشرہ کو مل گیا یقیناً اس ماہ کی قسط پڑھ کر آپ خوش ہوں گی آپ کی رائے کے آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

مسز نگہت غفار: کراچی سے لکھتی ہیں۔

اس ماہ کا حنا منگوایا اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی اور آپ کی پرخلوص تحریر پڑھ کر دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعاؤں کے پنچھی ایک ایک کر کے سب پھر سے اڑ گئے وہ سیدھے آسمان کی وسعتوں سے ہوتے ہوئے رب ذوالجلال کے حضور پہنچ کر اس رب سے اجازت لے کر آپ کی طرف آ پہنچے اور انشاء اللہ تعالیٰ ساری دعائیں آپ کے حق میں ہونگی، بیٹا جی مئی میں پہلے خط کا جواب آیا تھا مگر دیگر تحریروں میں کچھ نہیں تھا۔

اس بار تو آپ نے کہا لیٹ پہنچیں تحریریں، اس وجہ سے صرف خط آیا بہرحال یہ بتا دیں کس تاریخ تک ڈاک پہنچ جانی چاہیے، بہت پیاری چندا تم نے کس مان اور خلوص سے شکوہ کیا کہ عید نمبر کے لئے میں نے کہانی نہیں بھیجی بہت بہت معذرت انشاء اللہ تعالیٰ اب تمہاری آنٹی کوشش کرینگی کہ ایسا پھر بھی نہ ہو ایسے پرخلوص اور اپنائیت والے خوش نصیبوں کو ملتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو زندگی کی ہر خوشی اور کامیابی نصیب کرے آمین۔

ابھی تو چند تحریریں بھیج رہی ہوں انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کے حکم سے کہانی پوری کر لوں تو پھر ارسال کرونگی۔

سردار طاہر بھائی کی باتیں پڑھیں خوبصورت اور نصیحت آمیز تحریر تھی یہ پڑھ کر دل

سے یہ ہی دعا نکلتی ہے کہ یا اللہ ہر قاری کو عقل سلیم اور ایسی توفیق عطا فرما کہ یہ پڑھ کر اس پر عمل کریں آمین۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ کی دمکتی کرنوں کی روشنی میں آگے بڑھ کر دیکھا تو پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں۔

کہانیاں سباس گل "برسات میں" خوبصورت عنوان کے ساتھ کہانی بھی اچھی لگی جیتی رہو چندا۔

بنت عاصم "دائرہ" بہت اچھی تحریر تھی، "آ تم کا ایک پل" خوبصورت عنوان کے ساتھ، جہ عمران موجود ہیں کہانی پر اثر تھی۔

بیاض میں اشعار بھی ہیں قطعات بھی لیکن ... ہے کہیں جگہ باقی پر کچھ نہیں ایسا کیوں ہے یہ ایک فرد ایک ساتھ اتنا کچھ بھیجتا ہے، سب کے اشعار اور قطعات پسند آئے۔

حاصل مطالعہ میں ساری کی ساری تحریریں زبردست تھیں، میری ڈائری سے اس میں بھی ہر ایک ڈائری کا انتخاب اچھا تھا۔

مسز نگہت غفار جتنی دعائیں آپ نے ہمارے لئے اور ہمارے ادارے کے لئے بھیجی اس سے ہزاروں گنا زیادہ آپ کے لئے ہم کرتے ہیں، آپ کی محبتیں اور چاہتیں ہمارا قیمتی اثاثہ ہے، اس ماہ آپ کا خط اور تحریریں بروقت مل گئیں دیکھیں شائع بھی ہو رہی ہیں، آپ سب ہمیں سولہ تاریخ تک اپنی تحریریں تبصرے ارسال کر دیا کریں تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوں گے، بیاض میں تین قطعات ایک نام سے شائع ہو سکتے ہیں، مسز نگہت آپ کی تحریر کا شدت سے انتظار ہے، آپ کے خطوط اتنے مزے کے ہوتے ہیں معذرت کہ مکمل شائع نہیں کر سکتے، صفحات کی کمی کی بنا پر، ہمیں یقین ہے ہماری مصنفین کی کہکشاں میں ایک نئے ستارے کا اضافے ہونے والا ہے بس آپ جلدی سے افسانہ بھجوا دیں، جولائی کا حنا آپ کے معیار پر پورا اترا ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی اپنی رائے سے آگاہ کرتے رہیے گا ہم دل و جان سے منتظر رہیں گے اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور یہ رات کا کھانا گیارہ بجے کچھ زیادہ لیٹ نہیں ہو جاتا؟ خوش و خرم رہیں ہمیشہ۔

منیزہ عطا: کوٹ ادو سے تشریف لائیں ہیں وہ لکھتی ہیں۔

حنا میرا فیورٹ ماہنامہ ہے، حنا کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ہمارے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ حنا ہمیں ٹائم پہ نہیں ملتا کوٹ ادو میں تو حنا آتا ہی نہیں اب ہم نے سالانہ لکھوایا ہوا ہے جو کہ بہت لیٹ پہنچتا ہے، اگست کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ موصول ہوا کچھ باتیں ہماریاں میں طاہر بھائی کے ساتھ مستفق ہوئے، حمد و نعت پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں کو

"مبارک مباد"

ہماری پیاری اور ہر دلعزیز مصنفہ اُم مریم کو اللہ تعالیٰ نے ماں جیسی عظیم ہستی پر فائز کیا اور اسے اپنی نعمت سے نوازا، جس کا نام اُم مریم نے محمد حسین رکھا، ادارہ حنا کی جانب سے ہم اُم مریم کو اس خوشی کے موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔
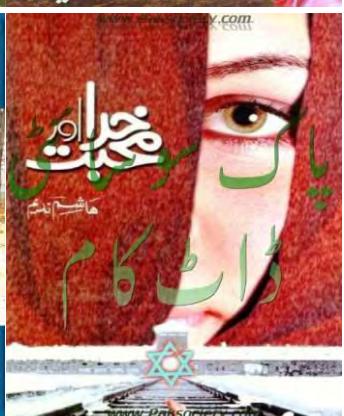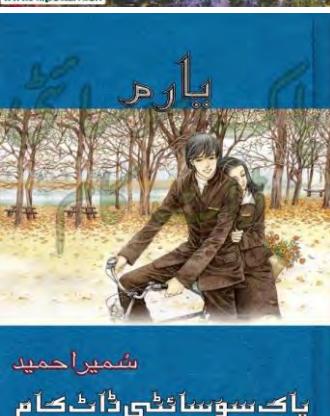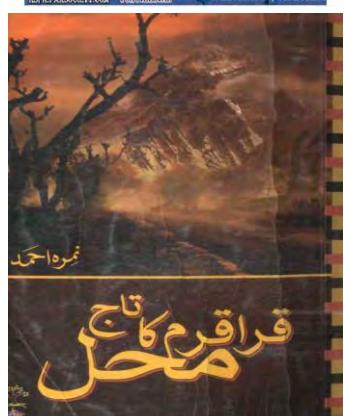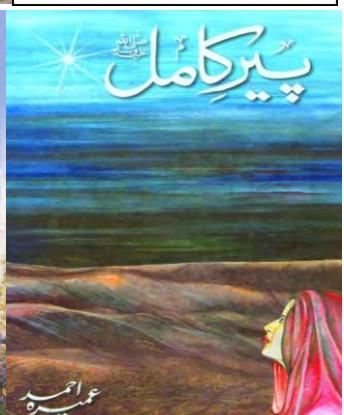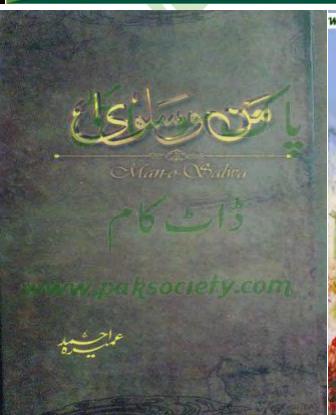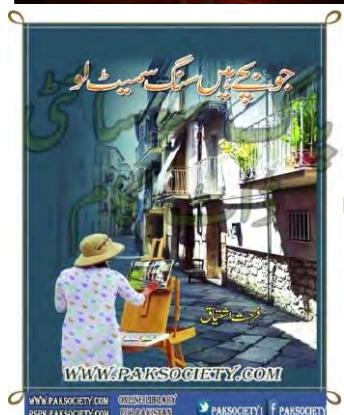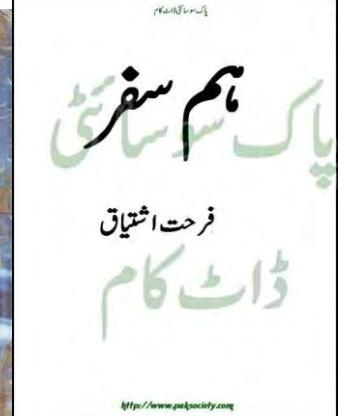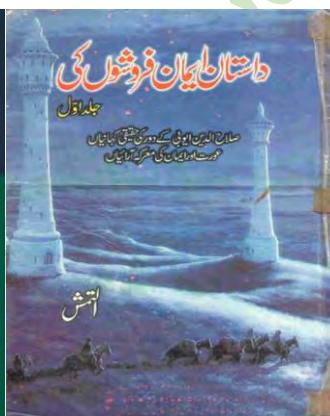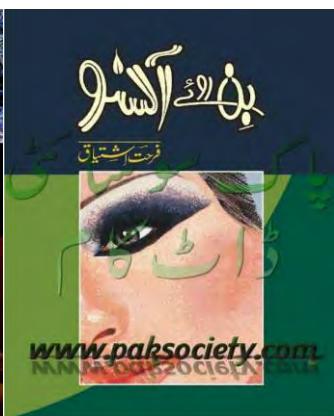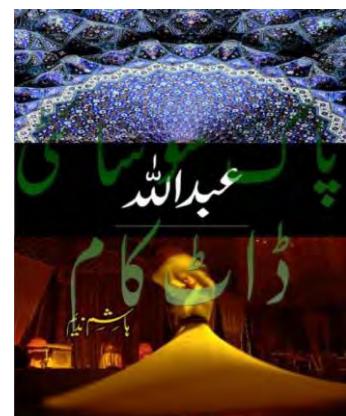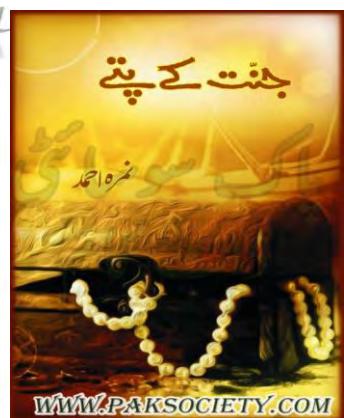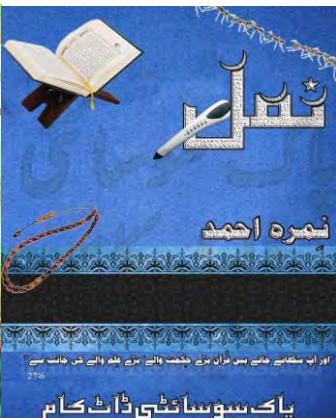
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پھڑ کر دل کو سکون عطا ہوا اللہ پاک عمل کرنے کی توفیق دے آمین، اب بات ہو جائے سلسلے وار ناول کی ام مریم کا ناول ''دل گزیدہ'' کی یہ قسط انتہائی افسردہ تھی پوری قسط میں کہیں بھی غانیہ صاحبہ کے لئے کوئی امید کی رمق نظر نہیں آ رہی تھی ام مریم آپ کا یہ ناول انتہائی بور کر رہا ہے پلیز اب آپ اس کو ختم کر دینا چاہیے اب آتے ہیں نایاب جیلانی کے ناول کی طرف، زبردست ہے بھئی پہلے شروع میں تو بس ایسے ہی لگا اب کہانی نے تیزی سے نیا رخ اختیار کیا تو نشرہ کو ہیام کی زندگی کا ساتھی بنا کر بہت اچھا کیا کیونکہ یہ میرے پسندیدہ کردار ہیں اگرچہ اسے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے پر امید ہے ہیام اور عشیہ کا ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دے گا جہاندار ہیام اور امام یقیناً ایک ہی فیملی کا حصہ ہیں باقی سارے ناول ناولٹ، افسانے اچھے لگے حنا کے سارے سلسلے ہی لاجواب ہوتے ہیں، اللہ پاک حنا کو اور زیادہ ترقی دے آمین۔

آپی ہم نے راحت جبیں کا ناول کاسہ دل لینا ہے کیا کتابی شکل میں آ چکا ہے تو ہمیں بتائیں یہ کہاں سے ملے گا ہمارے شہر میں تو کہیں بھی نہیں ملا شکریہ۔

منیزہ عطا خوش آمدید اس محفل میں جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، حنا تو آپ کو تین تک پوسٹ کر دیا جاتا ہے تو پھر لیٹ کیوں ملتا ہے آپ کو؟ آپ اپنے پوسٹ آفس میں شکایت کریں، کاسہ دل راحت جبیں کا نہیں سندس جبیں کا ہے کتابی شکل میں آ چکا ہے، آپ اپنے قریبی بک سٹال سے پتا کریں یا ان کو کہیں وہ آپ کو منگوا دیں، آپ کی رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

حنا: راولپنڈی سے آئی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

میرا نام حنا ہے میں پہلی دفعہ آپ کے ادارے میں خط لکھ رہی ہوں، میں نے پہلی بار ستمبر 2015ء کو آپ کا پہلا شمارا پڑھا تھا، مجھے بہت اچھا لگا اور پھر میری روٹین بن گیا، آپ کے افسانے اور ناولٹ بہت سبق اموز ہوتے ہیں، شاعری میری فیورٹ ہوتی ہے اور آپ کے ہر شمارے میں چھپی ہوئی شاعری اور غزلیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، مجھے ناول ''دل گزیدہ'' بہت پسند ہے، میرا فیورٹ ہے، میرا ایک شرعی سوال ہے کیا اس سوال کے جاننے میں آپ میری مدد کریں گے، برائے کرم اگلے شمارے میں میرا خط ضرور شامل کیجئے گا اور مجھے ضرور بتائیے گا کہ آپ میری مدد کریں گے اور میں اگلی بار آپ کو اپنا سوال بھیجوں کے نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے

ادارے کو دن دوگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین، اب اجازت دیجئے اللہ حافظ۔

حنا خوش آمدید، اس محفل میں آنے میں بہت دیر کر دی، دو ہزار پندرہ سے آپ حنا پڑھ رہی ہیں اور سترہ میں آپ آئیں؟ بہرحال آپ کا اس محفل میں آنا ہمیں اچھا لگا، حنا پسند کرنے کا شکریہ، آپ اپنا سوال ضرور بھیجیں ہم کوشش کریں گے آپ کو اس کا جامع جواب دیں سکیں، شکریہ۔

☆☆☆